



نواب قواعد فقہ مع ماخذ، تشریح اور فقہی کتابوں سے تفریعات، نیز قواعد فقہ کا تاریخی پس منظر  
اردو زبان میں پہلی مرتبہ باذوق اہل علم کے لئے انمول تحفہ

# قواعد الفقہ

مولانا محمد جمال صاحب

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

ایڈیٹر المعارف کراچی





تساہم قواعد فقہ مع ماخذ تشریح اور فقہی کتابوں سے تفریعات، نیز قواعد فقہ کا تاریخی پس منظر  
اردو زبان میں پہلی مرتبہ باذوق نائل علم کے لئے انمول تحفہ

# قواعد الفقہ

مولانا محمد نعمان صاحب



ادارۃ المعارف کراچی

DATA ENTERED

۲۹۷/۱۳۱

ن 693 ک جملہ حقوقِ ملکیت بحق اِذَا زُتِ الْمَعَارِفُ بِکَرِاحِیْ محفوظ ہیں

بندہ تحت نعمان کی طرف سے کتابِ ہذا  
”قواعد الفقہ“

۱۳۵۷۵۴  
ک

کے جملہ حقوقِ ملکیت ”اِذَا زُتِ الْمَعَارِفُ بِکَرِاحِیْ“ کو حاصل ہیں۔ کوئی شخص یا ادارہ بلا اجازت غیر قانونی طباعت، اشاعت اور فروخت کا مجاز نہیں۔ بصورت دیگر ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔

محمد نعمان

۱۳۳۵/۷۵  
۲۰۱۳/۵۵

باہتمام : مَجْمَعَةُ مَشَائِقِ نِسْتِیْ

طبع جدید : شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ - جون ۲۰۱۳ء

مطبع : شمس پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر : اِذَا زُتِ الْمَعَارِفُ بِکَرِاحِیْ

ملنے کے پتے:

اِذَا زُتِ الْمَعَارِفُ بِکَرِاحِیْ

احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی، کورنگی انڈسٹریل ایریا، کراچی

فون: 021-35123161, 021-35032020

موبائل: 0300 - 2831960

ای میل: [imaarif@live.com](mailto:imaarif@live.com)

✽ مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴ ✽ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی

✽ ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور

✽ بیت الکتب، گلشن اقبال، کراچی ✽ مکتبہ القرآن، بنوری ٹاؤن، کراچی

## فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۹	تقریظ: استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب.....	۱
۱۱	تقریظ: حضرت مولانا مفتی محمد انعام الحق قاسمی صاحب.....	۲
۱۴	انتساب.....	۳
۱۵	عرض مؤلف.....	۴
۱۷	قواعد فقہیہ کا تاریخی پس منظر.....	۵
۱۷	قاعدے کا لغوی معنی.....	۶
۱۷	قاعدے کا اصطلاحی معنی.....	۷
۱۹	قواعد فقہیہ کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے	۸
۲۲	قواعد فقہیہ کا ثبوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال سے.....	۹
۲۳	قواعد فقہیہ کا ثبوت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے اقوال سے.....	۱۰
۲۶	علامہ ابوطاہر دباس رحمہ اللہ کا واقعہ.....	۱۱
۲۹	شواہد میں قواعد کے مؤسس.....	۱۲
۲۹	اصول الکفرنی کا تعارف.....	۱۳
۳۱	تاسیس النظر کا تعارف.....	۱۴
۳۳	ساتویں صدی کا کام.....	۱۵
۳۳	آٹھویں صدی کا کام.....	۱۶
۳۴	الاشباہ والنظائر کا تعارف.....	۱۷
۳۵	مجلة الأحكام العدلیہ کی تدوین.....	۱۸

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۳۶	مضامین مجموعہ	۱۹
۳۷	مجلہ کی شرحیں	۲۰
۳۹	قواعد فقہیہ کے مصادر	۲۱
۴۰	مالکی علماء کی قواعد پر لکھی گئی کتابیں	۲۲
۴۰	شافعی علماء کی قواعد پر لکھی گئی کتابیں	۲۳
۴۱	حنبلی علماء کی قواعد پر لکھی گئی کتابیں	۲۴
۴۲	قاعدہ نمبر ۱	قَاعِدَةُ نُمْبَرِ ۱
۴۷	قاعدہ نمبر ۲	قَاعِدَةُ نُمْبَرِ ۲
۵۰	قاعدہ نمبر ۳	قَاعِدَةُ نُمْبَرِ ۳
۵۱	قاعدہ نمبر ۴	قَاعِدَةُ نُمْبَرِ ۴
۵۹	قاعدہ نمبر ۵	قَاعِدَةُ نُمْبَرِ ۵
۶۲	قاعدہ نمبر ۶	قَاعِدَةُ نُمْبَرِ ۶
۶۴	قاعدہ نمبر ۷	قَاعِدَةُ نُمْبَرِ ۷
۶۷	قاعدہ نمبر ۸	قَاعِدَةُ نُمْبَرِ ۸
۷۲	قاعدہ نمبر ۹	قَاعِدَةُ نُمْبَرِ ۹
۷۵	قاعدہ نمبر ۱۰	قَاعِدَةُ نُمْبَرِ ۱۰
۸۰	قاعدہ نمبر ۱۱	قَاعِدَةُ نُمْبَرِ ۱۱
۸۴	قاعدہ نمبر ۱۲	قَاعِدَةُ نُمْبَرِ ۱۲
۸۸	قاعدہ نمبر ۱۳	قَاعِدَةُ نُمْبَرِ ۱۳
۹۲	قاعدہ نمبر ۱۴	قَاعِدَةُ نُمْبَرِ ۱۴
۹۶	قاعدہ نمبر ۱۵	قَاعِدَةُ نُمْبَرِ ۱۵

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
قاعدہ نمبر ۷۶	الْمُشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِيرَ	۱۰۰
قاعدہ نمبر ۱۷	الْأَمْرُ إِذَا ضَاقَ اتَّسَعَ	۱۰۵
قاعدہ نمبر ۱۸	لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ	۱۰۷
قاعدہ نمبر ۱۹	الضَّرَرُ يُزَالُ	۱۱۱
قاعدہ نمبر ۲۰	الضَّرُورَاتُ تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ	۱۱۳
قاعدہ نمبر ۲۱	الضَّرُورَاتُ تُقَدَّرُ بِقَدْرِهَا	۱۱۸
قاعدہ نمبر ۲۲	مَا جَازَ لِعُدْرِ بَطْلٍ بِزَوَالِهِ	۱۲۲
قاعدہ نمبر ۲۳	إِذَا زَالَ الْمَانِعُ عَادَ الْمَمْنُوعُ	۱۲۶
قاعدہ نمبر ۲۴	الضَّرَرُ لَا يُزَالُ بِمِثْلِهِ	۱۳۰
قاعدہ نمبر ۲۵	يُتَحَمَّلُ الضَّرَرُ الْخَاصُّ لِدَفْعِ ضَرَرٍ عَامٍ	۱۳۶
قاعدہ نمبر ۲۶	الضَّرَرُ الْأَشَدُّ يُزَالُ بِالضَّرَرِ الْأَخْفِ	۱۳۶
قاعدہ نمبر ۲۷	إِذَا تَعَارَضَ مُفْسِدَتَانِ رُوِيَ أَعْظَمُهُمَا ضَرَرًا يَارْتَكَبِ أَخْفَهُمَا	۱۳۹
قاعدہ نمبر ۲۸	يَخْتَارُ أَهْوَنُ الشَّرِّينِ	۱۴۱
قاعدہ نمبر ۲۹	دَرَّةُ الْمَفَاسِدِ أَوْلَى مِنْ جَلْبِ الْمَنَافِعِ	۱۴۳
قاعدہ نمبر ۳۰	الضَّرَرُ يُدْفَعُ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ	۱۴۶
قاعدہ نمبر ۳۱	الْحَاجَةُ تَنْزِلُ مَنزِلَةَ الضَّرُورَةِ عَامَّةً أَوْ خَاصَّةً	۱۴۹
قاعدہ نمبر ۳۲	الْإِضْطِرَارُ لَا يُبْطِلُ حَقَّ الْغَيْرِ	۱۵۲
قاعدہ نمبر ۳۳	مَا حَرَّمَ أَخْذُهُ حَرَّمَ إِعْطَاؤُهُ	۱۵۴
قاعدہ نمبر ۳۴	مَا حَرَّمَ فِعْلُهُ حَرَّمَ طَلْبُهُ	۱۵۵
قاعدہ نمبر ۳۵	الْعَادَةُ مُحْكِمَةٌ	۱۵۵
قاعدہ نمبر ۳۶	إِسْتِعْمَالُ النَّاسِ حُجَّةٌ يَجِبُ الْعَمَلُ بِهَا	۱۶۵
قاعدہ نمبر ۳۷	الْمُمْتَنِعُ عَادَةً كَالْمُمْتَنِعِ حَقِيقَةً	۱۶۸

نمبر شمار	مضامين	صفحة نمبر
قاعده نمبر ٣٨	لَا يُنْكَرُ تَغْيِيرُ الْأَحْكَامِ بِتَغْيِيرِ الْأَزْمَانِ	١٤٠
قاعده نمبر ٣٩	الْحَقِيقَةُ تُتْرَكُ بِدَلَالَةِ الْعَادَةِ	١٤٢
قاعده نمبر ٤٠	إِنَّمَا تُعْتَبَرُ الْعَادَةُ إِذَا اطَّرَدَتْ أَوْ غَلَبَتْ	١٤٣
قاعده نمبر ٤١	الْعِبْرَةُ لِلْغَالِبِ الشَّائِعِ لَا لِلنَّادِرِ	١٤٦
قاعده نمبر ٤٢	الْمَعْرُوفُ عُرْفًا كَالْمَشْرُوطِ شَرْطًا	١٤٩
قاعده نمبر ٤٣	الْمَعْرُوفُ بَيْنَ التُّجَّارِ كَالْمَشْرُوطِ بَيْنَهُمْ	١٨٢
قاعده نمبر ٤٤	التَّعْيُنُ بِالْعُرْفِ كَالْتَّعْيُنِ بِالنَّصِّ	١٨٥
قاعده نمبر ٤٥	إِذَا تَعَارَضَ الْمَانِعُ وَالْمُقْتَضَى يُقَدَّمُ الْمَانِعُ	١٨٦
قاعده نمبر ٤٦	التَّابِعُ تَابِعٌ	١٩٠
قاعده نمبر ٤٧	التَّابِعُ لَا يُفْرَدُ بِالْحُكْمِ	١٩٣
قاعده نمبر ٤٨	مَنْ مَلَكَ شَيْئًا مَلَكَ مَا هُوَ مِنْ ضَرُورَاتِهِ	١٩٣
قاعده نمبر ٤٩	إِذَا سَقَطَ الْأَصْلُ سَقَطَ الْفُرْعُ	١٩٥
قاعده نمبر ٥٠	السَّاقِطُ لَا يَعُودُ كَمَا أَنَّ الْمَعْدُومَ لَا يَعُودُ	١٩٨
قاعده نمبر ٥١	إِذَا بَطَلَ الشَّيْءُ بَطَلَ مَا فِي ضَمْنِهِ	٢٠٣
قاعده نمبر ٥٢	إِذَا بَطَلَ الْأَصْلُ يُصَارُ إِلَى الْبَدَلِ	٢٠٥
قاعده نمبر ٥٣	يُغْتَفَرُ فِي التَّوَابِعِ مَا لَا يُغْتَفَرُ فِي غَيْرِهَا	٢٠٤
قاعده نمبر ٥٤	يُغْتَفَرُ فِي الْبَقَاءِ مَا لَا يُغْتَفَرُ فِي الْإِبْتِدَاءِ	٢٠٩
قاعده نمبر ٥٥	الْبَقَاءُ أَسْهَلُ مِنَ الْإِبْتِدَاءِ	٢١٢
قاعده نمبر ٥٦	لَا يَتِمُّ التَّبَرُّعُ إِلَّا بِقَبْضِ	٢١٣
قاعده نمبر ٥٧	التَّصَرُّفُ عَلَى الرَّعِيَّةِ مَنْوُطٌ بِالْمَصْلِحَةِ	٢١٦
قاعده نمبر ٥٨	الْوِلَايَةُ الْخَاصَّةُ أَقْوَى مِنَ الْوِلَايَةِ الْعَامَّةِ	٢٢٢
قاعده نمبر ٥٩	إِعْمَالُ الْكَلَامِ أَوْلَى مِنْ إِهْمَالِهِ	٢٢٣
قاعده نمبر ٦٠	إِذَا تَعَدَّرَتِ الْحَقِيقَةُ يُصَارُ إِلَى الْمَجَازِ	٢٢٤



نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
قاعده نمبر ٦١	إِذَا تَعَدَّرَ أَعْمَالُ الْكَلَامِ يُهْمَلُ	٢٣٠
قاعده نمبر ٦٢	ذِكْرُ بَعْضِ مَا لَا يَتَجَزَأُ كَذِكْرِ كَلِمَةٍ	٢٣٢
قاعده نمبر ٦٣	الْمُطْلَقُ يَجْرِي عَلَى إِطْلَاقِهِ إِذَا لَمْ يَقُمْ دَلِيلُ التَّقْيِيدِ نَصًّا أَوْ دَلَالَةً	٢٣٣
قاعده نمبر ٦٤	الْوَصْفُ فِي الْحَاضِرِ لَعْوٌ وَفِي الْغَائِبِ مُعْتَبَرٌ	٢٣٨
قاعده نمبر ٦٥	السُّوَالُ مَعَادٌ فِي الْجَوَابِ	٢٤٠
قاعده نمبر ٦٦	لَا يُنْسَبُ إِلَى سَاكِتٍ قَوْلٌ لَكِنَّ السُّكُوتَ فِي مَعْرِضِ الْحَاجَةِ بَيَانٌ	٢٤٣
قاعده نمبر ٦٧	دَلِيلُ الشَّيْءِ فِي الْأُمُورِ الْبَاطِنَةِ يَقُومُ مَقَامَهُ	٢٤٨
قاعده نمبر ٦٨	الْكِتَابُ كَالْخِطَابِ	٢٥١
قاعده نمبر ٦٩	الْإِشَارَاتُ الْمَعْهُودَةُ لِلْآخِرِ كَالْبَيَانِ بِاللِّسَانِ	٢٥٣
قاعده نمبر ٧٠	يُقْبَلُ قَوْلُ الْمُتَرْجِمِ مُطْلَقًا	٢٥٦
قاعده نمبر ٧١	لَا عِبْرَةَ بِالظَّنِّ الْبَيْنِ خَطْوُهُ	٢٥٩
قاعده نمبر ٧٢	لَا حُجَّةَ مَعَ الْإِحْتِمَالِ النَّاشِي عَنْ دَلِيلٍ	٢٦٣
قاعده نمبر ٧٣	لَا عِبْرَةَ لِتَوْهَمِهِمْ	٢٦٤
قاعده نمبر ٧٤	الثَّابِتُ بِالْبُرْهَانِ كَالثَّابِتِ بِالْعَيَانِ	٢٧٢
قاعده نمبر ٧٥	الْبَيِّنَةُ لِلْمُدَّعِيِ وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ	٢٧٣
قاعده نمبر ٧٦	الْبَيِّنَةُ لِإثْبَاتِ خِلَافِ الظَّاهِرِ وَالْيَمِينُ لِإِبْقَاءِ الْأَصْلِ	٢٧٤
قاعده نمبر ٧٧	الْبَيِّنَةُ حُجَّةٌ مُتَعَدِّيَةٌ وَالْإِقْرَارُ حُجَّةٌ قَاصِرَةٌ	٢٨٠
قاعده نمبر ٧٨	الْمَرَّةُ مُؤَاخَذٌ بِإِقْرَارِهِ	٢٨٣
قاعده نمبر ٧٩	لَا حُجَّةَ مَعَ التَّنَاقُضِ لَكِنَّ لَا يَخْتَلُ مَعَهُ حُكْمُ الْحَاكِمِ	٢٨٥
قاعده نمبر ٨٠	قَدْ يَثْبُتُ الْفَرْعُ مَعَ عَدَمِ ثُبُوتِ الْأَصْلِ	٢٨٤
قاعده نمبر ٨١	الْمُعْلَقُ بِالشَّرْطِ يَجِبُ ثُبُوتُهُ عِنْدَ ثُبُوتِ الشَّرْطِ	٢٨٨



نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
قاعده نمبر ٨٢	يَلْزَمُ مُرَاعَاةَ الشَّرْطِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ.....	٢٩٢
قاعده نمبر ٨٣	الْمَوَاعِيدُ بِاِكْتِسَابِ صُورِ التَّعَالِيْقِ تَكُوْنُ لَازِمَةً.....	٢٩٨
قاعده نمبر ٨٤	الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ.....	٢٩٩
قاعده نمبر ٨٥	الْأَجْرُ وَالضَّمَانُ لَا يَجْتَمِعَانِ.....	٣٠٢
قاعده نمبر ٨٦	الْغُرْمُ بِالْغَنَمِ.....	٣٠٦
قاعده نمبر ٨٧	النِّعْمَةُ بِقَدْرِ النِّقْمَةِ وَالنِّقْمَةُ بِقَدْرِ النِّعْمَةِ.....	٣٠٨
قاعده نمبر ٨٨	يُضَافُ الْفِعْلُ إِلَى الْفَاعِلِ لَا الْأَمْرَ مَا لَمْ يَكُنْ مُجْبَرًا.....	٣١١
قاعده نمبر ٨٩	إِذَا اجْتَمَعَ الْمُبَاشِرُ وَالْمُتَسَبِّبُ يُضَافُ الْحُكْمُ إِلَى الْمُبَاشِرِ.....	٣١٣
قاعده نمبر ٩٠	الْجَوَازُ الشَّرْعِيُّ يُنَافِي الضَّمَانَ.....	٣١٤
قاعده نمبر ٩١	الْمُبَاشِرُ ضَامِنٌ وَإِنْ لَمْ يَتَعَمَّدْ.....	٣٢٠
قاعده نمبر ٩٢	الْمُتَسَبِّبُ لَا يَضْمَنُ إِلَّا بِالتَّعَمُّدِ.....	٣٢٣
قاعده نمبر ٩٣	جَنَایَةُ الْعُجْمَاءِ جُبَارٌ.....	٣٢٦
قاعده نمبر ٩٤	الْأَمْرُ بِالتَّصَرُّفِ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ بَاطِلٌ.....	٣٣١
قاعده نمبر ٩٥	لَا يُجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَتَّصِرَفَ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ بِإِذْنِهِ.....	٣٣٢
قاعده نمبر ٩٦	لَا يُجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَأْخُذَ مَالَ أَحَدٍ بِإِذْنِهِ سَبَبٍ شَرْعِيٍّ.....	٣٣٢
قاعده نمبر ٩٧	تَبَدُّلُ سَبَبِ الْمِلْكِ قَائِمٌ مَقَامَ تَبَدُّلِ الذَّاتِ.....	٣٣٦
قاعده نمبر ٩٨	مَنْ اسْتَعْجَلَ الشَّيْءَ قَبْلَ أَوَانِهِ عُوِقِبَ بِحَرْمَانِهِ.....	٣٣٩
قاعده نمبر ٩٩	مَنْ سَعَى فِي نَقْضِ مَا تَمَّ مِنْ جِهَتِهِ فَسَعِيهِ مَرْدُودٌ عَلَيْهِ.....	٣٤٢
قاعده نمبر ١٠٠	الْحَرْجُ مَرْفُوعٌ.....	٣٤٥



## تقریظ

استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالرزاق زاہد صاحب مدظلہم

استاذ اعدیث جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لولیه والصلاة علی نبیه وعلی آلہ وصحبہ اجمعین، اما بعد!

زیر نظر کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے قواعد فقہ سے متعلق ہے، اس میں برخوردارم مولانا محمد نعمان احمد حفظہ اللہ نے قواعد فقہ پر دستیاب مشہور اور متداول کتب و ماخذ سے استفادہ کیا ہے، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ کی ”الأشباه والنظائر“ اور ترک ویر خلافت میں مرتب کی گئی بے نظیر و بے مثال کتاب ”مجلة الأحكام العدلیة“ کو موصوف نے اپنی کتاب کا بنیادی ماخذ بنایا ہے، ہمارے ہاں دینی مدارس میں اصول فقہ کی جو کتب شامل نصاب ہیں ان میں فقہ کے اصول کا تعارف پیش کیا گیا ہے اور قواعد فقہ مستقل صنف ہے اس پر مذاہب اربعہ کے ائمہ و اعلام نے وقیع تالیفات پیش کی ہیں، چونکہ ہمارے مدارس کے نصاب میں قواعد فقہ سے متعلق کوئی کتاب داخل نصاب نہیں ہے اس لئے اکثر طلبہ اس صنف سے واقف نہیں ہوتے، تخصص فی الفقہ کے طلبہ کو قواعد فقہ کی کتب باقاعدہ طور پر تدریساً و سبقاً پڑھائی جاتی ہیں، برخوردارم مولانا محمد نعمان سلمہ نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ قواعد فقہ پر اردو زبان میں پہلی مبسوط اور تحقیقی کاوش پیش کی ہے اور ضروری اور اہم قواعد کو اہمات کتب سے زائل کر ہر قاعدہ پر متعدد تفریعات پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے، پہلے انہوں نے عربی قاعدہ، ترجمہ اور تشریح کی ہے اور پھر اس پر آسان اور دلنشین اردو میں



متعدد مثالیں دے کر بتایا ہے کہ یہ قاعدہ کہاں اور کس طرح منطبق ہوتا ہے، اس طرح انہوں نے ایک وسیع و عریض فقہی ذخائر سے سو (۱۰۰) اہم قواعد، مأخذ اور تفریعات کا انتخاب کیا ہے، قارئین کیلئے قواعد فقہ سے استفادہ کی راہیں سہل اور آسان بنا دی ہیں۔

مولانا موصوف نے ابتداء میں قواعد فقہ پر ایک معلوماتی مقدمہ بھی تحریر کیا ہے اور اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ قواعد فقہ پر مذاہب اربعہ کی کون کون سی کتب کن ادوار میں لکھی گئی ہیں، یہ مقدمہ تحقیقی اور معلومات افزا ہے اور اس پر مؤلف لائق تبریک ہیں۔

مولانا محمد نعمان سلمہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے لائق اور علمی ذوق رکھنے والے فضلاء میں سے ہیں، ان کی زیر نظر و قیام کاوش اہل علم کیلئے بالعموم اور دارالافتاء سے متعلق حضرات مفتیان کرام کیلئے بالخصوص قیمتی سوغات ہے، فراغت کے بعد انتہائی مختصر وقت میں اس سے قبل تین علمی کتب منظر عام پر آچکی ہیں اور یہ ان کی چوتھی کاوش ہے، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو۔

میں نے ان کی اس کاوش پر اچھتی ہوئی نگاہ ڈالی ہے اپنی تدریس اور انتظامی مصروفیات اور ذمہ داریوں کی بناء پر ان کی تالیف لطیف کا بالاستیعاب مطالعہ نہ کر سکا، سرسری مطالعہ کے دوران راقم نے اپنے تاثرات بلا کم و کاست نقل کر دیئے ہیں۔ میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی جملہ کاوشوں کو شرف قبولیت دے اور اسے ان کے والدین و اساتذہ کیلئے ذخیرہ آخرت بنا دے۔

(آمین یا رب العالمین)

(حضرت مولانا) عبدالرزاق زاہد غفرلہ

استاذ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

ومعتمد صدر الوفاق و صدر تنظیمات مدارس اسلامیہ

۲۰ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ

## تقریظ

حضرت مولانا مفتی انعام الحق قاسمی صاحب مدظلہم  
نائب مفتی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

واضح رہے کہ فقہ ہتھیلی کی مانند ہے جیسے ایک انسان کو لینے، دینے اور پکڑنے کیلئے ہتھیلی کی ضرورت ہوتی ہے اس کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا اسی طرح انسان کو فقہ کی بھی ضرورت ہے اس کے بغیر حلال، حرام، واجب، سنت اور مستحب وغیرہ کو بے تکلف نہیں جان سکتا، یہی فقہ ہی قرآن و حدیث کا نتیجہ اور ثمرہ ہے، چنانچہ فقہ میں دلچسپی اور مہارت کے بغیر اسلام کو ایک مکمل نظام زندگی اور قانون حیات کی حیثیت سے سمجھنا ناممکن ہے، فقہ کو غیر ضروری سمجھنے والا درحقیقت چھلکے میں ہی الجھ کر رہ جاتا ہے، قرآن و حدیث کے مغز تک اس کو رسائی نصیب نہیں ہوتی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من یرد اللہ بہ خیراً ایفقہ فی الدین۔

یعنی اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی فقہ اور سمجھ عنایت فرماتا ہے، یعنی اسکو عالم فقہ بنا دیتا ہے۔

ہزار عابدوں کے مقابلہ میں ایک فقیہ شیطان پر سخت اور بھاری ہوتا ہے، کیونکہ عابد سے کسی کو نفع نہیں پہنچتا، جبکہ فقیہ لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیتا ہے، انہیں حرام و حلال کے مسائل



بتاتا ہے، تفقہ فی الدین سے مراد یہ ہے کہ وہ مسائل و احکام جو قرآن و سنت میں واضح طور پر موجود نہیں ہیں ان کو قواعد و حوادث اور واقعات کے ذریعہ حاصل کیا جائے، کیونکہ ایک ایک کر کے تمام جزئیات کو یاد رکھنا بہت ہی زیادہ مشکل ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط میں لکھا تھا جسے امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے:

الفہم الفہم فیما یختلج فی صدرك مما لم یبلغک فی الكتاب او  
السنة اعرف الأمثال والأشباہ ثم قس الأمور عند ذلك فاعمد إلى  
أحبها عند الله وأشبہها بالحق فیما تری۔

(سنن الدارقطنی للامام الکبیر علی بن عمر أبی الحسن الدارقطنی

البغدادی، کتاب عمر إلى أبی موسیٰ الأشعری ۳۶۷/۵ رقم الحدیث ۴۴۷۱

الناشر: دار الفکر)

یعنی جو چیز تم کو قرآن و سنت میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت میں شبہ ہو اس میں غور کرو اور خوب غور کرو اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو پھر ان سے قیاس کرو اور جو اللہ کو پسندیدہ تر اور حق کے ساتھ مشابہ تر ہو اس پر عمل کرو۔

معلوم ہوا کہ اشباہ و نظائر اور قواعد و اصول کا علم ایک عظیم ترین فقہی فن ہے، ان قواعد و قوانین کے ذریعہ تھوڑے وقت میں سہل اور آسان طریقہ پر ان نئے نئے واقعات اور جزئیات و حوادث کے احکام کو کسی قسم کے شک و شبہ کے بغیر معلوم کرنا آسان ہو جاتا ہے جن کے بارے میں قرآن و سنت اور اجماع کی طرف سے کوئی حکم وارد نہیں ہے۔

سب سے پہلے اس علم کا دروازہ سلطان العلماء عبدالعزیز بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے کھولا اور ”القواعد الصغریٰ اور القواعد الکبریٰ“ نامی دو کتابیں تصنیف کیں۔

بعد ازاں شیخ صدر الدین محمد بن عمر المعروف بابن الوکیل رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۶ھ) امام ابو طاہر دباس، قاضی حسین بدر الدین محمد زکشی، تاج الدین سبکی، سراج الدین عمر بن علی

ابن الملقن شافعی، حافظ جلال الدین سیوطی، علامہ ابن نجیم مصری وغیرہ بہت سارے علمائے کرام رحمہ اللہ نے اس فن پر کام کیا۔

تاہم یہ تمام کتابیں عربی زبان میں تھیں اردو زبان میں اس قسم کی کوئی کتاب دستیاب نہیں تھی، اب ماشاء اللہ عزیز محترم جناب مولانا محمد نعمان احمد صاحب فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیۃ و استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی نے کافی محنت اور عرق ریزی کے بعد ان قواعد میں سے بہت سارے قواعد کو اردو زبان میں قواعد الفقہ نامی کتاب میں منتقل کر دیا ہے۔

بندہ نے اس کتاب کو درمیان درمیان سے دیکھا ہے، ماشاء اللہ بڑی اچھی کتاب ہے اور بہترین کاوش ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے اور طلبہ، عوام اور خواص کے لئے مفید بنائے اور مؤلف کے لئے صدقہ جاریہ اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنائے۔

آمین بحرمة سید المرسلین

کتبہ (حضرت مولانا مفتی) محمد انعام الحق (قاسمی صاحب)

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

۱۴۳۳ھ / ۶ / ۲۱

۲۰۱۲ء / ۵ / ۱۳



## انتساب

میں اپنی اس حقیر سی کاوش کو محدث العصر علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ اور اپنے  
 مادر علمی جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کی طرف منسوب کرنے کی  
 سعادت حاصل کر رہا ہوں جس کے دامن تربیت میں پل کر میں اس کاوش  
 کے قابل ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## عرض مؤلف

متاخرین فقہاء کرام کے مدون کردہ اصول فقہ کے دو حصے ہیں: ایک تو وہ حصہ ہے جس میں وہ الفاظ و معانی کے اعتبار سے عام، خاص، ظاہر، خفی، عبارت النص، اشارۃ النص وغیرہ مباحث ذکر کرتے ہیں، جو عموماً اصول الشاشی، نور الانوار، حسامی، توضیح تلویح اور عام اصول فقہ کی کتب میں مذکور اور مدارس میں داخل نصاب ہے۔ اس کے علاوہ اصول فقہ کا ایک حصہ اور بھی ہے، جس کے مضامین و مباحث اس سے جداگانہ ہیں مثلاً الأُمور بمقاصدها، الیقین لا یزول بالشک، الأصل فی الکلام الحقیقۃ، الأصل بقاء ما کان علی کان، العادۃ محکمۃ، ان جیسے اہم اصول و قواعد کا ذکر ہے، افادیت اور ضرورت کے اعتبار سے اصول فقہ کا یہ شعبہ پہلے شعبہ کے مقابلے میں زیادہ مفید اور اہمیت کا حامل ہے، اس میں ایسے اصول بیان کیے جاتے ہیں جن کی ضرورت ہر زمانے میں مفتی کو بکثرت پیش آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شعبہ افتاء کے لیے علماء نے اصول فقہ کی اس قسم سے متعلق کتاب ”الأشباه والنظائر“ کو لازمی قرار دیا ہے۔

اردو زبان میں اصول فقہ پر بیسیوں کتابیں ہونے کے باوجود ان اصول و قواعد اور تفریعات کے ذکر پر کوئی کتاب اب تک منظر عام پر نہیں آئی، بندہ کی یہ خواہش تھی کہ اس موضوع پر تفصیلی کتاب ہونی چاہیے جن میں تمام اہم قواعد و کلیات کا ذکر آجائے۔ اس کتاب میں سو (۱۰۰) قواعد فقہیہ کا ذکر ہے، اور یہ تمام قواعد ”مجلة الأحكام العدلیة“ سے لیے گئے ہیں قواعد کی ترتیب بھی مجلہ ہی کے اعتبار سے ہے، کتاب کے شروع میں ”قواعد فقہیہ کا تاریخی پس منظر“ کے عنوان سے قواعد فقہ کی مختصراً لیکن جامع تاریخ ذکر کی گئی



ہے، اور چاروں مکتبہ فکر کے علماء کرام کی قواعد پر لکھی گئی کتابوں کی نشان دہی اور فقہ حنفی میں قواعد پر لکھی گئی کتابوں کا ترتیب کے ساتھ مختصراً تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔

ہر قاعدے کا بالالتزام دو کتابوں سے حوالہ دیا گیا ہے نیز ہر ممکنہ کوشش رہی کہ قواعد کے ماخذ کو اصل کتابوں سے مراجعت کر کے باحوالہ لکھا جائے۔ ہر قاعدے کے بعد عام فہم انداز میں اس کی وضاحت اور تشریح کی گئی ہے تاکہ قاعدہ سمجھنا آسان ہو جائے، پھر تفریعات کے لکھنے میں اس بات کی کوشش رہی کہ ہر قاعدے کے لیے کم از کم پانچ تفریعات ضرور ذکر کی جائیں۔

بندہ نے اس کتاب میں زیادہ تر استفادہ ”الأشباه والنظائر“ (لابن نجیم) اور ”شرح المجلة“ (علامہ محمد خالد اتاسی) اور ”درر الأحكام شرح مجلة الأحكام“ (علامہ علی حیدر) اور تفریعات کی تلاش میں ”مبسوط للسرخسی، فتاویٰ قاضیخان، بدائع الصنائع، البحر الرائق، تبیین الحقائق، الفتاویٰ الہندیہ، مجمع الأنہر، فتاویٰ تاتارخانیہ، رد المحتار علی الدد المختار“ وغیرہ معتبر کتب سے مدد لی ہے۔ باقی جو بات جس کتاب سے لی گئی ہے اس کا مکمل حوالہ دیا گیا ہے، الحمد للہ ہر بات باحوالہ ہے، کتاب، باب، جلد، صفحہ، رقم الحدیث کے ساتھ مکمل حوالہ لکھا ہے تاکہ مراجعت کرنے والوں کے لیے آسانی ہو۔ میں ان تمام حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میری اس تصنیفی کاوش میں میرے ساتھ کسی بھی قسم کی معاونت کی ہو اللہ تعالیٰ ان کو بہتر بدلہ دینا و آخرت میں عطاء فرمائے۔ آمین بارگاہِ خداوندی میں دعاء ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس مختصر تالیف کو قبول فرما کر نجات کا ذریعہ بنائے اور اصول فقہ پڑھنے پڑھانے والوں کے لیے اس کو مفید اور نافع بنائے۔

محمد نعمان احمد

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

۳ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ ۵۷۶۷۵۵۲۲۳۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## قواعد فقہیہ کا تاریخی پس منظر

قاعدہ ”قاعد“ کا مؤنث ہے، ”قاعدة التمثال“ وہ بلند چوترہ جس پر پتھر نصب کیا جائے، صلہ کے بدل جانے سے معنی میں بھی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

قاعدے کا لغوی معنی

وَهِيَ لُغَةً الْاَسَاسُ۔<sup>(۲)</sup> (یعنی بنیاد)

قرآن کریم میں بھی لفظ قاعدہ اس معنی میں استعمال ہوا ہے:

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ۔<sup>(۳)</sup>

ان سے پہلے بہت سے لوگ مکاریاں کر چکے ہیں، تو اللہ نے ان کے مکر کی بنیاد جڑ سے اکھاڑ پھینکی۔

قاعدے کا اصطلاحی معنی

وَاصْطِلَاحًا حُكْمٌ كُلِّيٌّ يَنْطَبِقُ عَلَى جَمِيعِ جُزْئِيَّاتِهِ لِتَعَرُّفِ

اَحْكَامُهَا مِنْهُ۔<sup>(۴)</sup>

قاعدہ اصطلاح میں ایسی کلی کو کہا جاتا ہے جو اپنی ساری جزئیات پر منطبق

ہو، تا کہ اس قاعدے کے ذریعہ اس کی جزئیات کا علم ہو سکے۔

(۱) منہاج اللغات: ص ۲۹۳ (۲) غمز عیون البصائر: الفن الأول فی القواعد الكلية، ج ۱ ص ۵۱  
(۳) النحل: ۲۲ (۴) غمز عیون البصائر: الفن الأول فی القواعد الكلية، ج ۱ ص ۵۱

قاعدے سے ایک قریبی لفظ ”ضابطہ“ ہے، ”ضابط“ اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کی جمع ”ضبطتہ“ اور ”ضباط“ آتی ہے، لغت میں اس کا معنی ٹھوس حافظہ والا بتایا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس کی تعریف تھوڑے فرق کے ساتھ قاعدہ کی سی ہے، چنانچہ علامہ حموی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۹۸ھ) اس فرق کو یوں بیان کرتے ہیں:

الضَّابِطُ مَا يَجْمَعُ فُرُوعًا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ بِخِلَافِ الْقَاعِدَةِ وَهِيَ مَا  
يَجْمَعُهَا مِنْ أَبْوَابٍ شَتَّى - (۱)

ضابطہ ایک ہی باب کی فروع کو جامع ہوتا ہے جبکہ قاعدہ مختلف ابواب کی فروع کو جامع ہوتا ہے۔

قاعدہ سے دوسرا قریبی لفظ ”اصول“ ہے، اہل فن نے ان دونوں میں بھی فرق کیا ہے، اصول کا تعلق الفاظ کی دلالت، نصوص کے ذریعہ ثبوت اور احکام کے طریق استنباط سے ہوتا ہے، اور ”قواعد“ شریعت کے مزاج کو ظاہر کرتے ہیں اور شریعت ان کی رعایت کی متقاضی ہوتی ہے (قرآن نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، دیکھئے: الفرق: ۱/۸، ۹) اصول کی حیثیت کلیات کی ہوتی ہے اور قواعد ”اکثریہ“ ہوتے ہیں۔

ہر فن کی اپنی ایک تاریخ ہوتی ہے جس سے وہ فن جانا پہچانا جاتا ہے اور اس تاریخی پس منظر ہی سے اس کی اہمیت، ضرورت اور افادیت کا اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ فقہی قواعد جسے فقہ اسلامی میں خاص اہمیت حاصل ہے کی بھی اپنی تاریخ ہے، ذیل میں ہم قواعد فقہیہ کا تاریخی پس منظر اور اس کی تدوین و ترتیب پر بحث کریں گے کہ اس فن کا وجود کب ہوا؟ اس کی تدوین و ترتیب کیوں ہوئی؟ اور کن لوگوں نے اس میں حصہ لیا؟ بنیادی طور پر قواعد فقہیہ کی تدوین اور ارتقاء کی تاریخ کو ہم تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) غمز عیون البصائر: مقدمة الكتاب، ج ۱ ص ۳۱



## پہلا دور

قواعد فقہیہ کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے

احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسے شریعت اسلامی کے مصادر میں دوسرا اہم مقام حاصل ہے اس میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ گو فقہی قواعد دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مرتب نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی اسے کسی فن کی حیثیت حاصل تھی لیکن اسی زمانہ میں ان قواعد کی بنیاد رکھی گئی، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ آج ہمارے سامنے جو قواعد ہیں ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو بعینہ انہیں الفاظ کے ساتھ احادیث میں بھی مذکور ہیں اور اکثر وہ ہیں جن کی اصل احادیث میں موجود ہے، چنانچہ شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء (متوفی ۱۳۵۷ھ) لکھتے ہیں:

هذا ولا يعرف لكل قاعدة صانع معين من الفقهاء إلا ما كان منها

حدیث نبوی كقاعدة: لا ضرر ولا ضرار۔<sup>(۱)</sup>

یہ بات ظاہر ہے کہ ہر قاعدہ کی فقہاء کے یہاں متعین اصل نہیں ملتی سوائے اس کے کہ وہ قاعدہ بعینہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہو، جیسے ”لا ضرر ولا ضرار“ وغیرہ کا قاعدہ ہے۔ ”لا ضرر ولا ضرار“ کے اس قاعدہ کے علاوہ بھی متعدد فقہی قاعدے اور ضابطے ہیں جو حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہیں، چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

۱..... الْعُجْمَاءُ جَرُّ حُهَا جُبَارٌ۔<sup>(۲)</sup>

اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ جانوروں کی جنایات قابل معافی ہیں۔

(۱) شرح القواعد الفقهية: مقدمة، ص ۳۶

(۲) سنن الترمذی: أبواب الزكاة، باب ما جاء أن العجماء جر حها جبار، ج ۳ ص ۲۵، رقم الحدیث: ۶۴۲

اگر جانور کسی آدمی کا کچھ نقصان کر دے تو اس سے جانور کے مالک پر ضمان واجب نہ ہوگا (مسئلہ کی تفصیل کے لیے فقہ کی کتابوں کی طرف مراجعت کی جائے) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث ایک قاعدہ کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس کے تحت بہت سی جزئیات آتی ہیں، البتہ چوں کہ اس کے تحت ایک ہی باب کی جزئیات آئیں گی اس لیے فنی اعتبار سے اس حدیث کو ”قاعدہ“ کی بجائے ”ضابطہ“ کہا جائے گا۔

۲..... الخراج بالضمآن۔<sup>(۱)</sup>

اس حدیث کی تفسیر میں امام ترمذی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ الرَّجُلُ يَشْتَرِي الْعَبْدَ فَيَسْتَعْلَهُ ثُمَّ يَجِدُ بِهِ عَيْبًا فَيُرَدُّهُ عَلَى الْبَائِعِ  
فَالْغَلَّةُ لِلْمُشْتَرِي لِأَنَّ الْعَبْدَ لَوْ هَلَكَ هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُشْتَرِي۔<sup>(۲)</sup>

وہ آدمی جو غلام خریدتا ہے اور اس سے کمائی کرتا ہے، پھر غلام میں عیب پاتا ہے اور غلام کو فروخت کرنے والے کو واپس کر دیتا ہے تو غلہ (غلام کی کمائی) خریدار کی ہوگی اس لیے کہ غلام اگر ہلاک ہوتا تو وہ خریدار ہی کے مال سے ہلاک ہوتا۔

چونکہ ”الخراج بالضمآن“ سے متعلق فقہ کے اکثر ابواب میں جزئیات مل جاتی ہیں اس لیے اسے قاعدہ کہا جائے گا، فقہاء اس حدیث کو قواعد فقہیہ کی فہرست میں انہیں الفاظ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

۳..... لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثْرٍ۔<sup>(۳)</sup>

یعنی پھل اور خوشہ کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

یہ حدیث ضابطہ ہے اس سے متعلق جزئیات حد سرقہ میں ملیں گی۔

(۱) سنن الترمذی: ابواب البيوع، باب ما جاء فيمن يشتري العبد ..... الخ، ج ۳ ص ۵۷۳، رقم الحدیث: ۱۲۸۵

(۲) سنن الترمذی: ابواب البيوع، باب ما جاء فيمن يشتري العبد ..... الخ، ج ۳ ص ۵۷۳، رقم الحدیث: ۱۲۸۵

(۳) سنن الترمذی: ابواب الحدود، باب ما جاء لا قطع في ثمر ولا كثر، ج ۴ ص ۵۲، رقم الحدیث: ۱۴۴۹

۳..... لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلْدَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ- (۱)

اللہ کی حدوں کے علاوہ کسی حد میں دس کوڑے سے زیادہ نہیں مارے جائیں گے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

وَأَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي التَّعْزِيرِ هَذَا الْحَدِيثُ-

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تعزیر کے اندر امام کو صرف دس کوڑے تک مارنے

کا حق ہے اس سے زیادہ نہیں، گویا یہ تعزیر کے باب میں ایک ضابطہ ہے۔

۵..... الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيِ وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ- (۲)

مدعی پر گواہان پیش کرنے کی ذمہ داری ہے اور مدعی علیہ پر قسم کھانے کی۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث پر کلام کیا گیا ہے، کیونکہ محمد بن عبید اللہ

عززی کو حافظہ کی وجہ سے ضعیف کہا جاتا ہے، البتہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک دوسری

حدیث جو اسی مفہوم کی ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے جسے انہوں

نے ”حسن صحیح“ کہا ہے، حدیث یہ ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى أَنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعَى

عَلَيْهِ- (۳)

مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اپنے لیے کسی دوسرے پر اپنے کسی حق کا دعویٰ کر رہا ہو اسے

ثبوت پیش کرنا ہوگا، بغیر ثبوت کے اس کا کوئی بھی حق ثابت نہیں ہوگا، اور دوسرا آدمی

جو اپنے اوپر غیر کے کسی حق کے ثابت ہونے کا انکار کر رہا ہے ثبوت کے نہ ہونے کی صورت

میں اسے قسم کھانی ہوگی، اگر اس نے قسم نہیں کھائی تو اسے مدعی کے دعویٰ کو تسلیم کرنا ہوگا، اسی

(۱) سنن الترمذی: أبواب الحدود، باب ما جاء في التعزير، ج ۲ ص ۶۲، رقم الحديث: ۱۴۶۳

(۲) سنن الترمذی: أبواب الأحكام، باب ما جاء في أن البينة على المدعى، ج ۳ ص ۶۱۷، رقم الحديث: ۱۳۴۱

(۳) سنن الترمذی: أبواب الأحكام، باب ما جاء في أن البينة على المدعى، ج ۳ ص ۶۱۸، رقم الحديث: ۱۳۴۱



کو فقہاء ”الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعَى وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ“ سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ ان کے یہاں قضاء کے باب میں ایک دستوری حیثیت رکھتا ہے۔

### قواعد فقہیہ کا ثبوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال سے

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اپنی اجتہادی قوت، اصابتِ رائے اور فطرتی ذہانت کی وجہ سے ممتاز حیثیت کے حامل مانے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ فقہاء ان کے اقوال کو جو نص صریح سے متعارض نہ ہوں خاصی اہمیت دیتے ہیں بلکہ ”محمد و اس قلعہ جی“ کے بقول حجت اور دلیل مانتے ہیں:

فانسی اوردت اجتہادات عمر دون الاستدلال علیہا من الحدیث الشریف او النظر لافی اعتبار کما یعتبر الفقہاء رأی عمر رضی اللہ عنہ دلیلاً عند ما لا یعارض حدیث من احادیث مصطفیٰ علیہ السلام والدلیل لایحتاج الی دلیل۔<sup>(۱)</sup>

میں نے اس کتاب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہادات کو پیش کیا ہے نہ کہ حدیث اور قیاس سے اس پر استدلال کو، کیونکہ میں مانتا ہوں جیسا کہ فقہاء مانتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اگر حدیث سے معارض نہ ہو تو اسے دلیل سمجھا جائے گا اور دلیل کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں پڑتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایسے متعدد اقوال نقل کیے گئے ہیں جن کی حیثیت قاعدہ اور ضابطہ کی ہے، چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

..... مَنْ اسْتَعْمَلَ فَاجِراً وَهُوَ یَعْلَمُ أَنَّهُ فَاجِرٌ فَهُوَ مِثْلُهُ۔<sup>(۲)</sup>

جس نے کسی فاجر کو اس کا فسق و فجور جاننے کے باوجود عامل بنایا تو وہ بھی فاجر ہے۔

اس کا تعلق امارت سے ہے اور ایک ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۱) مقدمة موسوعة فقه عمر بن الخطاب: ص ۱۱

(۲) کنز العمال فی سنن الاقوال والاعمال: کتاب الخلافة مع الامارة، الباب الثانی، ج ۵ ص ۷۱،

رقم الحدیث: ۱۳۳۰۶

۲..... الْمُسْلِمُونَ عُدُولٌ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ - (۱)

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے حق میں معتبر ہے۔

اس کا مفہوم موافق یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے خلاف گواہی دے، یا دوسرے مسلمان کے حق میں گواہی دے تو اس کی گواہی معتبر ہوگی، لیکن اس عبارت کے مفہوم مخالف سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کافر مسلمان کے خلاف گواہی دے تو اس کی گواہی معتبر نہ ہوگی، یہ قانون شہادت میں ایک ضابطہ ہے۔

۳..... فَادْعُوا الرِّبَا وَالرَّيْبَةَ - (۲)

سود اور جس میں سود کا شبہ ہو اسے چھوڑ دو۔

۴..... الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيِّ وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ - (۳)

گواہ پیش کرنا مدعی پر ہوگا اور قسم انکار کرنے والے پر۔

قواعد کی کتابوں میں اس قاعدہ کو بعینہ نہیں الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور جیسا کہ ذکر ہوا کہ یہ فقرہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ماخوذ ہے۔

قواعد فقہیہ کا ثبوت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے اقوال سے

جیسا کہ گزرا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فقہی قواعد کا ثبوت ملتا ہے، تابعین کے اقوال پر نظر ڈالنے سے وہاں بھی کچھ قواعد مل جاتے ہیں لیکن حالات، نیز نئے مسائل کے پیدا ہونے کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے بعد ائمہ متبوعین کے زمانہ میں فقہی قواعد میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، اس سلسلے میں اسلامی تاریخ کے پہلے قاضی القضاة امام ابو یوسف رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۲ھ) کا نام نامی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ نے خلیفہ

(۱) السنن الكبرى للبيهقي: كتاب الشهادات، باب من جرب بشهادة زور لم تقبل شهادته، ج ۱۰ ص ۳۳۳، رقم الحديث: ۲۰۸۱۰

(۲) مسند أحمد: مسند عمر بن الخطاب، ج ۱ ص ۳۶۱، رقم الحديث: ۲۳۶

(۳) السنن الكبرى للبيهقي: كتاب الشهادات، باب لا يرحيل حكم القاضي على المقضى له، ج ۱۰ ص ۲۵۲، رقم الحديث: ۲۰۵۴۷

ہارون الرشید کے لیے جو ”کتاب الخراج“ لکھی تھی، اس میں متعدد ایسی عبارتیں موجود ہیں جو ان قواعد سے کافی مشابہ ہیں جنہیں بعد میں فقہاء نے قانونی کلیات کی شکل دی ہے، یہاں ہم خود ”کتاب الخراج“ سے کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ آپ نے امیر اور دوسرے اہل ذوق کے لیے مشابہ احکام کے مجموعہ کو قواعد کا قالب پہنایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

۱..... لا ینبغی لأحد ان یحدث شیئاً فی طریق المسلمین  
مما یضرہم۔ (۱)

کسی کے لیے مسلمانوں کے راستہ میں ان تصرفات کا حق نہیں ہے جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے۔

یہ قاعدہ بالکل اسی طرح کا ہے جو فقہاء کے یہاں ”لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ“ سے مشہور ہے، اسی مضمون کی مزید تاکید اس طرح کرتے ہیں:

۲..... لا یجوز للامام ان یقطع شیئاً من طریق المسلمین مما فیہ  
الضرر علیہم ولا یسعہ ذلک۔ (۲)

اس جملے میں درحقیقت حکومت اور سلطنت چلانے والوں کے لیے ایک روشنی ہے، جن سے وہ دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں کہ رعیت اور عوام کے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہو اور رعیت پر اسے کیا اور کس طرح کے حقوق حاصل ہیں؟ دراصل اس میں وہی بات کہی گئی ہے جس کو بعد کے فقہاء نے مزید وسعت کے ساتھ ”التصرف علی الرعیۃ منوط بالمصلحة“ سے تعبیر کیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ خلیفہ ہارون الرشید کے اس سوال پر کہ اگر کچھ لوگوں کی نہر ہو اور اس کی منڈیر صحیح نہ ہو جس کی وجہ سے راستے خراب ہو گئے ہوں اور لوگوں

(۱) کتاب الخراج: باب فی الزیادة والنقصان، فصل فی الجزائر فی دجلة والفرات، ص ۱۰۶

(۲) کتاب الخراج: باب فی الزیادة والنقصان، فصل فی الجزائر فی دجلة والفرات، ص ۱۰۶



کو تکلیف ہو رہی ہو تو امام کیا کرے گا؟ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

۳..... ان كان هذا النهر قديماً فانه يترك على حاله۔<sup>(۱)</sup>

اگر نہر پرانی ہو تو پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔

اس عبارت سے فقہاء کے قاعدہ ”القدیم یترک علی قدمہ“ کی تائید ہوتی ہے۔

۴..... ولا يؤخذ شئ من أموالهم الا بحق يجب عليهم۔<sup>(۲)</sup>

مسلمانوں کے مال سے کچھ بھی نہیں لیا جائے گا، سوائے اس کے کہ ان سے

کوئی حق متعلق ہو۔

یہ بھی فقہاء کے مشہور قاعدہ ”التصرف علی الرعیۃ منوط بالمصلحة“ سے

مشابہ ہے، یہ اور ان کے علاوہ ”کتاب الخراج“ میں اور بھی مثالیں ملتی ہیں جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ فقہی قواعد کی تدوین و ترتیب گو اس زمانہ میں نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی لوگ

اسے ایک فن کی حیثیت سے جانتے تھے، لیکن ان کے ذہن میں یہ بات ضرور موجود تھی کہ

باہم مشابہہ جزئیات کے لیے ایسا کلیہ ہونا چاہیے جس پر اس سے متعلق جزئیات کا انطباق

ہو سکے۔

(۱) کتاب الخراج: باب فی الزیادۃ والنقصان، فصل فی القنی والآبار والأنهار، ص ۱۰۷

(۲) کتاب الخراج: باب فی الزیادۃ والنقصان، فصل فیمن تجب علیہ الجزیۃ، ص ۱۳۸

## دوسرا دور

قواعد فقہ کا دوسرا دور ائمہ مجتہدین کی فقہ کے استحکام کے بعد شروع ہوتا ہے، فقہ حنفی کو علوم الفقہ میں سبقت اور اولیت اور اپنی وسعت و وقعت کے اعتبار سے خاص امتیاز حاصل ہے، چنانچہ فقہ کے دیگر فنون کی طرح فن قواعد میں بھی فقہائے احناف شرفِ تقدم سے سرفراز ہیں، اس سلسلہ میں قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے وہ منضبط قواعد گزر چکے ہیں جو مختلف تالیفات اور خصوصیت سے ”کتاب الخراج“ میں مذکور ہیں، اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ کی تحریروں میں متعدد مواقع پر ایسے اصول اور کلیات ملتے ہیں، یہاں تک کہ چوتھی صدی آجاتی ہے اور ”علامہ ابوطاہر دباس“ (یہ امام ابو الحسن کرخی رحمہ اللہ (متوفی ۳۴۰ھ) کے ہم عصر تھے: طبقات الفقہاء ص: ۱۴۱) کے ہاتھوں اس فن کی تدوین باضابطہ رکھی جاتی ہے۔

## علامہ ابوطاہر دباس رحمہ اللہ کا واقعہ

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) اور علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۰ھ) وغیرہ نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے اس فن کی تدوین کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے، واقعہ یوں ہے کہ علامہ ابوطاہر دباس رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کو سامنے رکھ کر سترہ ایسے قواعد مرتب کئے جن پر فقہ حنفی کی تمام جزئیات منطبق ہو جاتی تھیں۔ یہ بات علامہ ابوسعید ہروی شافعی رحمہ اللہ کو معلوم ہوئی، چنانچہ انہوں نے ان قواعد کے حصول کے لیے علامہ ابوطاہر دباس رحمہ اللہ کے یہاں سفر کیا، علامہ ابوطاہر دباس رحمہ اللہ کا حال یہ تھا کہ وہ نابینا تھے اور انہوں نے یہ معمول بنا رکھا تھا کہ ہر رات مسجد میں لوگوں کے نکل جانے کے بعد ان قواعد کو دہراتے، علامہ ابوسعید ہروی رحمہ اللہ آنے کے بعد مسجد میں چھپ گئے۔

ادھر چوں کہ لوگ نکل گئے تھے اس لیے علامہ ابوطاہر دباس رحمہ اللہ نے اپنے قواعد کو دہرانا شروع کر دیا، اس درمیان اچانک ایسا ہوا کہ علامہ ابوسعید ہروی رحمہ اللہ کو کھانسی لگ گئی جس سے علامہ ابوطاہر دباس رحمہ اللہ کو معلوم ہو گیا کہ مسجد میں کوئی چھپ کر میرے قواعد سن رہا ہے، چنانچہ جب علامہ ابوسعید رحمہ اللہ وہاں سے اپنے رفقاء میں لوٹے تو انہیں علامہ ابوطاہر رحمہ اللہ کے قواعد کے متعلق بتایا:

وحكى أن الامام أبا طاهر الدباس جمع قواعد أبي حنيفة سبع عشرة قاعدة وردة إليها۔ وله حكاية مع أبي سعيد الهروي الشافعي رحمه الله، فانه لما بلغه ذلك سافر إليه وكان ابوطاهر ضريرا، يكرر كل ليلة تلك القواعد بمسجده بعد أن يخرج منه، فالتفت الهروي بحصير وخرج الناس وأغلق ابوطاهر باب المسجد وسرد منها سبعة فحصلت للهروي سعة فأحس به ابوطاهر فضربه وأخرجه من المسجد، ثم لم يكررها فيه بعد ذلك، فرجع الهروي إلى أصحابه وتلاها عليهم۔<sup>(۱)</sup>

اس واقعہ کی صحت پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسا ایک عالم سے مشکل ہے کہ وہ لوگوں کو علم سے اور اس کے حاصل کرنے سے روکے اور اگر کوئی نہ مانے تو اسے زد و کوب کرے، پھر یہ کہ جب علامہ ابوطاہر دباس رحمہ اللہ نے لوگوں کو یہ قواعد نہیں سنائے تو یہ مشہور کیوں کر ہوئے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے۔ لیکن یہ اعتراض کچھ بہت قوی نہیں، کیونکہ ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کی تحقیق اور اس کی ایجاد دوسروں سے منسوب نہ ہو، ممکن ہے کہ علامہ ابوطاہر دباس رحمہ اللہ نے ان قواعد

(۱) الأشباه والنظائر لابن نجيم: مقدمة، ص ۲۰ / الأشباه والنظائر للسيوطي: الكتاب الأول في

شرح القواعد الخمس، ص ۷



کو منظر عام پر لانے کا ارادہ اسی لیے نہیں کیا ہو کہ اس بات کا امکان تھا کہ دوسرے لوگ اس کو اپنی جانب منسوب کر لیں، علمی اور قلمی سرقت کی بعض مثالیں علم و فن کی تاریخ میں موجود ہیں، ماضی میں اس طرح کا عمل نسبتاً زیادہ ہوا کرتا تھا کیونکہ اس وقت پریس کے ذریعہ نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ موجود نہ تھا۔

نیز اس پر ”کتمانِ علم“ کا اطلاق بھی شاید نہ ہو سکے، کیونکہ ”کتمانِ علم“ میں اس طرح کے علوم کفایہ کا بھی شامل ہونا محلِ نظر ہے، بہر حال اتنا تو ماننا ہوگا کہ واقعہ گواہی پوری تفصیل کے ساتھ صحیح نہ ہو، لیکن بالکل بے اصل بھی نہیں، چنانچہ شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۵۷ھ) کے بقول:

والنقل بصورة مستبعدة لا تصح تفاصيلها ولكن الظاهر ان لها

اصلاً ثانياً۔<sup>(۱)</sup>

اس واقعہ کی روایت بعینہ صحیح نظر نہیں آتی اور نہ ہی اس کی تفصیل درست معلوم ہوتی ہے، ہاں اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے۔ پس مورخین کا اتفاق ہے کہ اس فن میں علامہ ابوطاہر دباس حنفی رحمہ اللہ کو اولیت حاصل ہے۔ انہوں نے جو سترہ قواعد وضع کیے ہیں ان میں سے پانچ وہ قواعد بھی ہیں جنہیں اساسی قواعد کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

- ۱.....الأمور بمقاصدها (امور کے احکام ارادوں پر مرتب ہوں گے)
- ۲.....الضرر يزال (ضرر کو زائل کیا جائے)
- ۳.....العادة محكمة (عرف و عادت کو حکم بنایا جائے گا)
- ۴.....اليقين لا يزول بالشك (يقين شك سے زائل نہیں ہوگا)
- ۵.....المشقة تجلب التيسير (مشقت سہولت کو لاتی ہے) (۲)

(۱) شرح القواعد الفقهية: مقدمة، ص ۳۸

(۲) غمز عيون البصائر: مقدمة الكتاب، ج ۱ ص ۲۷

## شواہع میں قواعد کے مؤسس

شواہع میں کس کو اس فن میں سبقت حاصل ہے؟ اس سلسلہ میں علامہ زرکشی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۳ھ) لکھتے ہیں:

وممن له باع فبالقواعد وارجاع فروع الفقہ إليها من فقہاء الشافعية القاضی حسین ابوعلی الحسین بن أحمد المروزی المتوفی سنہ ۴۶۲ فی شهر اللہ المحرم فانه ردفقہ الشافعية إلى اربع قواعد، وهي: اليقين لا يزول بالشك، المشقة تجلب التيسير، الضرر يزال، العادة محكمة۔<sup>(۱)</sup>

فقہائے شواہع میں سے جن لوگوں کو قواعد فقہ میں ید طولیٰ اور جزئیات کو قواعد پر منطبق کرنے میں اہمیت حاصل ہے، ان میں قاضی حسین (متوفی ماہ محرم الحرام سنہ ۴۶۲ھ) ہیں جنہوں نے فقہ شافعی کو چار قواعدوں میں منحصر کر دیا تھا اور وہ یہ ہیں:

”اليقين لا يزول بالشك، المشقة تجلب التيسير، الضرر يزال،

العادة محكمة“۔

علامہ قاضی حسین رحمہ اللہ کے ان چاروں قواعد کے الفاظ وہی ہیں جو علامہ ابو طاہر دباس رحمہ اللہ کے ہیں، اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ علامہ قاضی حسین رحمہ اللہ نے یہ قواعد علامہ ابو طاہر دباس رحمہ اللہ ہی سے لیے ہیں، البتہ فقہ شافعی پر ان کی تطبیق یہ ان کا کارنامہ ہے۔

اصول الکرخی

تاہم ابھی بھی اس فن کی آبیاری میں حنفیہ ہی پیش پیش رہے، چنانچہ علامہ ابو طاہر دباس رحمہ اللہ کے بعد علامہ ابو الحسن عبید اللہ بن حسین الکرخی رحمہ اللہ (متوفی ۳۴۰ھ) نے

(۱) المنشور فی القواعد: مقدمة، ص ۵۲

قواعد فقہیہ پر ایک مختصر مگر عمدہ رسالہ لکھا جو اصولِ کرنی کے نام سے مشہور ہوا، اس میں امام کرنی رحمہ اللہ نے اڑتیس (۳۸) قواعد تحریر فرمائے ہیں۔

امام کرنی کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ہر قاعدہ کو "الأصل" سے تعبیر کرتے ہیں اور صرف قواعد ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، بعد میں امام نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۳ھ) نے امام کرنی رحمہ اللہ کے قواعد پر تخریج کی ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱.....الأصل أن السؤال يجرى على حسب متعارف كل قوم في مكانهم۔ (۱)

اصل یہ ہے کہ سوال ہر قوم کی جگہوں کے عرف کے مطابق جاری ہوگا۔ امام نسفی رحمہ اللہ نے اس کی مثال دی ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں غذا کا استعمال نہیں کروں گا پھر اگر اس نے دودھ پیا تو دیکھا جائے گا کہ وہ عربی ہے یا عجمی؟ اگر عربی ہوگا تو حانت ہو جائے گا، کیونکہ عرب دودھ کو غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اگر قسم کھانے والا عجمی ہو تو حانت نہیں ہوگا کیونکہ عجمی دودھ کو بطور غذا کے استعمال نہیں کرتے۔

۲.....الأصل أن الاحتياط في حقوق الله تعالى جائز وفي حقوق العباد لا يجوز۔ (۲)

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں احتیاط جائز ہے اور بندوں کے حقوق میں احتیاط جائز نہیں۔

اس قاعدہ پر جن مسائل کی تخریج کی جاتی ہے، ان میں سے یہ ہے کہ نماز میں اگر صحت اور فساد کی دونوں جہتیں برابر ہوں تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ نماز کا اعادہ کر لیا جائے، کیونکہ ادا کی ہوئی نماز کو پھر ادا کرنا اس سے بہتر ہے کہ اپنے اوپر نماز واجب ہو جو صحیح طور پر ادا نہ ہوئی ہو، لیکن ضمان میں وجوب اور عدم وجوب کی دونوں جہتیں ہوں تو ضمان احتیاطاً واجب نہ ہوگا کیونکہ ضمان شک سے واجب نہیں ہوتا۔

(۱) اصول الکرنی: ص ۴ الناشر: مکتبہ جید پبلیش (۲) اصول الکرنی: ص ۵

۳.....الأصل انه إذا مضى بالأجتهد لا يفسخ باجتهد مثله ويفسخ  
بالنص۔<sup>(۱)</sup>

اصل یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں اجتہاد ہو جائے تو اس اجتہاد کو اسی جیسا اجتہاد  
فسخ نہیں کر سکتا لیکن نص اسے فسخ کر دے گا۔

اس کی مثالیں دعویٰ، قضاء اور تحری کے ابواب میں ملیں گی۔ اصول الکرخی میں بعض  
ایسے بھی اصول آگئے ہیں جن کو ایک نظریہ تو کہا جاسکتا ہے لیکن قاعدہ نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ  
قاعدہ کی جو تعریف کی گئی ہے وہ اس پر صادق نہیں آتی یعنی وہ اصل مشابہ احکام کا مجموعہ نہیں  
ہوتا جن کو اصل بنا کر جزئیات کی تخریج کی جائے بلکہ وہ اصول کے درجہ کی چیز ہے۔

### تاسیس النظر

امام کرخی رحمہ اللہ کے بعد پانچویں صدی میں علامہ ابو یزید عبید اللہ بن عمر بن عیسیٰ  
دبوسی حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۰ھ) نے ”تاسیس النظر“ لکھی جس میں ستر (۷۷)  
قواعد ذکر کئے گئے ہیں ان قواعد کا اسلوب امام کرخی جیسا ہی ہے، یہ بھی قاعدہ کو ”الأصل“  
ہی سے تعبیر کرتے ہیں تعبیر بھی امام کرخی رحمہ اللہ جیسی ہے، علامہ ابو یزید دبوسی رحمہ اللہ نے  
ہر قاعدہ کے تحت کچھ جزئیات بھی ذکر کر دی ہیں، اس کتاب کو انہوں نے کئی ابواب میں  
تقسیم کیا ہے، جس میں امام صاحب رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان، شیخین رحمہما  
اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے درمیان، ائمہ ثلاثہ اور امام زفر رحمہ اللہ کے درمیان، نیز امام  
ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کے  
درمیان اختلاف پر مبنی اساسی قواعد کا ذکر ہے، چوں کہ یہ کتاب قواعد فقہیہ کی تدوین کے  
دوسرے دور کی باضابطہ تصنیف ہے اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ”تاسیس النظر“ سے  
بھی کچھ مثالیں پیش کرتے چلیں:

(۱) اصول الکرخی: ص ۸



۱.....الأصل عند أبي حنيفة أن المحرم إذا أجزأ النسك من الوقت

الموقت له أوقدّمه لزم دمٌ۔<sup>(۱)</sup>

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محرم جب وقت مقرر سے کسی عمل کو مؤخر یا مقدم کرے تو اسے دم دینا ہوگا۔

مثلاً جس نے طواف زیارت کو ایام نحر کے گزرنے تک مؤخر کیا تو اسے دم دینا ہوگا کیونکہ محرم نے ایک کام کو اس وقت نہیں کیا جبکہ اسے کرنا چاہیے تھا۔

۲.....الأصل عند أصحابنا أن مالا يتجزأ فوجود بعضه كوجود كله

وعند زفر لا يكون وجود بعضه كوجود كله۔<sup>(۲)</sup>

ہمارے اصحاب رحمہ اللہ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ غیر قابل تقسیم چیزوں میں

سے بعض کا وجود اس کے کل کے وجود کی طرح ہے، لیکن امام زفر رحمہ اللہ کے

یہاں بعض کا وجود کل کا وجود نہیں ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے اوپر ایک رکعت کو لازم کر لیا تو اسے

دو رکعت ادا کرنی ہوگی، امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک کچھ واجب نہیں ہوگا، ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ

اس لیے واجب کہتے ہیں کہ دو رکعت قابل تقسیم نہیں ہے، اس لیے جب اس نے ایک

رکعت کو اپنے اوپر واجب کر لیا تو بعض کا وجود ہو گیا اور ناقابل تقسیم کے بعض کا وجود کل کے

وجود کی طرح ہے، جبکہ امام زفر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کچھ بھی واجب نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے

اپنے اوپر ایک ہی رکعت کو واجب کیا ہے جو کہ نماز ہی نہیں ہے بلکہ نماز کا ایک غیر منقسم جزو

ہے، اور غیر منقسم چیز کے ایک جزو کا وجود کل کے وجود کے لیے لازم نہیں ہے۔

۳.....الأصل عند ابن أبي ليلى رحمه الله أنه يعتبر حقوق الله

تعالى بحقوق العباد۔<sup>(۳)</sup>

(۱) تاسیس النظر: ص ۶ الناشر: محمد سعید اینڈ سنز (۲) تاسیس النظر: ص ۳۳

(۳) تاسیس النظر: ص ۳۸

ابن ابی لیلی رحمہ اللہ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ وہ حقوق اللہ کو حقوق العباد پر قیاس کرتے ہیں۔

مثال یہ ہے کہ ابن ابی لیلی رحمہ اللہ کے نزدیک حدود کی وصولی میں وکیل بنانا جائز ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بندوں کے حقوق میں وکیل بنانا جائز ہے جیسا کہ قرض وغیرہ کی وصولی میں ہوتا ہے ہمارے یہاں جائز نہیں، کیونکہ ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

### ساتویں صدی کا کام

پھر چوتھی صدی کے بعد ساتویں صدی میں اس سلسلہ کا اہم کام ملتا ہے، اس دور میں علامہ محمد بن ابراہیم کی کتاب ”القواعد فی فروع الشافعیۃ“ محمد بن عبداللہ بن راشد البکری کی کتاب ”المذہب فی ضبط قواعد المذہب“ منظر عام پر آئی۔

اسی صدی میں لکھی جانے والی مایہ ناز کتاب علامہ قرانی مالکی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۳ھ) کی ”انوار البروق فی انواع الفروق“ ہے، جسے قواعد فقہیہ میں نمایاں مقام حاصل ہے، علامہ قرانی رحمہ اللہ نے اس کتاب میں ”۵۸۸“ قواعد ذکر کئے ہیں، ساتھ ہی فروعیات کے ذکر کا بھی اہتمام کیا ہے تاکہ قاعدہ کے سمجھنے میں مدد ملے، علامہ قرانی رحمہ اللہ کا اسلوب یہ ہے کہ وہ دو یا دو سے زیادہ قاعدوں کو ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں پھر دونوں کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہیں، مثلاً کہیں خیاب مجلس اور خیاب شرط (الفروق: ۱/۳) کہیں قرض اور بیع کے قاعدہ کو ایک ساتھ بیان کرتے ہیں (الفروق: ۲/۴) اور دونوں کو دلائل سے مبرہن کرتے ہیں نیز ان کے باہمی فرق کو اجاگر کرتے ہیں۔

تاہم یہ قواعد جن پر ہم بحث کر رہے ہیں کہیں ایک باب میں مذکور نہیں ہیں بلکہ وہ متفرق ابواب میں بکھرے ہوئے ہیں اور ان کی تعداد سو سے متجاوز نہیں۔

### آٹھویں صدی کا کام

آٹھویں صدی میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا اس صدی میں فقہائے شوافع کی خدمات

نمایاں نظر آتی ہیں، اس صدی میں علامہ مقری رحمہ اللہ (متوفی ۱۶۷۱ھ) کی کتاب ”کتاب القواعد“ علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۷۱ھ) کی کتاب ”الأشباه والنظائر“ علامہ بدر الدین زرکشی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹۳ھ) کی ”المنثور فی القواعد الفقہیة“ اور علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹۵ھ) کی ”القواعد فی الفقہ الاسلامی“ قواعد کی دنیا میں منظر عام پر آئیں۔

### الأشباه والنظائر

اس کے بعد بھی متعدد کتابیں لکھی گئیں لیکن جو شہرت اور مقبولیت علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۰ھ) کی ”الأشباه والنظائر“ کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کتاب کو نہیں ہوئی، اس میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) کی ”الأشباه والنظائر“ سے کافی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

اس کتاب کو علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے کئی فنون میں تقسیم کیا ہے، پہلا فن ان پانچ قاعدوں پر مشتمل ہے جنہیں اساسی کہا جاتا ہے، نیز اسی فن میں دوسری نوع کے قواعد بھی ہیں جو بے حد اہم ہیں، دوسرا فن فوائد پر مشتمل ہے اس فن میں انہوں نے تمام فقہی ابواب کو ترتیب وار ذکر کیا ہے اور اس کی اہم بحثیں جمع کی ہیں، پھر اس کے بعد مختلف عنوان سے ”۱۸“ فوائد لکھے ہیں، تیسرا فن فروق پر مشتمل ہے جس میں منشاء احکام میں فرق پر روشنی ڈالی گئی ہے، چوتھا فن الغاز سے متعلق ہے، پانچواں فن اشباہ و نظائر کا، چھٹا فن حیل کا اور ساتواں فن حکایات کا ہے۔ اس کتاب کی متعدد اہم شرحیں بھی لکھی گئیں ہیں جن میں علامہ حموی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۹۸ھ) کی ”غمزعیون البصائر فی شرح الأشباه والنظائر“ خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔

## تیسرا دور

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۰ھ) کی ”الأشباه والنظائر“ کے بعد اور بھی کئی کتابیں معرض وجود میں آئیں لیکن یہ قواعد و ضوابط خاصے منتشر تھے، اور عام طور پر کتب فقہ سے ان کا ربط بھی نہ تھا، خلافت عثمانیہ ترکی کی زیر نگرانی مرتبہ ”مجلة الأحكام العدلیة“ میں فقہی جزئیات سے مربوط کر کے ان قواعد کو یک جا کیا گیا ہے جو قواعد فقہ کے باب میں ایک انقلابی قدم ہے، نیز ایسے اہم قواعد کے نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو جامع اور مانع ہوں۔

## مجلة الاحكام العدلیة کی تدوین

انیسویں صدی میں دیگر یورپی ممالک کی طرح دولت عثمانیہ نے بھی قانون مدنی کی ضابطہ بندی کا ارادہ کیا، چنانچہ ماہرین قانون کی ایک کمیٹی بنائی گئی جس کی قیادت ناظم محکمہ عدلیہ احمد جودت پاشا کو سونپی گئی، ابتداء میں اس کے سات ارکان تھے جن میں علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۲ھ) جیسے جلیل القدر فقیہ اور مفتی بھی شامل تھے۔

مجلس تدوین کا مقصد یہ تھا کہ فقہی مسائل اور معاملات کے بارے میں ایک ایسا مجموعہ مرتب کیا جائے جس کی تدوین، جدید قانونی ضوابط کی نہج پر ہو، جو اختلافات سے پاک ہو اور جس سے استفادے میں کوئی دقت یا الجھن پیش نہ آئے۔

مجلس تدوین نے اپنی رپورٹ محرم الحرام ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء کو صدر اعظم علی پاشا کی خدمت میں پیش کی اس میں مجلہ کی ترتیب و تدوین کی غرض و غایت یہ بیان کی گئی:

”علم فقہ ایک بحر بے کنار ہے، اس کی باریکیاں سمجھنے اور پیچیدگیاں حل کرنے



کے لیے علمی تبحر اور غیر معمولی مہارت کی ضرورت ہے خصوصاً فقہ حنفی کے بارے میں کیونکہ اس میں مختلف درجے کے بہت سے مجتہد پیدا ہوئے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خصوصی شاگرد اور پیروکار ہونے کے باوجود بعض اجتہادات میں ان سے مختلف رائے رکھتے ہیں ایسے حالات میں کسی مسئلہ اور حکم کے بارے میں مختلف اقوال میں سے قول فیصل کو تلاش اور اخذ کرنا خاصا دشوار کام ہے۔“

مجلس نے ایک سال کی محنت کے بعد مقدمہ اور پہلا باب مرتب کر کے حکومت کو پیش کیا، اس میں اہل علم و فضل اور خود ارکان مجلس تدوین کے مشورہ سے بعض ضروری اصلاحات و ترامیم کی گئیں، پھر ارکان مجلس نے آپس میں کام اس طرح تقسیم کر لیا کہ مجلہ کا الگ الگ حصہ ان کے سپرد ہو گیا مگر صدر مجلس تمام ابواب کی تدوین میں شریک رہے، مجلہ کی تالیف ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں مکمل ہوئی، اور اس طرح ترکی کے قانون مدنی کی تدوین مکمل ہو کر لوگوں کے سامنے آ گئی، یہ مجموعہ سلطان ترکی کے حکم سے ”مجلة الأحكام العدلیة“ کے نام سے شائع ہو گیا، مجلہ میں شامل قوانین ۱۹۱۸ء تک دولت عثمانیہ کی عدالتوں میں رائج رہے اور حجاز، شرق اردن، شام، عراق، مصر، اور سوڈان میں انہیں کے مطابق فیصلے کیے جاتے رہے۔

مضامین مجموعہ

مجلة الاحكام العدلیة ۱۸۵۱ دفعات پر مشتمل ہے، اس میں ایک مقدمہ اور ۱۶ باب ہیں، مقدمہ میں ۱۰۰ دفعات ہیں، پہلی دفعہ میں عام فقہ کی تعریف اور اس کی قسمیں بیان کی گئی ہیں اور باقی دفعات میں عام قواعد کلیہ کا بیان ہے۔

مجلہ کے ابواب حسب ذیل ہیں:

- |                  |                   |
|------------------|-------------------|
| (۱) کتاب البیوع  | (۲) کتاب الاجارات |
| (۳) کتاب الکفالة | (۴) کتاب الحوالہ  |

- |                            |                          |
|----------------------------|--------------------------|
| (۵) کتاب الرهن             | (۶) کتاب الامانات        |
| (۷) کتاب الہبہ             | (۸) کتاب الغصب والاتلاف  |
| (۹) کتاب الحجر والشفعہ     | (۱۰) کتاب الشركات        |
| (۱۱) کتاب الوکالہ          | (۱۲) کتاب الصلح والابراء |
| (۱۳) کتاب الاقرار          | (۱۴) کتاب الدعوی         |
| (۱۵) کتاب البينات والتحلیف | (۱۶) کتاب القضاء         |

مجلہ کے اکثر احکام و مسائل مذہب حنفی کی ظاہر الروایۃ کتابوں سے ماخوذ ہیں، اور جس مسئلے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ کا اختلاف ہے وہاں مجلہ میں وہ مسلک اختیار کیا گیا ہے جو زمانے کے تقاضوں اور مصلحت عامہ کے لحاظ سے زیادہ منفعت بخش ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ اور فقہ اسلامی کی دیگر کتابوں کے برخلاف مجلہ میں عبادات اور عقوبات (تعزیرات) کے مسائل بیان نہیں کیے گئے بلکہ اس میں صرف ان مسائل فقہ کا ذکر ہے جن کا تعلق تمدنی زندگی کے معاملات سے ہے۔

## مجلہ کی شرحیں

مجلہ احکام عدلیہ نے اپنے زمانے کے اس وسیع خلا کو پر کر دیا تھا جو دنیاۓ قضاء اور معاملات شرعیہ میں پایا جاتا تھا کیونکہ اس وقت تک جو مسائل شرعیہ فقہ کی مختلف کتابوں میں منتشر تھے، اور ایک ہی مسئلے کے متعلق متعدد اقوال و فتاویٰ پائے جاتے تھے وہ سب واضح اور صریح احکام کی صورت میں اس خوبی سے منضبط ہو گئے کہ قانون دان حضرات کو ان کے سمجھنے اور پیش نظر معاملات میں ان سے استفادہ کرنے میں کوئی دشواری نہ رہی، اس وقت تک جو علمائے فقہ مختصر متون اور مستند و کتب فقہ کی شرحیں اور حواشی لکھنے میں مصروف تھے ان سب کی توجہات کا مرکز صرف مجلہ کے مسائل کی تفسیر اور ان کے ماخذ و دلائل کی تشریح بن گیا۔ مجلہ کی قدیم شرحیں جو ترکی زبان میں لکھی گئیں ان میں عاطف بک، رشید پاشا اور جودت پاشا کی شرحیں شامل ہیں، ان میں سب سے زیادہ پرانی شرح عربی زبان میں

”مرآة مجلة الأحكام العدلیة“ ہے جو مسعود آفندی، سابق شاہی مفتی کی تصنیف ہے اور آستانہ سے ۱۲۹۹ھ (مطابق ۱۸۸۱ء) میں شائع ہوئی، یہ ترکی متن پر عربی زبان کی شرح ہے جس میں مسائل مجلہ کے ماخذ بیان کیے گئے ہیں اور ساتھ ہی مختصر طور پر ان مسائل کی تشریح بھی کی گئی ہے۔

شرح مذکور کے بعد سلیم رستم باز رحمہ اللہ سابق رکن مجلس شوریٰ حکومت عثمانیہ کی شرح شائع ہوئی، ان کی شرح ۱۸۸۸ء میں پہلی دفعہ طبع ہوئی، اور اس کے بعد کئی بار شائع ہوئی یہ ایک ضخیم کتاب ہے اس کی عبارت آسان اور مختصر ہے اور اس میں اصل ماخذوں کے نام بھی درج ہیں، عرب ممالک کے قانون دان طبقے میں اس شرح نے بہت شہرت پائی اور ان کے ہاں بہت مستعمل رہی۔

مجلہ کی شروحات میں ایک شرح ”در الاحکام شرح مجلة الأحكام“ ہے جس کے مؤلف علی حیدر ہیں جو عثمانیہ ہائی کورٹ کے پہلے صدر، محکمہ فتاویٰ کے امین، وزیر عدل اور استنبول کے لاء کالج میں مجلہ کے پروفیسر تھے، اس شرح کے سولہ حصے ہیں جن میں مجلہ کی طرز پر ابواب کی تقسیم کی گئی ہے، ان میں مجلہ کے تمام احکام کی شرعی دلیلیں مع کتب حوالہ بیان کی گئی ہیں، الغرض یہ ایک مکمل شرح ہے جو مصنف کے تبحر علمی اور وسعت معلومات کی دلیل ہے۔

مجلہ کی تمام شرحوں میں سب سے زیادہ ضخیم اور بہترین شرح حمص کے سابق مفتی علامہ محمد خالد اتاسی رحمہ اللہ کی ہے، جس کی تکمیل ان کے بیٹے علامہ محمد طاہر اتاسی رحمہ اللہ نے کی ہے، یہ ایک ضخیم اور جامع شرح ہے، جس کے چھ حصے ہیں اس میں فقہ کے مستند حوالہ جات مندرج ہیں، ان سب شرحوں کے بعد مجلہ کی ایک اور شرح شائع ہوئی جو سید منیر قاضی، پرنسپل لاء کالج بغداد کی تصنیف ہے، اس کے پانچ حصے ہیں اور ابواب کی ترتیب مضامین کے اعتبار سے ہے نہ کہ دفعات کے نمبروں کے لحاظ سے۔

ان کے علاوہ مجلہ کی اور بھی شرحیں ہیں جن میں سے اکثر میں مجلہ کی چند دفعات خصوصاً

ابتداء کی سوذفات کی تشریح کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے، طوالت کلام کے خوف سے یہاں ان کی تفصیل بیان نہیں کی جا رہی۔

### قواعد فقہیہ کے مصادر

- ۱..... اصول الکرخی: مؤلف امام کرخی رحمہ اللہ (متوفی ۳۴۰ھ)
  - ۲..... تاسیس النظر: مؤلف علامہ ابو زید بوسی رحمہ اللہ (متوفی ۴۳۰ھ)
  - ۳..... الأشباه والنظائر: مؤلف علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۰ھ)
  - ۴..... تنویر البصائر علی الأشباه والنظائر: مؤلف علامہ شرف الدین عزیزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۰۵ھ)
- یہ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ کی ”الأشباه والنظائر“ کی شرح ہے، جس میں مؤلف نے علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ کے بعض تسمیحات کی نشاندہی بھی کی ہے، اور بعض ان مسائل پر بحث کی ہے جو علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ سے چھوٹ گئے ہیں۔
- ۵..... غمز عیون البصائر شرح الأشباه والنظائر: مؤلف علامہ احمد بن محمد حموی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۹۸ھ) یہ بھی ابن نجیم رحمہ اللہ کی ”الأشباه والنظائر“ کی شرح ہے، جو اپنی تحقیق و تدقیق میں انفرادی مقام رکھتی ہے، علامہ حموی رحمہ اللہ نے ”الأشباه“ کے بعض تسمیحات پر متنبہ کرنے کے ساتھ تشریح طلب عبارت کی تشریح وغیرہ کا بھی خوب اہتمام کیا ہے۔
  - ۶..... خاتمة مجامع الحقائق: مؤلف علامہ محمد بن محمد بن مصطفیٰ خادی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کتاب تو دراصل ”مجامع الحقائق“ ہے جو اصول فقہ کی ہے لیکن اخیر میں خاتمہ کے عنوان سے ۱۵۵ فقہی قواعد کو حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے۔
  - ۷..... مجلة الأحكام العدلیة: حکومت عثمانیہ کی زیر نگرانی علماء کی ایک جماعت نے اس کی ترتیب کا فریضہ انجام دیا۔
  - ۸..... الفوائد البھیة فی القواعد والفوائد الفقہیة: مؤلف محمد بن محمد بن نسیب



بن حسین الشہیر بابن حمزہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۰۵ھ) علامہ ابن حمزہ رحمہ اللہ کا مقصود اس تالیف سے یہ ہے کہ مفتی حضرات بھی بہ آسانی اس سے فقہی قواعد تک رسائی حاصل کر سکیں، چنانچہ انہوں نے فقہی ابواب کی ترتیب سے قواعد کا ذکر کیا ہے اور ہر باب کے تحت اس سے متعلق قواعد اور ضوابط پیش کئے ہیں۔

## مذہب مالکی

۱..... الفروق: مؤلف ابوالعباس احمد بن ابی العلاء اور یس بن عبدالرحمن الشہیر بالقرافی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۴ھ)

۲..... ایضاح المسالك الى قواعد الامام مالك: مؤلف احمد بن یحییٰ بن محمد ابوشریک رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۴ھ)

۳..... الاسعاف: مؤلف علامہ ابوالحسن علی بن قاسم التجیبی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۲ھ)

۴..... شرح المنظومة: مؤلف علامہ احمد بن علی الفاسی رحمہ اللہ (متوفی ۹۹۵ھ)

## مذہب شافعی

۱..... قواعد الأحكام فی مصالح الأنام: مؤلف علامہ عزالدین بن عبدالسلام السلمی رحمہ اللہ (متوفی ۶۶۰ھ)

قواعد فقہیہ میں شافعی مذہب کے مطابق یہ عمدہ تصنیف ہے۔

۲..... کتاب الأشباه والنظائر: مؤلف علامہ ابن وکیل شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۶ھ)

۳..... المجموع المذہب فی قواعد المذہب الشافعی: مؤلف علامہ خلیل بن کیکلیدی، الشہیر بابن وکیل رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۱ھ)

۴..... الأشباه والنظائر: مؤلف علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۱ھ)

۵..... المنثور فی القواعد الفقہیة: مؤلف علامہ محمد بن بہادر بن عبداللہ زرکشی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۴ھ)

- ۶..... الأشباه والنظائر: مؤلف عمر بن علي بن احمد رحمه الله (متوفى ۷۹۳هـ)
- ۷..... القواعد: مؤلف ابو بكر بن محمد بن عبد المؤمن الحصني الشافعي رحمه الله  
(متوفى ۸۲۹هـ)
- ۸..... الأشباه والنظائر: مؤلف علامه عبد الرحمن بن ابى بكر بن محمد جلال الدين سيوطي رحمه الله (متوفى ۹۱۱هـ)
- مذهب حنبلي
- ۱..... القواعد النورانية الفقهية: مؤلف شيخ الاسلام علامه ابن تيميه رحمه الله  
(متوفى ۷۲۸هـ)
- ۲..... القواعد الفقهية: مؤلف علامه احمد بن حسن بن عبد الله الشهير بابن القاضي الجبل رحمه الله (متوفى ۷۷۱هـ)
- ۳..... تقرير القواعد و تحرير الفوائد: مؤلف علامه ابن رجب حنبلي رحمه الله  
(متوفى ۷۹۵هـ)
- ۴..... القواعد الكلية والضوابط الفقهية: مؤلف علامه ابن عبد الهادي رحمه الله  
(متوفى ۹۰۹هـ)
- ۵..... قواعد مجلة الأحكام الشرعية: مؤلف علامه احمد بن عبد الله رحمه الله  
(متوفى ۱۳۹۵هـ)

## قاعدہ نمبر (۱)

الْأُمُورُ بِمَقَاصِدِهَا<sup>(۱)</sup>

تمام امور میں احکام کا دار و مدار ان کے مقاصد پر ہوگا۔

ماخذ

اس قاعدے کا ماخذ یہ حدیث ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى<sup>(۲)</sup>۔

تشریح

مکلف کے فعل کے اعتبار سے اس پر حکم مرتب ہوگا، دیکھا جائے گا کہ اس فعل سے مکلف کی کیا نیت ہے، اس اعتبار سے اس پر ثواب و عتاب، ذمہ دار ہونا یا نہ ہونا، مواخذہ یا معافی، تاوان عائد ہونا یا نہ ہونا جیسے احکام مرتب ہوں گے۔

## تفریعات

..... انگور کا شیرہ ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جو شراب بناتا ہے اگر تجارت کی غرض سے ہو تو جائز ہے، اور اگر اس سے قصد یہ ہو کہ وہ شخص اس سے شراب بنائے تو اس خیال کے ماتحت اس کو فروخت کرنا حرام ہے:

إِنْ بَاعَ الْعَصِيرَ مَنْ يَتَّخِذُهُ خَمْرًا إِنْ قَصَدَ بِهِ التَّجَارَةَ فَلَا يَحْرَمُ،

وَإِنْ قَصَدَ بِهِ لِأَجْلِ التَّخْمِيرِ حَرَامٌ<sup>(۳)</sup>۔

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، القاعدة الثانية، ص ۳۱ / مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۶

(۲) صحيح بخاری: باب بدء الوحي، ج ۱ ص ۶، رقم الحديث: ۱

(۳) الأشباه والنظائر: الفن الأول، القاعدة الثانية، ص ۳۱

۲..... تین دن سے زیادہ بول چال بند رکھنے سے مقصد اگر کسی مسلمان سے قطع تعلقی

ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں:

والهجر فوق ثلاث دائر مع القصد، فإن قصد هجر المسلم حرم،

وإلا لا۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اگر کسی شکاری نے جال پھیلایا اور اس کے اندر شکار پھنس گیا، اب اگر وہ پھیلایا تھا اس کو خشک کرنے کے لیے یا اس کی اصلاح کے لیے تو شکار اس شخص کا ہوگا جو سبقت کر کے اس کو پکڑ لے گا، اور اگر اس نے پھیلایا تھا شکار کرنے کے لیے تو اس صورت میں شکار شکاری ہی کا ہوگا، اگر کسی غیر نے پکڑا تو وہ غاصب کہلائے گا اور اس پر غصب کے احکام منطبق ہوں گے:

إذا وضع شخص في محل شيئاً كالشرك والشبكة لأجل الصيد

فوقع فيه صيد فيكون لذلك الشخص، لكن إذا نشر شخص شبكة

لأجل جفافها ووقع فيها صيد فلا يكون له۔<sup>(۲)</sup>

۴..... ظہار کے مسئلہ میں اگر شوہر نے زوجہ سے اس طرح کہا ”أنتِ عليّ كأمي“

تو میرے لیے میری ماں کی طرح ہے، اس وقت اس شخص کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا، اگر ظہار کی نیت کی تھی تو ظہار ہو جائے گا، اور اگر عظمت و تکریم کی نیت سے کہا تھا تو یہی سمجھا جائے گا، اور اگر طلاق کی نیت تھی تو طلاق ہو جائے گی، اور اگر حلف (ایلاء) کی نیت تھی تو ایلاء قرار پائے گا، اس لیے کہ لفظ ان تمام معانی کا احتمال رکھتا ہے:

وفي الظهار فلو قال أنتِ عليّ كأمي، أو مثل أمي، يرجع إلى نيته،

أو الطلاق كان طلاقاً، أو اليمين. كان إيلاءً، لأن اللفظ يحتمل

كل ذلك۔<sup>(۳)</sup>

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، القاعدة الثانية، ص ۳۱

(۲) مجلة الأحكام العدلية: الباب الرابع، الفصل السابع، مادة: ۱۳۰۳، ص ۲۴۸

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۲ ناشر: مکتبہ رشیدیہ کونو



۵..... اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے علاوہ کسی دوسرے انسان کی میت کا سوگ تین دن سے زیادہ منائے تو اگر اس کا مقصد اس میت کے سوگ کے طور پر زیب و زینت کو ترک کرنا ہے تو تین دن سے زیادہ ناجائز ہے، اور اگر یہ خیال اس کے دل میں نہ ہو بلکہ خالی الذہن ہو تو آرائش و زیبائش نہ کرنے پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا:

والإحداد للمرأة على ميت غير زوجها فوق ثلاث دوائر مع القصد،

فإن قصدت ترك الزينة والتطيب لأجل الميت حرم عليها، وإلا

فلا۔ (۱)

۶..... لقطہ کو اٹھانے والے شخص نے اگر حفاظت اور اصل مالک کی طرف لوٹانے کی نیت سے اٹھایا اس کے بعد ملتقط کے قبضہ میں وہ بغیر کسی تعدی و کوتاہی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان واجب نہیں ہوگا، اور اگر اس نے مالک بننے کے قصد سے اٹھایا تو یہ غاصب تصور کیا جائے گا، لہذا اس کی ہلاکت کی صورت میں ملتقط پر ضمان واجب ہوگا خواہ بغیر اس کی تعدی و تقصیر کے ہلاک ہو، کیونکہ یہ غاصب ہے اور غاصب مطلقاً مغصوب کی ہلاکت پر ضامن ہوتا ہے:

وفي اللقطة يضمنها بنية أخذها لنفسه، وبنية ردّها لصاحبها لا۔ (۲)

۷..... اگر کیڑا فروخت کرنے والا مشتری کو کیڑے کی اچھائی اور عمدگی کے اظہار کے لیے ”سبحان اللہ“ یا ”اللہم صلی علی محمد“ کہے تو یہ مکروہ ہے ورنہ نہیں:

رجل جاء إلى تاجر ليشتري منه ثوباً، فلما فتح المتاع قال: سبحان

الله أو قال اللهم صلي على محمد، إن أراد بذلك إعلام المشتري

بجودة ثوبه ومتاعه كره۔ (۳)

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، القاعدة الثانية، ص ۳۲

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۳

(۳) فتاویٰ قاضیخان: کتاب الحظر والاباحة، فصل فی التسبیح والتسليم والصلاة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۳ ص ۲۵۹

۷..... اگر کوئی نماز پڑھنے والا کسی شخص کی بات کے جواب میں دوران نماز قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس کا مقصد تلاوت آیت نہیں بلکہ کسی کی بات کا جواب دینا تھا، مثلاً خوشی کی خبر سن کر ”الحمد لله“ کہایا کوئی ناگوار خبر سن کر ”لا حول ولا قوۃ“ کہایا کسی کی موت کی خبر سن کر ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ پڑھا تو نماز باطل ہو جائے گی:

إذا أخبر المصلي بما يسره فقال: الحمد لله، قاصدا الشكر بطلت،

أو بما يسوؤه فقال: لا حول ولا قوة إلا بالله، أو بموت إنسان فقال:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، قاصدا له بطلت صلاته۔<sup>(۱)</sup>

۸..... اگر کوئی شخص بارش کا پانی اپنے برتن میں جمع کرنے کی نیت سے اپنا برتن بارش

میں رکھ دے تو جمع شدہ پانی کا مالک ہو جائے گا اور اگر یہ نیت نہ ہو تو مالک نہ ہوگا:

كون الإحراز مقرونا بالقصد لازم فلو وضع شخص وعاء في محل

بمقصد اخذ ماء المطر المجتمع في ذلك الإناء ملكه، لو وضع

شخص إناء في محل بغير قصد فماء المطر المجتمع فيه لا يكون

مَلِكًا۔<sup>(۲)</sup>

۹..... چوکیداریہ بتلانے کے لیے کوئی ذکر مثلاً ”لا إله إلا الله“ ذکر جہری کے ساتھ

پڑھے کہ وہ بیدار ہے تو گناہگار ہوگا ورنہ نہیں:

وكذا الحارس إذا قال في الحراسة: لا إله إلا الله، يعني لأجل

الإعلام بأنه مستيقظ۔<sup>(۳)</sup>

۱۰..... اگر مُؤَدَّع (جس کے پاس کوئی چیز امانت رکھوائی گئی ہو) ودیعت کے لباس کو

استعمال کرنے کی نیت سے نکالے اور استعمال سے قبل لباس ضائع ہو جائے تو ضامن ہوگا

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، القاعدة الثانية، ص ۳۱

(۲) مجلة الأحكام العدلية: الباب الرابع، الفصل الثاني، مادة: ۱۲۵۰، ص ۲۳۰، ۲۳۱

(۳) الأشباه والنظائر: الفن الأول، القاعدة الثانية، ص ۳۲

لیکن اگر یہ نیت نہ ہو تو ضامن نہ ہوگا:

والمودع إذا أخرج الوديعة بنية لبسها فهلكت قبل اللبس يضمن،

وإن لم تكن بتلك النية لا يضمن۔<sup>(۱)</sup>

فائدہ

محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ دین دراصل پانچ چیزوں سے مرکب ہے۔ ۱..... اعتقادات۔ ۲..... اخلاق۔ ۳..... عبادات۔ ۴..... معاملات۔ ۵..... عقوبات۔

فقہ میں اعتقادات اور اخلاق سے بحث نہیں ہوتی البتہ بقیہ تین امور سے بحث ہوتی ہے، ان میں سے عبادات میں بالاتفاق نیت شرط ہے چنانچہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ میں سے کوئی بھی عبادت بلا نیت درست نہیں ہوتی۔ معاملات میں مناکحت، مالی معاوضات، خصومات، ترکات اور امانات داخل ہیں ان میں بالاتفاق نیت کی ضرورت نہیں ہوتی، اسی طرح عقوبات میں حدردت، حدقذف، حدزنا، حدسرقہ اور قصاص داخل ہیں، ان میں بھی کسی نے نیت کی شرط نہیں لگائی:

إن الدين مركب من خمسة أشياء: العبادات والعقوبات  
والمعاملات والاعتقادات والأخلاق، أما الأخلاق والأعتقادات  
فالبحت عنهما في فنونهما، والبواقي مذكورة في الفقه۔ أما العبادات  
فالمقصود منها: الصلاة والصوم والزكاة والحج والنية شرط  
لصحتها بالإجماع۔ وأما المعاملات فأیضا خمسة: مناکحات و  
معاوضات مالية وخصومات وترکات وأمانات لا تشرط النية  
لصحتها بالإجماع۔ وأما العقوبات فخمسة ایضا: حدردة وقذف  
وزنا وسرقة وقصاص، ولم يشرط فيها النية واحد منهم۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۴

(۲) فیض الباری شرح صحیح البخاری: کتاب بدء الوحي، ج ۱ ص ۸۲، ۸۳

## قاعدہ نمبر (۲)

الْعِبْرَةُ فِي الْعُقُودِ لِلْمَقْصِدِ وَالْمَعْنَى لَا لِلِالْفَظِ وَالْمَبْنَى<sup>(۱)</sup>۔  
تمام عقود میں مقاصد اور معانی کا اعتبار ہوگا، الفاظ اور کلام کی ترکیبی عبارت کا اعتبار نہ ہوگا۔

تشریح

عقود جمع ہے عقد کی، عقد کہتے ہیں:

”التزام المتعاقدين وتعهدهما امرًا۔“<sup>(۲)</sup>

فریقین کا کسی امر کی بابت اپنی ذات پر ذمہ داری لے کر اپنے آپ کو اس کا پابند کر لینا۔

”العقود“ کے کلمے میں الف لام استغراق کا ہے یعنی عقود کی تمام اقسام میں ان کے معانی مقصودہ کا اعتبار ہوگا۔

معاهدات میں اصل اعتبار معانی اور مقاصد کا ہوتا ہے، محض الفاظ کو بنیاد بنا کر معاہدے کے اصل مقاصد سے انحراف یا ان کی تکمیل میں کوتاہی جائز تصور نہ کی جائے گی، اگر الفاظ کے عام مفہوم معانی میں عاقدین کا اختلاف ہو جائے تو جن مقاصد کے لیے عقد کیا ہے وہ مقاصد زیادہ معتبر ہوں گے۔

## تفریعات

..... ایک شخص نے کچھ رقم کے عوض کسی سے کوئی چیز خریدی، اور اس کے بعد بائع کو کپڑا دیتے ہوئے اس سے کہا کہ یہ کپڑا قیمت کی ادائیگی تک اپنے پاس رکھو، لہذا یہ کپڑا بائع

(۱) مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۶ / الفتاوى الهندية: كتاب المكاتب، الباب الأول، ج ۵ ص ۲

(۲) مجلة الأحكام العدلية: الكتاب الأول، المقدمة، مادة: ۱۰۳، ص ۲۹

کے پاس رہن سمجھا جائے گا اس لیے کہ مشتری نے اپنی عبارت سے رہن کا معنی ادا کر دیا، اگرچہ رہن کا لفظ استعمال نہیں کیا، اور قاعدہ ہے کہ عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا:

لو اشتری شیئاً بدرہم و دفع إلی البائع ثوباً وقال له: أمسك هذا الثوب حتی أعطیک الثمن، فالثوب رہن، لأنه أتى بمعنی العقد والعبارة فی باب العقود للمعانی۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر عوض کی شرط پر ہبہ کیا گیا اور ہر دو عوض میں سے کوئی ایک عوض زمین ہو اور ہر ایک فریق نے قبضہ کر لیا تو اس زمین میں شفیع کو حق شفیعہ حاصل ہوگا اس لیے کہ ہبہ بشرط العوض باعتبار نتیجہ کے بیع ہوا کرتا ہے، عقود کے معاملے میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے الفاظ کا نہیں ہوتا:

إن الهبة إذا كانت بشرط العوض وكان أحد العوضین عقاراً وتقابضاً، وجبت الشفعة فی العقار للشفیع لأن الهبة باعتبار شرط العوض بیع انتهاء۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اگر کسی شخص نے صحت کی حالت میں وصیت کا لفظ استعمال کیا تو اس سے مراد وکالت ہوگی، اور اگر وکالت کا لفظ موت کے بعد کے امور کے لیے استعمال کیا تو اس سے مراد وصیت ہوگی، اس لیے کہ قابل لحاظ معانی ہوتے ہیں الفاظ نہیں ہوا کرتے:

الوصایة حال حیاته وکالة والوکالة بعد موته وصایة لأن المنظور المعانی۔<sup>(۳)</sup>

۴..... جو مکان کسی صلح کا معاوضہ قرار دیا گیا ہو خواہ اس صلح کی بنیاد اقرار پر ہو یا انکار پر یا سکوت پر، اس مکان میں شفیعہ کا حق واجب ہوگا اس لیے کہ مدعی سے صلح کرنا اگرچہ صلح کے لفظ کے استعمال سے ہوگا مگر چونکہ جس چیز کا دعویٰ کیا گیا ہے اس کا عوض لیا گیا ہے

(۱) بدائع الصنائع: کتاب الرهن، بیان رکن الرهن، ج ۶ ص ۱۳۵

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۶

(۳) البحر الرائق: کتاب الکفالة، الکفالة بالمجهول، ج ۶ ص ۲۳۹



اس لیے یہ معنوی اعتبار سے بیع ہے، اور اعتبار عقود میں معانی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا:

والعبرة في العقود للمعاني ان الدار اللتي هي بدل صلح يجب فيها  
الشفعة مطلقاً سواء كان عن اقرار أو انكار أو سكوت، لأن عقد  
الصلح على دفعها للمدعي وإن كان بلفظ المصالحة إلا أن هذا  
العقد لما كان تعويضاً عن المدعي به كان في معنى البيع،  
والعبرة في العقود للمعاني- (۱)

۵..... اگر کسی شخص نے کہا کہ میرے اس مکان کی آمدنی سے ہر ماہ دس روپے کی روٹی  
خرید کر مساکین میں تقسیم کی جائے تو یہ مکان وقف کہلائے گا اگرچہ اس نے صراحاً وقف  
کے الفاظ نہیں کہے لیکن عقود میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے:

اشتروا من غلة درای هذه كل شهر بعشرة دراهم خبزاً وفرقوه  
على المساكين صارت الدار وقفاً- (۲)

۶..... اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ یہ مکان ہر ماہ اتنے مال کے عوض عاریت  
ہے اور مخاطب نے اسے قبول کر لیا تو عقد اجارہ منعقد ہو جائے گا اس لیے کہ مالک نے اپنی  
اس عبارت میں اجارہ کا معنی ادا کر دیا اگرچہ صراحاً لفظ اجارہ استعمال نہیں کیا، اور اعتبار عقود  
میں معانی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا:

من قال لغيره: اعرتك هذه الدار شهراً بكذا، أو قال كل شهر

بكذا، وقبل المخاطب كان ذلك إجارة صحيحة- (۳)

۷..... اگر ایک عورت نے کسی نکاح کے پیغام دینے والے سے کہا کہ میں نے اتنے  
مال کے عوض اپنا نفس تم کو ہبہ کیا یا کسی مدیون نے اپنے دائن سے اس طرح کہا کہ میں نے  
اس قرض کے عوض میں جو آپ کا ایک ہزار کی صورت میں میزبانی طرف ہے یہ کیڑا اس ایک

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۶، ۱۷ (۲) البحر الرائق: كتاب الوقف، ركن الوقف، ج ۵ ص ۲۰۶

(۳) المحيط البرهاني: كتاب الاجارات، الفصل الأول، ج ۷ ص ۳۹۳

ہزار کے عوض فروخت کیا لیکن شرط یہ ہے کہ جب قرض کے ایک ہزار روپے آپ کو ادا کروں تو یہ کپڑا آپ مجھے واپس کر دیں گے۔

ان دونوں صورتوں میں اگر مخاطب نے ان عقود کو قبول کر لیا تو پہلی صورت میں عقد نکاح اور دوسری صورت میں عقد رہن منعقد ہو جائے گا اور عقود میں ذکر کردہ ہبہ، بیع کے الفاظ مذکورہ عقود کے مقاصد میں خلل انداز نہیں ہوں گے بلکہ ان پر نکاح اور رہن کے احکام مرتب ہوں گے۔

پہلی صورت میں عورت نے اپنی عبارت میں نکاح کے معنی اور دوسری صورت میں مقروض نے اپنی عبارت میں رہن کے معنی ادا کر دیئے اگرچہ نکاح اور رہن کے الفاظ استعمال نہیں کئے، کیونکہ عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا:

فلو قال أعتك هذه الدار كل شهر بكذا، أو أعطيتك إياها  
بكذا، أو قالت لمن يرید نكاحها وهبتك نفسي بكذا، أو قال  
المديون لدائنه: بعتك هذا الثوب بالألف اللتي لك علي، علي  
أني إن أديتك الألف استرده، وهكذا فقبل الآخر فالأول اجارة،  
والثاني بيع، والثالث تزويج، والرابع رهن، وهذه الألفاظ لا تخرج  
العقود عن معانيها ومقاصدها الموضوعه لها، بل يترتب  
عليها أحكام الإجارة والبيع والنكاح والرهن-<sup>(۱)</sup>

### قاعدہ نمبر (۳)

الْيَقِينُ لَا يَزُولُ بِالشَّكِّ-<sup>(۲)</sup>

یقین کو کسی شک کے ذریعے زائل نہیں کیا جاسکتا۔

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۶

(۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول، القاعدة الثالثة، ص ۶۰ / رد المحتار: كتاب الطهارة، سنن  
الوضوء، ج ۱ ص ۱۴۸

## ماخذ

اس قاعدے کا ماخذ یہ حدیث ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
 إذا وجد أحدكم في بطنه شيئاً فأشكَل عليه، أخرج منه شيء أم لا؟  
 فلا يخرج من المسجد حتى يسمع صوتاً أو يجد ريحاً۔<sup>(۱)</sup>  
 إذا شك أحدكم في صلاته فلم يدر كم صلى ثلاثاً أم أربعاً فليطرح  
 الشك وليبن على ما استيقن۔<sup>(۲)</sup>

اس قاعدے کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ۔<sup>(۳)</sup>

علامہ ابن عبدالبر اندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

وفي هذا الحديث من الفقه أصل عظيم جسيم مطرد في أكثر  
 الأحكام وهو أن اليقين لا يزيله الشك وأن الشيء مبني على  
 أصله المعروف حتى يزيله يقين لا شك معه۔<sup>(۴)</sup>

## یقین کا لغوی معنی

اليقين لغة قرار الشيء۔

## یقین کا اصطلاحی معنی

اليقين عند الفقهاء هو جزم القلب بوقوع الشيء أو عدم وقوعه۔  
 فقهاء کے نزدیک کسی امر کے وقوع یا عدم وقوع کا قطعی ہو جانا یقین کہلاتا ہے۔

(۱) صحیح مسلم: کتاب الحيض، باب الدليل على أن من تيقن الطهارة الخ، ج ۱ ص ۲۷۶،  
 رقم الحديث: ۳۶۲

(۲) صحیح مسلم: کتاب المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، ج ۱ ص ۴۰۰، رقم الحديث: ۵۷۱  
 (۳) الاسراء: ۳۶

(۴) التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد: باب الزاء، الحديث الثامن والعشرون، ج ۵ ص ۲۵

## شک کا لغوی معنی

الشك لغة معناه التردد۔

## شک کا اصطلاحی معنی

الشك هو التردد في وقوع الشيء وعدم وقوعه على السواء۔<sup>(۱)</sup>  
کسی شے کے وقوع اور عدم وقوع میں مساوی طور پر اگر تردد ہو تو اسے شک کہتے ہیں۔

## تفریعات

..... جن اموال میں (شرعاً) ربوا (سود) کا اجراء ہوتا ہے جیسے کہ ناپ تول کر کے فروخت کی جانے والی اشیاء ان میں بیع مجازفہ (اندازہ لگا کر لین دین) جائز نہ ہوگی، اس لیے کہ ان اشیاء میں مماثلت کی شرط ہے اور اندازہ لگانے میں مماثلت مشکوک ہوتی ہے لہذا یہ بیع صحیح نہ ہوگی، یہ ایک (فقہ کا) مشہور قاعدہ ہے کہ جو حکم کسی شرط پر معلق ہو یا جو حکم کسی شرط پر مشروط ہو اگر اس کی شرط کے وجود میں شک ہو تو یہ ثابت شدہ متصور نہ ہوں گے جب تک کہ یقین حاصل نہ ہو جائے، کیونکہ اس امر کا غیر مشروط ہونا یقینی ہے اور شرط مشکوک ہے، اور یقین شک سے زائل نہیں ہوا کرتا:

ومن فروعها ما نصوا عليه من عدم جواز البيع مجازفة في الأموال الربوية كالمكيلات والموزونات لأن المماثلة ببيعها شرط محقق، المماثلة في المجازفة مشكوك فيها فلا تثبت الصحة، بناء على الأصل المقرر وهو أن الحكم المعلق على شرط أو المشروط بشرط إذا وقع الشك في وجود شرطه لا يثبت لأن ماليس ثابتاً بيقين لا يثبت بالشك، كما أن الثابت بيقين لا يزول بالشك۔<sup>(۲)</sup>

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۸

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۸

۲..... اگر کسی شخص کو اپنی طہارت کا یقین ہو تو یہ شک واقع ہونے سے زائل نہ ہوگا بلکہ یہ شخص باطہارت سمجھا جائے گا:

(۱) فالمتیقن بالطہارة مثلاً إذا شك بالحدث فهو متطهر۔

(۲) ولو أيقن بالطہارة وشك بالحدث أو بالعكس أخذ بالیقین۔

۳..... یہ بات یقیناً ثابت ہو کہ زید نے عمرو کا قرضہ دینا تھا مگر زید کے مرنے کے بعد شک ہو گیا کہ زید نے عمرو کا قرضہ واپس کر دیا تھا یا نہیں، تو محض شک کی وجہ سے قرضہ زائل نہ ہوگا بلکہ ادا کرنا پڑے گا۔ (۳)

۴..... مفقود الخبر (جو اپنے شہر سے غائب ہو گیا اور یہ خبر نہ ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا) کے حق میں زندہ شخص کے احکام جاری ہوں گے، لہذا اس کا مال وراثت میں تقسیم نہ ہوگا اور نہ اس کی زوجہ اس کے نکاح سے خارج ہوگی، اس لیے کہ غائب ہونے کی حالت میں اس کی حیات یقینی ہے اور موت مشکوک ہے، اور جب تک حاکم کی طرف سے اس کی مدت مقرر نہ کی جائے تو شرعاً مدت گذر جانے تک اس پر مذکورہ قاعدہ جاری رہے گا کہ ”الیقین لا یزول بالشك“ لیکن جو اشیاء اس کی مملو کہ نہیں ہیں ان میں یہ (شخص) مردہ تصور کیا جائے گا اور اس بنا پر اس وقت تک کسی شخص کا وارث نہ ہوگا جب تک اس کی حیات پر قطعی دلیل قائم نہ ہو جائے، اس لیے کہ کسی شے کی اپنی سابقہ حالت پر باقی رہنے کی حجت استحباب کو بنایا جاسکتا لیکن کسی ایسی شے کی جو پہلے سے ثابت نہ ہو اب ثابت کیا جائے تو استحباب حجت نہ ہوگا، اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ استحباب دفع (ضرر) کی حجت ہو سکے گا نہ کہ استحقاق کی:

فالمفقود وهو الذی غاب عن بلدہ ولا یعرف خبرہ أنه حی أو

میت تجری علیہ احکام الأحياء فیما کان له فلا یورث ما له ولا

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۸

(۲) الدر المختار: کتاب الطہارة، سنن الوضوء، ج ۱ ص ۱۵۰

(۳) شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثالثة، ص ۸۲



تبين امراته لأن حياته حين تغيبه متيقنة وموته قبل المدة  
المضروبة شرعا مشكوك فيدخل تحت قاعدة اليقين لا يزول  
بالشك۔

واما فيما لم يكن له فتجری عليه أحكام الأموات فلا يرث أحدًا  
إلا ببرهان على حياته كأنه ميت حقيقة لأن الثابت باستصحاب  
الحال يصلح لابقاء ما كان على ما كان ولا يصلح لاثبات ما لم  
يكن ولهذا قالوا الاستصحاب حجة يصلح للدفع لا  
للاستحقاق۔<sup>(۱)</sup>

۵..... دو آدمیوں کے درمیان باقاعدہ معاہدہ ہو اس کا دستاویزی ثبوت اس کو یقینی  
بنانے کے لیے موجود ہے مگر بعد میں اس معاہدے کے فسخ ہو جانے یا نہ ہو جانے میں شک  
کی کیفیت پیدا ہوگئی ہو تو یہ شک معاہدے کے یقینی وجود کو زائل نہ کر سکے گا جب تک فسخ  
معاہدہ کے لیے یقینی اور قطعی ثبوت پیش نہ کر دیئے جائیں معاہدے کو فسخ نہیں سمجھا جائے گا۔

۶..... اگر گواہوں سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ زید نے عمر کو عام طور پر ذمہ داری سے  
بری کر دیا تھا، اور پھر زید نے عمر پر بغیر تاریخ بیان کیے رقم کا دعویٰ دائر کر دیا تو زید کا دعویٰ  
قابل سماعت نہ ہوگا، اس لیے کہ بری الذمہ کر دینا اور (پھر) دعویٰ کرنا ان میں یہ بھی احتمال  
ہے کہ اس حق کے متعلق ہو جس کو یہ ساقط کر چکا تھا یا یہ کہ کسی جدید حق کے متعلق ہو، لہذا  
ضروری ہوا کہ دعویٰ کی سماعت اس وقت کی جائے جبکہ یہ دلیل پیش کر دے کہ یہ حق جس کا  
دعویٰ کر دیا ہے اول ابراء کے بعد جدید پیدا ہوا تھا اس لیے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوا کرتا:

لو ثبت بالبينة أن زيداً أبرأ عمرًا أبرأً عامًا، ثم ادعى زيد عليه،  
حقاً بدون تاريخ لا تسمع دعواه لأن الأبراء ودعواه تحتل أنها

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۹ / بدائع الصنائع: كتاب المفقود، بيان حال المفقود، ج ۶  
ص ۱۹۶

بالحق الذى سقط بالابراء أو أنها بحق حدث بعده فلا تسمع إلا  
ان يبرهن ان ذلك الحق حدث بعد الابراء العام لأن اليقين لا  
يزول بالشك۔ (۱)

۷..... اگر مشتری نے کوئی چیز خریدی پھر دعویٰ کیا کہ اس میں عیب موجود ہے اور بیچ  
کے واپس لوٹانے کا ارادہ کیا تو تاجر کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہوا بعض نے کہا  
اس میں عیب موجود ہے اور بعض نے کہا عیب نہیں ہے تو مشتری کے لیے اس بات کا اختیار  
نہیں ہے کہ وہ بیچ واپس لوٹائے اس لیے کہ بیچ کا صحیح سالم ہونا یہی اصل اور یقینی بات ہے  
پس محض شک کی بنیاد پر عیب ثابت نہیں ہوگا:

لو اشترى أحد شيئاً ثم ادعى ان به عيباً وأراد رده واختلاف التجار  
أهل الخبرة فقال بعضهم: هو عيب وقال بعضهم: ليس بعيب فليس  
للمشترى الرد لأن السلامة هي الأصل المتيقن فلا يثبت العيب  
بالشك۔ (۲)

۸..... اگر کوئی شخص یقینی طور پر تیمم کی حالت پر ہو تو وہ متیم ہی سمجھا جائے گا یہاں تک  
کہ اس کے بے وضو ہونے یا پانی کے ملنے کا یقین ہو جائے اس لیے کہ اصول ہے ”الیقین  
لا يزول بالشك“

ومن استيقن بالتيمم فهو على تيممه حتى يستيقن بالحدث أو  
بوجود الماء للأصل الذى قدمناه فى الوضوء أن اليقين لا يزول  
بالشك۔ (۳)

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۹ (۲) شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثالثة، ص ۸۳

(۳) المبسوط للرخسى: باب التيمم، ج ۱ ص ۱۲۱

## قاعدہ نمبر (۴)

الْأَصْلُ بَقَاءُ مَا كَانَ عَلَى مَا كَانَ - (۱)  
جو حالت پہلے تھی اس کو باقی رکھنا اصل ہے۔

تشریح

اصل کا لغوی معنی

الأصل في اللغة أسفل الشيء -  
اصل لغت میں کسی شئی کے سب سے نچلے حصے کو کہا جاتا ہے۔

اصل کا اصطلاحی معنی

وفي الاصطلاح يطلق على معان كثيرة، منها أنه يستعمل بمعنى القانون والقاعدة المنطبقة على جزئياتها وهو المراد هنا - (۲)  
اصطلاح میں لفظ اصل کا اطلاق بہت سے معانی پر ہوتا ہے، ان میں ایک معنی قانون اور قاعدہ بھی ہے، قاعدہ سے مراد وہ اصول ہیں جو اپنی جزئیات پر منطبق ہوں اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔

یعنی کسی شئی کی جو حالت گذشتہ زمانے میں وجوداً یا عدماً ثابت ہو چکی ہے وہ اسی طرح باقی رہے گی، اس میں کوئی تغیر قابل تسلیم نہ ہوگا جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے استصحاب حال کا بھی یہی معنی ہے۔

## تفریعات

۱..... مفقود کا مسئلہ ہے یعنی جو شخص غائب ہو کہ اس کی موت و حیات کا کسی کو کوئی علم نہ

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۶۱ رد المحتار: کتاب الوقف، مطلب وقف علی اولادهم و  
سماهم، ج ۲ ص ۴۷۶ (۲) شرح القواعد الفقهية: القاعدة الرابعة، ص ۸۷

ہو، اس کی توضیح یہ ہے کہ جس وقت وہ غائب ہوا تھا اس وقت اس کی حیات یقینی تھی، لہذا جب تک اس کی موت پر کوئی قطعی دلیل نہ پائی جائے یا اس کی عمر کو نوے (۹۰) سال یا ہم عصر افراد کا انتقال کر جانا موجود نہ ہو تو مفقود کے ورثاء کو اس کے مملوکہ مال کا وراثت میں تقسیم کر لینا جائز نہ ہوگا، اور نہ یہ جائز ہوگا کہ اس کی امانت کو امین سے واپس لیا جائے، اور نہ یہ جائز ہوگا کہ اس کی زوجہ عقد ثانی کرے:

مسئلة المفقود الذی انقطع خبره ولم يعلم موته ولا حياته وذلك  
لأنه حين تغيبه كانت حياته محققة، فما لم يوجد دليل على موته  
حقيقة أو يحكم بموته يعد اكمال تسعين سنة من عمره أو لموت  
اقرانه ليس لورثته اقتسام ماله ولا تؤخذ وديعته من مودعه ولا  
تتزوج امراته باخر، إلى غير ذلك مما هو مسطور في بابہ۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر کوئی شخص یقینی طور پر وضو کی حالت میں ہو کچھ وقفہ گزرنے کے بعد اس کو شک ہوا کہ وضو ہے یا نہیں تو وہ بدستور با وضو سمجھا جائے گا:

من تیقن الطهارة وشك في الحدث فهو متطهر۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اگر کوئی بچہ کسی جگہ پڑا ہوا مل جائے تو وہ آزاد شمار ہوگا کیونکہ انسان میں اصل حریت ہے، لہذا شک کی وجہ سے غلامی ثابت نہ ہوگی کیونکہ اصل کے اعتبار سے ہر انسان آزاد ہے تو جو حالت پہلے تھی اس کو باقی رکھا جائے گا۔

۴..... اگر کوئی شخص یقینی طور پر تیمم کی حالت میں ہو پھر شک لاحق ہو حادث کے واقع ہونے کا تو اس سے طہارت زائل نہ ہوگی بلکہ وہ متیمم ہی سمجھا جائے گا اس لیے کہ اصول ہے:

الأصل بقاء ما كان على ما كان۔

من استیقن بالتيمم وشك في الحدث فهو على تيممه۔<sup>(۳)</sup>

(۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۶۱

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۰، ۲۱

(۳) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۶۱

۵..... کسی مسلمان شخص کے انتقال کے بعد اس کی نصرانیہ زوجہ اپنے اسلام لانے کا دعویٰ کرتے ہوئے کہے کہ وہ اس کے فوت ہونے سے قبل اسلام لا چکی تھی، اور شوہر کے ورثاء کا قول یہ ہو کہ ”اس کے بعد اسلام لائی ہے“ اس مسئلہ میں ورثاء کا قول معتبر ہوگا اور حال کو حکم نہ بنایا جائے گا اس لیے کہ زوجہ کی نصرانیت گذشتہ عہد سے قائم شدہ ہے جو کہ استصحاب ماضی للحال کی صورت ہے:

مات مسلم وله امرأة نصرانية فجاءت مسلمة بعد موته، وقالت  
أسلمت قبل موته، وقالت الورثة أسلمت بعد موته، فالقول قول  
الورثة أيضًا، ولا يحكم الحال لأن نصرانيتها كانت ثابتة فهو  
استصحاب من الماضي إلى الحال۔<sup>(۱)</sup>

۶..... گلی کوچوں میں جو مٹی اور کیچڑ ہوتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے یعنی زمین کی اصل طہارت ہے تو وہ محض اس گمان سے کہ ممکن ہے کہ یہاں کوئی نجاست گر گئی ہو تو ناپاک نہ ہوگی:

ولذا افتوا بطهارة طين الطرقات۔<sup>(۲)</sup>

۷..... خاوند اور بیوی کے درمیان وطی اور عدم وطی کے بارے میں اختلاف ہو ایک نے وطی کا اقرار کیا دوسرے نے انکار کیا تو قول انکار کرنے والے کا معتبر ہوگا، کیونکہ اصل اس معاملے میں عدم وطی ہے اور قاعدہ ہے کہ جو اصل ہے اسی کو باقی رکھا جائے گا:

ولو اختلف الزوجان في التمكن من الوطء فالقول لمنكره لأن  
الأصل عدمه۔<sup>(۳)</sup>

۸..... ایک چیز مدتوں سے بکر کے پاس ہے اب زید دعویٰ کرتا ہے کہ یہ چیز میری ہے تو اس کا دعویٰ مقبول نہ ہوگا جب تک کہ گواہوں سے ثابت نہ کرے اور وہ چیز بکر ہی کی قرار دی جائے گی، لأن الأصل بقاء ما كان على ما كان:

(۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول ص ۶۱

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲

(۳) الأشباه والنظائر: الفن الأول ص ۶۲



۹..... اگر عورت طہر کے طویل ہونے کا دعویٰ کرے کہ اب تک اس کی عدت مکمل نہیں ہوئی، تو یمین کے ساتھ عورت کے قول کی تصدیق کی جائے گی اور شوہر کے ذمے اس کی عدت کا نفقہ لازم ہوگا، اس لیے کہ عدت کے وجود کے بعد اس کا باقی رہنا یہی اصل ہے، اور اصول ہے کہ جو حالت پہلے تھی اس کو باقی رکھا جائے گا:

لو ادعت المطلقة امتداد الطهر وعدم انقضاء العدة صدقت ولها النفقة لأن الأصل بقاؤها۔<sup>(۱)</sup>

۱۰..... اگر بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف ہو جائے ثمن یا سامان کے قبضہ کرنے کے متعلق تو فیصلہ کیا جائے گا کہ سامان بائع کے قبضے میں ہے اور ثمن کی ادائیگی مشتری کے ذمے باقی ہے اس لیے کہ لأن الأصل بقاء ما كان على ما كان۔

إن وقع الاختلاف بين المتبايعين في قبض الثمن أو في قبض السلعة فالأصل بقاء السلعة في يد البائع والثمن في ذمة المشتري إذا الأصل بقاء ما كان على ما كان۔<sup>(۲)</sup>

## قاعدہ نمبر (۵)

الْقَدِيمُ يُتْرَكُ عَلَى قَدَمِهِ۔<sup>(۳)</sup>

قدیم کو اس کی قدامت پر چھوڑ دیا جائے گا۔

تشریح

قدیم اور حادث کے الفاظ بطور اصطلاح کے استعمال کئے جاتے ہیں، قدیم کہا جاتا ہے

القدیم هو الذی لا یوجد من یعرف اوله۔<sup>(۴)</sup>

(۱) غمز عیون البصائر: الفن الأول، ج ۱ ص ۲۰۱

(۲) شرح مختصر خلیل للخرشی، کتاب البیوع، فصل اختلاف المتبايعان فی جنس الثمن اونوعه، ج ۵ ص ۱۹۹

(۳) ہدایة: کتاب احیاء الموات، فصل فی مسائل الشرب، فصل فی الدعوی والاختلاف والتصرف فیہ، ج ۴ ص ۴۹۴ / رد المحتار: کتاب احیاء الموات، فصل: الشرب، ج ۶ ص ۴۴۳

(۴) مجلة الأحكام العدلیة: الكتاب الأول، ص ۳۳

جس کی ابتداء کا جاننے والا کوئی موجود نہ ہو کہ اس کی ابتداء کب ہوئی اس کے برعکس کو حادث کہلائے گا، اب اصول یہ ہے کہ قدیم کو اس کی موجودہ حالت پر برقرار رکھا جائے گا مگر شرط یہ ہے کہ اس کے خلاف کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو۔

أما القديم المخالف للشرع فلا اعتبار له۔<sup>(۱)</sup>

اور یہ چیز مفاد عامہ کے لیے نقصان دہ نہ ہو، مثلاً اگر کسی گھر کا گندہ پانی عام شاہراہ یا گلی میں بہ رہا ہو اور جس کی وجہ سے گزرنے والوں کو بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہو تو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، اور اس کے قدیم ہونے کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ ضرر کو دور کیا جائے گا:

لو كان القديم ضاراً يرفع ولا ينظر لقدمه۔<sup>(۲)</sup>

## تفریعات

..... اگر کسی گھر کے بارش کا پانی گزرنے کا راستہ پڑوسی کی چھت پر سے ہو، اور یہ عمل ایک طویل مدت سے جاری ہو جس کو اقران نہ جانتے ہوں کہ یہ کب سے ہے تو یہ سیل قدیم ہوگی، لہذا مذکورہ قاعدہ کے مطابق پڑوسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ قدیم کو اس کے قدم پر چھوڑا جائے گا:

فی الذخيرة عن أبي الليث، لو كان مسيل سطوحه إلى دار رجل  
وله فيها ميزاب قديم فليس له منعه وهذا استحسان جرت به  
العادة، أما أصحابنا فقد أخذوا بالقياس، وقالوا ليس له ذلك إلا أن  
يقيم البينة أن له حق المسيل والفتوى على ما ذكره أبو الليث،  
وفي البزازية وبه ناخذ۔<sup>(۳)</sup>

(۱) مجلة الأحكام العدلية: الباب الثالث، الفصل الرابع، ص ۲۳۶

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۳

(۳) رد المحتار: كتاب احياء الموات، فصل: الشرب، ج ۶ ص ۲۳۳

۲..... اگر پہلے سے پانی کی تقسیم سوراخوں کے ذریعے سے ہو، ہر ایک کھیت میں نہر سے پانی کے آنے کے لیے سوراخ موجود ہوں، اب اگر کوئی یہ چاہے کہ بجائے اس کے تقسیم ایام کے ذریعے سے ہو جائے کہ ایک دن پوری نہر کا پانی صرف وہ استعمال کرے اور دوسرے دن دوسرا، تو اس بات کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ جو دستور پہلے سے مقرر ہو چکا ہے اب اس کو توڑا نہیں جائے گا، لأن القديم يترك على قدمه۔

ولو كانت القسمة وقعت بالكوى فأراد أحدهم أن يقسم بالأيام

ليس له ذلك لأن القديم يترك على قدمه لظهور الحق فيه۔<sup>(۱)</sup>

۳..... ایک شخص نے اپنی جائیداد وقف کردی اور طے کر دیا کہ اس وقف جائیداد کا انتظام اس کی اولاد اور اولاد در اولاد کے پاس رہے، اب دو شخص اس حیثیت سے کہ یہ دونوں وقف کنندہ کی اولاد میں سے ہیں قدیم ہی سے اس جائیداد کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں، تو بعد میں کسی کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ ان سے انتظام چھوڑ دینے کا مطالبہ کرے یا ان سے وقف کنندہ کی اولاد ہونے کا ثبوت طلب کرے، کیونکہ ان دونوں کا وقف کنندہ کی اولاد میں سے ہونا قدیم ہی سے معلوم ہے۔

۴..... اگر پہلے سے پانی کی تقسیم ایام کے ذریعے ہو اب اگر کوئی ایک شریک چاہے کہ تقسیم سوراخوں کے ذریعے ہو تو اس کو اس بات کا اختیار نہ ہوگا، لأن القديم يترك على قدمه۔

كذا لا يجوز أن يقسم بالكوى وقد كانت بالأيام لأن القديم

يترك على قدمه۔<sup>(۲)</sup>

۵..... راستے کے حقوق، نہر، آب رسانی کے حقوق اور پانی کے اخراج کے حقوق زمانہ نامعلوم (عرصہ دراز) سے چلے آ رہے ہوں، تو ان کو اسی حالت میں رہنے دیا جائے گا

(۱) ہدایۃ: کتاب احياء الموات، فصول فی مسائل الشرب، فصل فی الدعوی والاختلاف، ج ۴ ص ۳۹۳

(۲) مجمع الأنهر: کتاب احياء الموات، فصل فی کری الأنهار، ج ۲ ص ۵۶۶

اور تبدیل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس کے خلاف کوئی امر ثابت نہ ہو جائے:

يعتبر القدم في حق المرور وحق المجرى وحق المسيل يعني  
تترك هذه الأشياء وتبقى على وجهها القديم الذي كانت عليه  
لأن الشيء القديم يبقى على حاله ولا يتغير إلا أن يقوم الدليل  
على خلافه۔<sup>(۱)</sup>

## قاعدہ نمبر (۶)

الضَّرَرُ لَا يَكُونُ قَدِيمًا۔<sup>(۲)</sup>

نقصان رسائی میں قدامت قابل اعتبار نہیں۔

ماخذ

یہ قاعدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ماخوذ ہے لا ضرر ولا  
ضرار۔<sup>(۳)</sup>

وهذه القاعدة مأخوذة من الحديث الشريف الذي يرويه سيدنا  
أبو سعيد الخدري رضي الله عنه وهو قوله صلى الله عليه وسلم: لا  
ضرر ولا ضرار وهو من جوامع الكلم۔<sup>(۴)</sup>

تشریح

اگر کوئی چیز نقصان دہ ہو خواہ قدیم ہو اس کو اس اصول کے پیش نظر ”القدیم یتروک  
علی قدمہ“ کا مفاد حاصل نہ ہوگا، بلکہ ہر ممکن کوشش کی جائے گی کہ اس چیز کو ختم کر دیا  
جائے یا اس طرح تبدیل کر دیا جائے کہ اس کا ضرر ختم ہو جائے۔

(۱) مجلة الأحكام العدلية: الباب الثالث، الفصل الرابع، ص ۲۳۶

(۲) مجلة الأحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۷ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة السادسة، ص ۱۰۱

(۳) موطأ مالك: كتاب الأفضية، باب القضاء في المرفق، ج ۲ ص ۷۴۵، رقم الحديث: ۲۸۹۵

(۴) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۴

اگر صورت حال ایسی ہو کہ کوئی چیز عام لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث ہو مگر کسی خاص شخص کے لیے فائدہ مند ہو تو ایسی صورت میں بھی مفاد عامہ کا لحاظ کیا جائے گا۔

## تفریعات

۱..... اگر کسی شخص کے گھر کا گندہ پانی طریق عام پر بہہ رہا ہو جس سے گزرنے والوں کو شدید تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہو، تو اس شخص کو اپنے پانی کا راستہ بدلنے کا حکم دیا جائے گا اگرچہ اس کا یہ راستہ قدیم زمانہ ہی سے کیوں نہ ہو، کیونکہ قاعدہ مذکورہ کے مطابق اس سلسلے میں قدیم کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا:

لو ان اقدار دار شخص من القديم تسيل إلى الطريق العام ولا اعتبار لقدمها لأنه لا يمكن احتمال مشروعية ذلك ولا يمكن لإنسان ان يجيز حقاً يكون منه ضرر عام۔<sup>(۱)</sup>

۲..... شارع عام میں اگر کوئی ضرر رساں چیز پائی جائے اور جس کی حالت کا کوئی علم نہ ہو تو اس کو جدید تصرف خیال کیا جائے گا، اور حاکم وقت کو اس کے دور کر دینے کا اختیار حاصل ہوگا:

الأصل ان ما كان على طريق العامة ولم يعرف حاله يجعل حديثاً وكان للإمام رفعه۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اس قاعدے کے تحت ضرر کی عدم مشروعیت کے پیش نظر کثیر احکام فقہیہ اس کے تحت داخل ہیں، مثلاً معیوب شئی کی واپسی کا جائز ہونا یا کسی شئی کے وصف مرغوب کے فوت ہونے پر اس کی واپسی کا حق دیا جانا، مثلاً کسی شخص نے اس شرط پر غلام خریدا کہ وہ کاتب ہے لیکن بعد میں وہ باورچی ثابت ہوا یا ہمسائیگی کے ضرر کے دفع کے لیے شفیع کو شفیعہ کا حق دیا جانا اسی قاعدے کے تحت داخل ہے:

(۱) درر الحکام شرح مجلة الأحكام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۲۵

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۴



یدخل تحت هذه القاعدة من حيث عدم مشروعية الضرر كثير من الأحكام الفقهية كمشروعية رد المبيع بالعيب، أو بفوات الوصف المرغوب كما إذا اشترى عبداً على أنه كاتب فإذا هو خباز، وكالشفعة للشفيع لدفع ضرر الجار۔<sup>(۱)</sup>

۴..... راہ عام پر جو چیز بھی راہ چلنے والوں کے لیے تکلیف دہ ہو چاہے وہ قدیم ہی کیوں نہ ہو اسے ختم کیا جائے گا، جیسے: راہ تنگ کر دینے والی دیوار، دروازہ وغیرہ۔

## قاعدہ نمبر (۷)

الْأَصْلُ بَرَاءَةُ الدِّمَةِ۔<sup>(۲)</sup>

اصول یہ ہے کہ ذمہ داری سے انسان کو بری تصور کیا جائے۔

ماخذ

یہ قاعدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعَى وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ۔<sup>(۳)</sup>

جو شخص خلاف اصل امر کو اپنائے گا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ ایک عارضی امر کو ثابت کرنا چاہتا ہے پس یہی شخص مدعی ہوگا، اور جو شخص اصل امر کو اپنارہا ہے وہ گویا عارضی امر کا منکر ہے یہی مدعی علیہ ہوگا، چونکہ یہ مدعی کے دعویٰ کی نفی کرتا ہے اس لیے اس کے انکار پر اس سے حلف لایا جائے گا:

هذه القاعدة مأخوذة من الحديث الشريف وهو قوله صلى الله

عليه وسلم: البينة على المدعى واليمين على من أنكر لأن كل

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۵

(۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۶۲ / رد المحتار: كتاب الاقرار، ج ۵ ص ۵۹۷

(۳) سنن الدارقطني: كتاب في الأفضية والأحكام، في المرأة تقتل إذا ارتدت، ج ۵ ص ۳۹۰، رقم الحديث: ۴۵۱۰

من يتمسك بخلاف الأصل ويريد اثبات أمر عارض فهو مدعي،  
وكل متمسك بالأصل منكر للأمر العارض مدعي عليه وعليه  
اليمين لأنه ناف ولا سبيل إلى إقامة البينة على النفي۔<sup>(۱)</sup>

## تشریح

ذمہ کا لغوی، اصطلاحی معنی۔

الذمة لغة العهد وإصطلاحاً وصف يصير الشخص به أهلاً  
للإيجاب له أو عليه۔<sup>(۲)</sup>

ماہرین قانون کے ہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ ہر انسان کے بارے میں بنیادی تصور یہی رکھا جائے کہ اس پر کسی دوسرے کی ذمہ داری نہیں ہے یعنی اس نے کسی کا حق غصب نہیں کر رکھا، اب اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے خلاف دعویٰ دائر کرتا ہے کہ فلاں نے میرا حق ادا نہیں کیا یا میرے ساتھ فلاں نے زیادتی کی ہے، تو اس مدعی پر لازم ہوگا کہ وہ اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش کرے، محض مدعی کے دعویٰ کر دینے سے قانون یہ فرض نہیں کرے گا کہ مدعی علیہ واقعی مجرم ہے، اور محض دعویٰ کی بناء پر مدعی علیہ سے صفائی طلب نہیں کی جائے گی یا اس کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں دیا جائے گا، اس لیے کہ انسان کسی شئی کے وجوب یا لازم ہونے کی ذمہ داری سے بری پیدا ہوتا ہے، اور اس کے ذمہ کا کسی دوسرے کے حق سے مشغول ہو جانا یہ فطرت کے خلاف امر ہے۔

## تفریعات

۱..... اگر کوئی شخص کسی کا مال ضائع کر دے اور مالک اس سے اس کے ضمان کا مطالبہ کرے (اور دونوں میں اس تلف شدہ شئی کی قیمت اور مقدار میں اختلاف واقع ہو) تو حلف کے بعد تلف کرنے والے کا قول معتبر ہوگا لیکن گواہ مالک کے قابل اعتبار ہوں گے:

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۷ (۲) شرح القواعد الفقهية: القاعدة السابعة، ص ۱۰۵

فإذا أترف رجل مال آخر وعند ارادة المالك تضمينه اختلافاً في  
مقداره أو قيمته القول للمتلف بيمينه إذا أنكر ما يدعيه صاحب

المال من الزيادة والبينة على المالك۔ (۱)

۲..... یہ مسئلہ بھی اسی قاعدے پر مبنی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے کسی حق یا  
کسی شئی کا اپنے ذمہ ہونے کا اقرار کرے تو حلف کے ساتھ مقرر کی تفسیر کسی قیمتی شئی کے  
سلسلہ میں قابل قبول ہوگی:

ويستنى على هذه القاعدة أنه لو أقر لآخر بشيء أو حق قبل

تفسيره بما له قيمة والقول للمقر مع يمينه۔ (۲)

۳..... وہ شخص جس کے پاس کسی کی ودیعت رکھی تھی اس نے دعویٰ کیا کہ وہ ودیعت  
واپس کر چکا ہے اور ودیعت رکھنے والے نے واپسی کا انکار کر دیا تو یہاں واپس کرنے  
والے کا قول معتبر ہوگا، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واپسی کا دعویٰ کرنے والا اگرچہ صورتاً مدعی  
ہے لیکن معنوی حیثیت میں منکر ہے کیونکہ وہ اصل ظاہر سے تمسک کر رہا ہے یعنی ذمہ داری  
سے فارغ ہونا کیونکہ اصل ہونے کے ماسوا ظاہر بھی یہی ہے:

كالمودع يدعى رد الوديعة والمودع ينكر فان القول لمدعى الرد

فانه وإن كان مدعياً صوراً منكر حقيقة لتمسكه بالأصل الظاهر

وهو فراغ ذمته لكونه ظاهراً لا لكونه أصلاً۔ (۳)

۴..... اسی طرح شفیع جب یہ کہے کہ مجھے شفیعہ کا علم گزشتہ کل ہوا تھا اور کل ہی میں نے  
شفیعہ طلب کیا تھا، اور اس کے مقابلے میں مشتری کہے کہ تم نے سکوت اختیار کیا تھا تو مشتری  
کا قول معتبر ہوگا، اس لیے کہ شفیع اپنے علم کو گزشتہ یوم کے ساتھ مقید کر کے ایک ایسے امر  
(یعنی) طلب (شفیعہ) کا مدعی ہے جو ایک عارضی امر ہے، اور مشتری امر اصل یعنی سکوت

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۶ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۶

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۶ / فتح القدير: كتاب النكاح، باب في الأولياء والأقفاء، ج ۳

سے احتجاج کر رہا ہے لہذا مشتری کا قول قابل اعتبار ہوگا:

الشفیع إذا قال علمت بالبیع أمس وطلبت الشفعة، وقال المشتري بل سکت، القول قول المشتري لأن الشفیع بتقیید علمه بالأمس یدعی أمراً عارضاً وهو الطلب، والمشتري يتمسك بالأصل وهو السکوت، فالقول قوله۔<sup>(۱)</sup>

۵..... اگر بکر نے اقرار کیا کہ اس نے زید کا مال چوری کیا ہے یا اس کے پاس زید کا مال ہے تو یہ اقرار کافی ہوگا چاہے اس چیز کی پوری وضاحت نہ ہو جس کا اقرار کیا گیا ہے، کیونکہ مجہول شئی کا اقرار ایسے معاہدات کے علاوہ جن میں شئی معہود کا معلوم ہونا ضروری ہوتا ہے، صحیح ہوتا ہے اگر اس شئی کی قیمت میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اقرار کرنے والے کا قول حلفیہ بیان کے ساتھ معتبر ہوگا اور دوسرے فریق پر بینہ لازم ہوگا۔

## قاعدہ نمبر (۸)

الْأَصْلُ فِي الصِّفَاتِ الْعَارِضَةِ الْعَدَمُ۔<sup>(۲)</sup>

صفات عارضہ کے بارے میں اصل ان کی غیر موجودگی ہے۔

تشریح

صفات دو قسم کی ہوتی ہیں: ۱..... صفات اصلیہ - ۲..... صفات عارضہ۔

۱..... ابتداءً جو صفت کسی شئی میں موجود ہو اسے صفت اصلیہ کہتے ہیں۔

۲..... جو صفت بعد میں لاحق ہوگئی ہو اسے صفت عارضہ کہتے ہیں۔

مثلاً فروخت کی ہوئی چیز کا عیب سے پاک ہونا اس کی صفت اصلیہ ہے، بعد میں اگر

اس میں کوئی عیب پیدا ہو گیا تو عیب اس کی صفت عارضہ ہے۔

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۶ / فتح القدير: كتاب النكاح، باب في الأولياء والأقفاء، ج ۳ ص ۲۷۳

(۲) مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۷ / الأشباه والنظائر: الفن الأول: ص ۲۶

صفات اصلیہ کے بارے میں اصل چیز وجود ہے یعنی بنیادی طور پر صفات اصلیہ کا موجود ہونا ثابت سمجھا جائے گا، اب اگر کوئی شخص ان صفات یا کسی ایک صفت کا انکار کرتا ہے تو اس انکار کرنے والے پر لازم ہوگا کہ دلیل پیش کرے، اور صفات عارضہ کا بنیادی طور پر نہ ہونا ثابت سمجھا جائے گا لہذا اب اگر کوئی شخص کسی چیز میں صفت عارضہ کا پایا جانا بتلاتا ہے تو اس شخص کے لیے لازم ہوگا کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے دلیل پیش کرے۔

## تفریعات

۱..... عقد مضاربت میں جب دو شریکوں کا نفع کے حصول و عدم حصول میں اختلاف واقع ہوا، رب المال (مال کے مالک) نے کہا ایک ہزار روپیہ کا منافع ہوا ہے اور مضارب (کام کرنے والے) نے کہا کہ کچھ نفع نہیں ہوا، تو اب یہاں حلف کے ساتھ مضارب کا قول معتبر ہوگا اس لیے کہ وہ صفت عارضی کا منکر ہے اس کی نفی کر رہا ہے، اور رب المال کو نفع ثابت کرنے کے لیے شہادت پیش کرنا ہوگی اس لیے کہ وہ خلاف اصل کا مدعی ہے جس کا ثبوت اس کے ذمہ ہوگا:

إذا اختلف شریک المضاربة فی حصول الربح و عدمه فقال رب المال ربحت ألفاً، وقال المضارب ما حصل ربح، فالقول للمضارب بیمنہ لتمسکہ بالأصل وهو عدم الصفة العارضة، والبینة علی رب المال لاثبات الربح لأنه یدعی خلاف الأصل فیحتاج للإثبات۔ (۱)

۲..... اگر بائع اور مشتری میں اختلاف واقع ہو تو مشتری بیع کے واپسی کے ارادے سے کہے کہ بیع میں فلاں قسم کا عیب موجود تھا اور بائع نے اس عیب کے وجود سے انکار کر دیا، تو حلف کے بعد بائع کا قول معتبر ہوگا اور مشتری کے ذمہ شہادت پیش کرنا ہوگا:

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۷، ۲۸



فلو تنازع المشتري والبائع، فقال المشتري يوجد في المبيع العيب  
الغلاني قاصدا رده على بائعه، وأنكر البائع وجود العيب، فالقول  
قوله بيمينه، والبينة على المشتري۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اسی طرح اتلاف شئی کی بناء پر جب مدیون کے متعلق دائن یہ دعوے کرے کہ  
وہ اس شئی کو اپنے قبضہ میں رکھے ہوئے ہونے کی حالت میں صاحب مال تھا، اور مدیون  
اپنے فقر کا قائل ہو اور دائن کے دعوئی کا منکر ہو، تو اس صورت میں حلف کے بعد مدیون کا  
قول معتبر ہوگا اور دائن کو ثبوت کے لیے گواہ پیش کرنا ہوں گے اس لیے کہ دائن عارضی صفت  
کا مدعی ہے، انسان اپنی اصل (فطرت) کے لحاظ سے فقیر ہے، چنانچہ اس کے خلاف کسی  
عارضی صفت کا ثبوت بغیر حجت کے قابل قبول نہ ہوگا:

المدیون من جهة اتلاف إذا ادعى الدائن يسارة لأجل حبسه، وهو  
ينكر ذلك ويدعى الاعسار فالقول قوله بيمينه، وعلى الدائن  
البينة لأن اليسار صفة عارضة، والأصل في الانسان الفقر فيحتاج  
في اثباتها إلى برهان۔<sup>(۲)</sup>

۴..... اگر کسی شخص نے کسی مرغوب وصف کی شرط کے ساتھ کوئی شئی خریدی پھر اس  
وصف کے وجود و عدم میں فریقین کا اختلاف واقع ہوا تو مذکورہ تفصیل کے مطابق اگر یہ  
اختلاف عارضی صفات میں ہے جیسے روٹی پکانا یا کاتب ہونا، مشتری نے کہا کہ یہ کاتب نہیں  
نکلاتا کہ غلام کو واپس کر سکے اور بائع نے کہا کاتب ہے، تو یہاں حلف کے بعد مشتری کا قول  
معتبر ہوگا کیونکہ وہ قائل بالاصل ہے اور بائع کے ذمہ ثبوت ہوگا:

لو اشتري شيئاً بشرط وصف مرغوب فيه فاختلفا بوجود الوصف  
وعدمه، فعلى التفصيل: ان كان من الصفات العارضة كالخبز  
والكتابة، فقال المشتري ليرده ليس كاتبا، وقال البائع كاتبا

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۸

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۸

فالقول قول المشتري بيمينه لتمسكه بالأصل وعلى البائع

الاثبات۔ (۱)

۵..... اگر عیب سے سلامتی کی شرط پر کسی شئی کو فروخت کیا پھر اس عیب کے وجود اور عدم میں اختلاف ہو تو چوں کہ بائع صفت اصلیه کا قائل ہوگا یعنی سلامتی کا تو قول اسی کا معتبر ہوگا اور مشتری کے ذمہ (عارضی صفت کے) ثبوت کے لیے شہادت پیش کرنا لازم ہوگا:

ولو اشتراه بشرط أنه سليم من العيب فجاء ليرده، واختلفا في

وجود العيب وعدمه فالقول قول البائع لتمسكه بالصفة الأصلية

وهي السلامة، وعلى المشتري الإثبات۔ (۲)

۶..... اس قاعدے کے فروع میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ جب وکیل کسی شئی (مؤکلہ) کو میعادی ادائیگی پر فروخت کرے، اور اس کا مؤکل کہے کہ میں نے تم کو نقد قیمت پر فروخت کرنے کا حکم دیا تھا اور وکیل نے کہا کہ آپ نے مطلق چھوڑ دیا تھا، اس صورت میں حکم دینے والا (مؤکل) صادق القول سمجھا جائے گا اس لیے کہ یہ وکالت کی صفت اصلیه کا قائل ہے، فقہاء نے وکالت کے لیے یہ اصول ”الأصل في الوكالة الخصوص وفي المضاربة العموم“ مقرر کر لیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وکالت میں خصوص اور مضاربت میں عموم اصل ہیں:

يتفرع على هذه القاعدة ما لو باع الوكيل نسيئة فقال مؤكله

امرتك بنقد وقال اطلقت، صدق الأمر لتمسكه بالصفة الأصلية

في الوكالة يعني قولهم: الأصل في الوكالة الخصوص وفي

المضاربة العموم۔ (۳)

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۸ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۸

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۸ / البحر الرائق: كتاب البيع، باب خيار الشرط، اشترى

عبداً على أنه خباز، ج ۶ ص ۲۵

۷..... اگر کسی مغصوبہ ہلاک شدہ شئی میں (مالک اور غاصب) کا اختلاف واقع ہو تو حلف کے بعد غاصب کا قول معتبر ہوگا، اور جس شخص سے شئی کو غصب کیا گیا ہے اس کے ذمہ ثبوت دینا ہوگا یعنی غاصب صفت اصلی ”بری الذمہ“ ہونے سے تمسک کر رہا ہے:

لو اختلفا في قيمة المغصوب الهالك، فالقول قول الغاصب بيمينه  
وعلى المغصوب منه الإثبات، لتمسكه أى الغاصب بالصفة

الأصلية وهي براءة الذمة من الزيادة۔<sup>(۱)</sup>

۸..... اگر کسی شخص نے تیل کا سربند برتن خرید کر اس پر قبضہ کر لیا (یعنی پیک جس کو کھولنا نہ گیا ہو) پھر جب اس کو کھولا تو اس میں چوہا مرا ہوا پایا، تو بائع نے اس عیب سے انکار کر دیا یعنی جب تک بیع میرے پاس تھی اس وقت تک یہ عیب اس میں موجود نہیں تھا، تو اس مسئلے میں بھی بائع کا قول اسی وجہ سے معتبر ہوگا جو ہم نے گزشتہ مسائل میں بیان کیا ہے:

ولو اشتري دهنًا في أنية ثم قبضها ورأس الأنية كانت مشدودة،  
ففتحها فوجد فيها فارة ميتةً وانكر البائع أن يكون ذلك عنده،

كان القول قوله لما قلنا۔<sup>(۲)</sup>

۹..... اگر کسی بیع کے صحیح اور باطل ہونے میں فریقین کا اختلاف ہو تو اس فریق کا قول معتبر ہوگا جو بیع کے باطل ہونے کا قائل ہوگا اس لیے کہ عقد بیع ایک امر جدید ہوتا ہے اس کے مقابل عدم بیع اصل ہے:

ولو اختلف المتبايعان في الصحة والبطلان، فالقول لمدعى

البطلان لأن انعقاد البيع حادث والأصل عدمه۔<sup>(۳)</sup>

۱۰..... اگر مضارب کو نقصان ہو گیا اور صاحب مال کا کہنا ہے کہ مضارب نے کچھ ایسے تصرفات کیے ہیں جن کے کرنے سے میں نے منع کیا تھا، چونکہ مضارب نے میری

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۸، ۲۹

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۹ / الفتاوى الهندية: كتاب البيوع، الباب الثامن، الفصل

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۹

الرابع، ج ۳ ص ۹۰

بات نہیں مانی اس لیے نقصان ہو اب مضارب کا فرض ہے کہ وہ اپنی طرف سے یہ نقصان پورا کرے، مگر مضارب کا کہنا ہے کہ صاحب مال نے ان تصرفات سے منع نہیں کیا تھا ایسی صورت میں چوں کہ تصرفات سے منع کرنا ایک صفت عارضہ ہے اس لیے بنیادی طور پر یہی کہا جائے گا منع نہیں کیا صاحب مال کا فرض ہوگا کہ وہ منع ثابت کرنے کے لیے دلیل پیش کرے۔

## قاعدہ نمبر (۹)

مَا ثَبَّتَ بِزَمَانٍ يُحْكَمُ بِبَقَائِهِ مَا لَمْ يُوْجَدْ دَلِيلٌ عَلَيْهِ خِلَافِهِ۔<sup>(۱)</sup>

جو امر ایک وقت میں ثابت شدہ قرار پا چکا ہے وہ ثابت شدہ ہی رہے گا۔

## تشریح

یہ قاعدہ ”الأصل بقاء ما كان على ما كان“ کی وضاحت کرتا ہے کہ زمانہ ماضی میں ایک چیز ثابت ہے اب محض کسی کے کہنے پر اس کو معدوم نہ کیا جائے گا، بنیادی طور پر گذشتہ زمانے میں ایک چیز کا ثبوت اس کے جائز اور صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ البتہ کوئی شخص اس کے خلاف باقاعدہ دلیل پیش کر دے تو اس میں رد و بدل کیا جاسکتا ہے۔

## تفریعات

..... جو شخص گذشتہ زمانے میں کسی شے کا قطعی ثبوت کے ساتھ مالک تھا وہ شے اس کے بعد والے زمانے میں اس کی ملک سے خارج نہیں خیال کی جاسکے گی جب تک کہ ملکیت سے خارج کرنے والا کوئی سبب ثابت نہ ہو جائے جیسے کہ ہبہ کر دینا یا بیع کرنا یا اقرار کر لینا:

فمن كان مالكا لعين ملكية ثابتة متحققه فيما مضى لا يخرج عن

ملكه فيما بعد، إلا باثبات ما يزيله بنحو هبة أو بيع أو اقرار۔<sup>(۲)</sup>

(۱) مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۷، شرح القواعد الفقهية: القاعدة التاسعة، ص ۱۲۱

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۹

۲..... اگر کسی شخص نے کسی میت کے ذمہ دین کا دعویٰ کر کے اس پر شہادت پیش کر دی تو یہ شہادت کافی سمجھی جائے گی، اس سے زائد کی ضرورت نہ ہوگی کہ گواہ یہ بھی بیان کریں کہ ابتداء سے لے کر موت کے وقت تک یہ دین میت کے ذمہ باقی تھا:

لو ادعی احدٌ دیناً فی ذمۃ میت وشہد بہ الشہود یکفی ولا حاجة

لأن یبینوا أن هذا الدین باق فی ذمته إلی حین وفاته۔<sup>(۱)</sup>

۳..... ایک شخص نے ایک ایسے مکان پر دعویٰ کیا جو کسی دوسرے کے قبضہ میں تھا کہ اس مکان کا میں مالک ہوں، اپنے والد کی طرف سے وارث ہوا ہوں اور شاہدوں نے اس امر کی شہادت دی کہ یہ مکان مدعی کے والد کی ملکیت تھا، یہ شہادت مقبول ہوگی اور مکان کا فیصلہ مدعی کے حق میں کر دیا جائے گا، اس مسئلہ میں شاہدوں نے گذشتہ زمانے میں ملکیت کی شہادت دی اور ساتھ ہی استصحاب حال نے اس کی ملک کو لازم کر دیا (جو الزام علی الغیر ہے):

إدعی داراً فی ید رجل أنها ملکہ ورثها من أبیه، وشہد الشہود أنها

کانت ملکا لأبیه فالشہادة مقبولة ویحکم له فقد شہدوا له بالملکیة

فیما مضی ووجدنا استصحاب الحال ملزماً، قلنا الحکم هناك لیس

بناء علی الاستصحاب بل لثبوت الملکیة ماضیا ولم یوجد

من المدعی علیہ برهان علی زواله عنه۔<sup>(۲)</sup>

۴..... ایک شخص کے قبضہ میں ایک شئی ہے، ایک خارجی شخص نے ایک معین تاریخ سے اس شئی کے مالک ہونے کا دعویٰ کیا اور ملکیت کا کوئی سبب ظاہر نہ کیا، اور قابض نے بھی ایک معین تاریخ سے اپنے مالک ہونے کا دعویٰ کیا اور دونوں فریق نے اپنے اپنے دعوؤں پر گواہ پیش کر دیئے ان دونوں میں سے ایک کی بیان کردہ تاریخ دوسرے سے مقدم تھی لہذا اسی مقدم تاریخ کے دعویدار کے گواہ قابل سماعت ہوں گے خواہ یہ قابض ہو یا خارج از قبضہ ہو، اب اس مسئلہ میں یہ خیال کیا جائے گا کہ اگر خارج از قبضہ فریق کی تاریخ سابق ہوئی اور

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۰

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۹



اس کے حق میں فیصلہ کیا گیا تو (اس کے) استصحاب کو اس کے لیے الزام علی الغیر کی حجت قرار دیا گیا ہے یہاں یہ تصور کرنا ممکن ہی نہیں بلکہ اس صورت میں فریق کی تاریخ سابق ہے اس کے گواہوں نے اس فریق کی ملک کو ایسے وقت میں ثابت کیا ہے کہ اس وقت میں اس کے مقابل کوئی دوسرا متنازع فریق نہ تھا اس لیے دوسرے پر لازم ہوا کہ وہ کوئی ایسا سبب بیان کرے جو اول کی ملک کے ازالہ کا ذریعہ ہو، پس اس ملک سابقہ ماضیہ کی شہادت ہمارے تمام ائمہ کے نزدیک مقبول ہوگی:

عین فی ید رجل ادعاها خارجا عنها ملكه مطلقا من تاريخ كذا بدون بيان سبب، وادعى ذو اليد كذلك انها ملكه منذ كذا، واقاما بينة، وتاريخ احدهما اسبق ترجح بينته سواء كان خارجا او ذا يد، فهل يتوهم في هذا الفرع ان الخارج لو كان تاريخه اسبق، وحكم له ان حجته صارت الزاما على الغير بالاستصحاب، كلا بل بينة صاحب التاريخ الأسبق أظهرت الملك له في وقت لا ينازعه فيه الخصم فعليه ان يثبت سببا مزيلا۔<sup>(۱)</sup>

۵..... ایک مکان کسی شخص کے قبضہ میں تھا دوسرے نے اس پر یہ شہادت پیش کی کہ اس نے ایک ہزار روپیہ کی قیمت پر یہ مکان قابض شخص سے خرید لیا تھا اور قیمت نقد ادا کر دی تھی اور قابض نے یہ گواہ پیش کیے کہ اس نے مدعی سے خرید کر اس کو قیمت ادا کر دی تھی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں شہادتیں ساقط الاعتبار ہوں گی خواہ شاہدوں نے قبضہ کا شہادت میں ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو اور مکان اسی شخص کے قبضہ میں چھوڑ دیا جائے گا جس کے قبضہ میں پہلے سے تھا:

دار في يد رجل فأقام آخر البينة أنه اشتراها من ذي اليد بالف درهم ونقده الثمن، وأقام ذواليد البينة أنه اشتراها من المدعى ونقده فعلى قول أبي حنيفة وأبي يوسف تتهاثر البينتان سواء شهدوا بالقبض أو لم يشهدوا وتترك في يد ذي اليد۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۰

(۲) المبسوط للسرخسي: كتاب الدعوى، باب اختلاف الأوقات في الدعوى، ج ۱ ص ۵۶

## قاعدہ نمبر (۱۰)

الْأَصْلُ إِضَافَةُ الْحَادِثِ إِلَى أَقْرَبِ أَوْقَاتِهِ-<sup>(۱)</sup>  
اصل ہے کہ حادثہ کی نسبت قریبی وقت کی طرف ہو۔

تشریح

اگر کوئی واقعہ پیش آیا مگر اس کے بیان کرنے والے ایک سے زائد ہیں اور ان میں اختلاف ہے کہ یہ واقعہ کس وقت پیش آیا، تو جس کا بیان زیادہ قریب وقت سے متعلق ہو تو واضح ثبوت نہ مل سکنے کی صورت میں کہ یہ کب واقع ہوا تو اس کی نسبت زمانہ حال سے قریب وقت کی طرف کی جائے گی۔

## تفریعات

..... ایک شخص نے اپنے ورثاء میں سے کسی وارث کے حق میں اپنی ذات پر اس کے دین کے (وجوب) کا اقرار کیا، اس اقرار کے بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا، اب باقی ورثاء نے اس اقرار کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ یہ اقرار مرض موت میں کیا گیا تھا، اور جس کے حق میں اقرار کیا تھا اس نے کہا کہ صحت کی حالت میں کیا گیا تھا، اس حالت میں ورثاء کا قول معتبر ہوگا اور مقررہ پر (اپنے دعویٰ کے ثبوت میں) بینہ (گواہ) پیش کرنا لازم ہوگا کیونکہ مرض الموت قریب وقت ہے، اور اصول یہ ہے کہ حادثہ کی نسبت قریبی وقت کی طرف کی جائے گی:

استوضح هذا فيمن اقر بدين لأحد ورثته ثم توفي فادعى باقى  
الورثة أن الاقرار كان فى مرض الموت فهو غير صحيح، والمقرر له  
أنه فى حال الصحة، فالقول للورثة مع اليمين، والبينه على المقر

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۶۷ / مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۷

له لأن الحادث يضاف الى اقرب أوقاته۔<sup>(۱)</sup>

۲..... ایک خریدار نے خریداری کے وقت بیع پر قبضہ کرنے سے قبل بائع کو ان تمام عیوب سے بری کر دیا جو عقد کے وقت موجود ہوں، پھر قبضہ کرنے کے بعد کسی عیب کی بناء پر بیع کی واپسی کا ارادہ کیا اس وقت بائع نے کہا کہ یہ عیب عقد بیع کے وقت موجود تھا اور (تمہاری) براءت میں داخل ہے، اور خریدار نے کہا کہ یہ عیب عقد کے بعد میرے قبضہ کرنے سے قبل پیدا ہوا ہے (براءت کے وقت موجود نہ تھا) اس صورت میں خریدار کا قول معتبر ہوگا اس لیے کہ خریدار کی براءت ان عیوب سے تھی جو عقد کے وقت میں موجود ہوتے (ان عیوب سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا جو اس کے بعد پیدا ہوں) اور مشتری (خریدار) ایسے عیب کا دعویٰ کر رہا ہے جو بیع کے قریب تر زمانے میں پیدا ہوا ہو اور بائع اس سے بعید تر زمانہ کا، لہذا ظاہر مشتری کے قول کا شاہد ہے اس لیے کہ بیع میں عیب کا نہ ہونا اصل ہے اور وجود عارضی امر ہے، اس لیے وصف موجود کی نسبت دو زمانوں میں سے قریب تر زمانے کی طرف کی جائے گی کیونکہ قاعدہ یہی مقرر ہے چونکہ خریدار کا دعویٰ اسی امر کا ہے لہذا اس کا قول معتبر ہوگا:

ومن فروع القاعدة ما لو ابرأ المشتري البائع قبل قبض المبيع من كل عيب يكون عند العقد ثم بعد القبض اراد ردة بعيب، فقال البائع كان موجوداً عندك العقد فدخل تحت البراءة وقال المشتري بل هو حادث عند بعد العقد قبل أن أقبضه، فالقول قول المشتري لأن البراءة المقيدة بحال العقد لا تتناول إلا الموجود حالة العقد والمشتري يدعى العيب لأقرب الوقتين، والبائع يدعيه لأبعدهما، فكان الظاهر شاهداً للمشتري وهذا لأن عدم العيب أصل والموجود عارض، فكان احالة الموجود إلى

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۲

أقرب الوقتين أقرب إلى الأصل، والمشتري يدعى ذلك فكان

القول قوله۔ (۱)

۳..... کسی شخص کے قبضہ میں ایک جانور تھا دوسرے شخص نے اس سے کہا کہ جس وقت میں نے اس کی آنکھ پھوڑی تھی اس وقت یہ بائع کی ملک میں تھا، اور مشتری نے کہا تو نے جانور کی آنکھ اس وقت ضائع کی جبکہ یہ جانور میری ملکیت میں تھا، تو یہاں مشتری کا قول معتبر ہوگا، لأن الأصل إضافة الحادث إلى أقرب أوقاته۔

ومنها لو كان في يد رجل دابة، فقال رجل فقأت عينها وهي في

ملك البائع وقال المشتري فقأتها وهي في ملكي فالقول

للمشتري۔ (۲)

۴..... ان فروع کے منجملہ یہ مسئلہ بھی ہے کہ ایک عورت اپنے شوہر کو مہر سے بری کرنے کے بعد فوت ہوگئی، شوہر نے کہا کہ اس نے اپنی صحت کی حالت میں مہر معاف کیا تھا اور زوجہ کے ورثاء نے کہا کہ اپنے مرض کی حالت میں کیا تھا، فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ ورثاء کا قول معتبر ہوگا کیونکہ مہر کا ہبہ (معاف کر دینا) وصفِ جدید ہے جس کی نسبت موت کے قریب تر زمانے کی طرف کی جائے گی اور وہ حالت مرض ہے:

ومنها ماتت بعد ان وهبت مهرها لزوجها، فقال الزوج وهبت حال

صحتها، وقالت الورثة حال مرضها، ففي الخانية القول للورثة لأن

الهبه حادثة فتضاف لأقرب الأوقات من الموت وهو حال

المرض۔ (۳)

۵..... مطلقہ عورت کا دعویٰ ہے کہ اس کو خاوند نے مرض الموت میں طلاق دی تھی اس

لیے وراثت میں اس کا بھی حصہ ہے، مگر دوسرے ورثاء کہتے ہیں کہ مرض الموت سے پہلے

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۳: بدائع الصنائع: كتاب البيوع، خيار الشرط، ج ۵ ص ۲۷۸

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۳ (۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۳

طلاق دی گئی تھی اس لیے وراثت میں اس کو حصہ نہیں ملے گا، اور کوئی خارجی شواہد ایسے نہیں ہیں کہ جن کے پیش نظر کسی ایک بیان کو ترجیح دی جاسکتی ہو تو یہ ضابطہ لاگو ہوگا اور عورت کا بیان معتبر ہوگا کیونکہ یہ قریب وقت بتلا رہی ہے، اور اصول ہے کہ حادثہ کی نسبت میں قریب وقت کی طرف کی جائے گی:

إذا ادعت الزوجة أن زوجها طلقها الفار أثناء مرض الموت  
وطلبت الارث والورثة ادعوا طلاقها في حال صحته وأن لاحق لها  
بالارث فالقول للزوجة لأن الأمر الحادث المختلف على زمن  
وقوعه هنا هو الطلاق فيجب أن يضاف إلى الوقت الأقرب وهو  
مرض الموت الذي تدعيه الزوجة ما لم يقيم الورثة البينة۔<sup>(۱)</sup>

۶..... کسی مسلمان شخص کا انتقال ہوا جس کے نکاح میں نصرانیہ عورت ہو، اب عورت کہے کہ وہ قبل از وفات شوہر مسلمان ہو گئی تھی، جبکہ وراثت کہیں کہ یہ بعد از وفات شوہر مسلمان ہوئی ہے تو وراثت کی بات تسلیم کی جائے گی، لأن الأصل إضافة الحادث إلى أقرب أوقاته۔

لومات مسلم و تحته نصرانية فجاءت مسلمة بعد موته و قالت  
اسلمت قبل موته، و قالت الورثة: اسلمت بعد موته فالقول  
لهم۔<sup>(۲)</sup>

۷..... ایک شخص نے اپنے کپڑوں پر نجاست لگی ہوئی دیکھی مگر وہ یہ معلوم کرنے سے قاصر ہے کہ یہ نجاست کب لگی ہے، تو اس کی نسبت قریب وقت کی طرف کرتے ہوئے یہی کہا جائے گا کہ اس نے ابھی جو نماز ادا کی صرف وہی لوٹائے:

لورای فی ثوبه نجاسة وقد صلى فيه ولا يدري متى أصابته  
يعيدها من آخر حدث أحدثه۔<sup>(۳)</sup>

(۱) درر الحکام شرح مجلة الأحكام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۲۸

(۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۶۸ (۳) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۶۷



۸..... اگر والد نے اپنے بیٹے کی جائیداد فروخت کی، اب بیٹے نے دعویٰ کیا کہ والد نے میری بلوغت کے بعد اس جائیداد کو فروخت کیا لہذا اس وجہ سے یہ بیع درست نہیں ہے، جبکہ والد یہ دعویٰ کر رہا ہے میں نے بیٹے کی بلوغت سے پہلے اس کو فروخت کیا، تو اس صورت میں بیٹے کا قول معتبر ہوگا اسی اصول کے پیش نظر کہ بلوغت کا زمانہ قریب ہے بہ نسبت قبل البلوغت کے زمانے کے، لہذا حادثہ کی نسبت قریبی وقت کی طرف کی جائے گی:

لو باع الأب مال ولده وادعی الولد علی والده انه باع ماله بعد

بلوغه وان البیع غیر صحیح لهذا السبب، والأب انکر وقوع البیع

منه بعد البلوغ فیما ان البلوغ اقرب زمنا من قبل البلوغ فالقول

للأبین۔<sup>(۱)</sup>

۹..... ایک شخص کے قبضے میں غلام تھا دوسرے نے اس سے کہا جس وقت میں نے اس کی آنکھ پھوڑی تھی اس وقت یہ بائع کی ملکیت میں تھا، جبکہ مشتری نے کہا تو نے اس غلام کی آنکھ اس وقت ضائع کی جبکہ یہ میری ملکیت میں تھا، تو مشتری کا قول معتبر ہوگا اس لیے کہ وہ حادثہ کی نسبت قریبی وقت کی طرف کر رہا ہے:

لو كان فی يد رجل عبد فقال رجل: فقأت عينه وهو فی ملك

البائع وقال المشتري فقأتها وهو فی ملكي، فالقول للمشتري۔<sup>(۲)</sup>

۱۰..... کنویں میں چوہا گرا ہوا پایا گیا اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ چوہا کب اس کنویں میں گرا ہے، تو امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ اس ضابطے پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب سے کنویں کی ناپاکی کا علم ہوا ہے اس وقت سے اس کو ناپاک شمار کیا جائے گا اس لیے کہ اصول یہی ہے کہ حادثہ کی نسبت قریبی وقت کی طرف کی جائے حتیٰ کہ اگر اس کے پانی سے کپڑے دھوئے ہوں یا وضو کر کے نماز ادا کی ہو تو اس کا اعادہ واجب نہ ہوگا، مگر

(۱) درر الحکام شرح مجلة الأحكام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۲۸

(۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۶۷

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر چوہا پھولا پھٹا نہ ہو تو ایک روز کی نمازوں کا اعادہ واجب ہوگا اور اگر پھولا پھٹا ہو تو تین روز کی نمازوں کا اعادہ واجب ہوگا، امام صاحب کا قول عبادات میں احتیاط کے پیش نظر استحسان پر مبنی ہے:

وقد عمل الشيخان بهذه القاعدة، فحكما بنجاسة البئر إذا وجدت فيه فارة ميتة من وقت العلم بها غير إعادة شيء، لأن وقوعها حادث فيضاف إلى أقرب أوقاته و خالف الإمام الأعظم فاستحسن إعادة صلاة ثلاثة أيام إن كانت منتفخة أو متفسخة و إلا فمبذ يوم و ليلة عملاً بالسبب الظاهر دون الموهوم احتياطاً۔<sup>(۱)</sup>

## قاعدہ نمبر (۱۱)

الْأَصْلُ فِي الْكَلَامِ الْحَقِيقَةُ۔<sup>(۲)</sup>

کلام میں اصل یہ ہے کہ الفاظ کے حقیقی معنی مراد لیے جائیں۔

### حقیقت کا لغوی معنی

الحقيقة لغة من حق الشيء إذا ثبت۔

حقیقت کا لغوی معنی کسی لفظ کا اپنے اصل مقام پر ثابت و قائم رہنا۔

### حقیقت کا اصطلاحی معنی

اللفظ المستعمل فيما وضع له أي تعين له بحيث يدل عليه بغير

قرينة۔<sup>(۳)</sup>

کسی لفظ کو اس معنی میں استعمال کرنا جس کے لیے اس کو وضع کیا گیا ہو یہ معنی اس لفظ کا ایسا واضح ہو کہ کسی قرینے کے بغیر ہی اس لفظ سے سمجھ میں آجائے۔

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۶۷

(۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۷۲ / كشف الأسرار: باب أفعال النبي صلى الله عليه وسلم، ج ۳ ص ۲۰۳

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۴

## تشریح

لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں حقیقت اور مجاز، جب لفظ بنانے والے نے لفظ بنایا اور اس کا ایک معنی متعین کر دیا تو یہ پہلا متعین کردہ معنی حقیقت کہلاتا ہے لیکن بعد میں وہ لفظ کئی اور معنوں میں استعمال ہونے لگا تو یہ دوسرے معانی مجاز کہلائیں گے، مثلاً لفظ ”سبع“ جس کا حقیقی معنی درندہ ہے مگر ظالم انسان کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو ایسا استعمال مجازاً ہوتا ہے ضابطہ یہ ہے کہ کلام میں جو الفاظ درج ہیں ان کا حقیقی معنی مراد لئے جائیں گے جہاں تک ممکن ہوگا، اور اگر کسی لفظ کا حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہ رہے تو اس کا مجازی معنی مراد لیا جائے گا مثلاً کوئی شخص جنگل میں گیا اور واپس آ کر کہتا ہے کہ ”میں نے ایک درندہ دیکھا“ تو یہاں درندہ کا حقیقی معنی ہی سمجھا جائے گا، اور اگر دو افراد آمنے سامنے بیٹھے ہوں اور ان میں سے ایک کہے ”میرے سامنے درندہ بیٹھا ہے“ تو یہاں درندہ کا حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہیں ہے اس لیے لازماً یہاں مجازی معنی مراد لیا جائے گا۔

## تفریحات

۱..... اگر کسی شخص نے اولاد کے لیے کوئی چیز وقف کی تو اگر اس وقف کرنے والے کی اپنی اولاد موجود ہے تو وقف میں وہی داخل ہوگی، لیکن اگر اپنی حقیقی اولاد موجود نہیں ہے تو پھر (مجازی معنی کی حیثیت میں) پوتا وغیرہ داخل ہوں گے:

فلو وقف علی ولدہ لا یدخل ولد ولدہ ان کان له ولدٌ لصلبہ،

فان لم یکن له ولد لصلبہ استحقہ ولد الابن لأن اسم الولد حقیقۃً

فی ولد الصلب۔<sup>(۱)</sup>

۲..... کوئی شخص زید کی اولاد کے لیے وصیت کرے تو اس وصیت میں زید کی صلبی اولاد

داخل ہوگی، اور اگر صلبی اولاد موجود نہ ہو تو پھر اولاد کی اولاد داخل ہوگی کیونکہ اولاد کا حقیقی

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۵: الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۷۲

معنی انسان کی اپنی صلبی اولاد ہے:

ومثله لو أوصى لولد زيد۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اسی کے جزئیات میں وہ تمام مسائل شامل ہیں جن میں معاملات کی نسبت وکیل کی ذات کی طرف کی جاسکتی ہو، مثلاً کہے میں بیع نہ کروں گا، خریداری نہ کروں گا، اجارے پر نہ دوں گا نہ لون گا، مال کے عوض صلح نہ کروں گا، اپنے لڑکے کو نہ ماروں گا، ان تمام صورتوں میں اس وقت تک حانت نہ ہوگا جب تک بذات خود ان کے خلاف نہ کرے، اگر وکیل بنا کر اس کے خلاف کیا تو قسم کا توڑنے والا نہ سمجھا جائے گا کیونکہ کلام کا حقیقی معنی یہی ہے کہ اپنی ذات سے ایسا نہ کرے اور وکیل کے ذریعہ اس کلام کا مجازی معنی ہے (جب تک حقیقی معنی ممکن ہے مجازی معنی مراد نہ لیا جائے گا):

ومنها لو حلف لا يبيع او لا يشتري او لا يوجر او لا يستأجر او لا يصالح عن مال او لا يقاسم، وهكذا في كل عقد يصح فيه اضافة الوكيل إلى نفسه، او لا يضرب ولده لم يحنث إلا بالمباشرة، ولا يحنث بالتوكيل لانها الحقيقة وهو مجاز إلا أن يكون مثله لا يباشر ذلك الفعل فيحنث بهما وان كان يباشره مرة ويوكل فيه أخرى يعتبر الأغلب۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اگر کسی نے کہا یہ دار زید کے لیے ہے تو یہ اس کے لیے ملک کا اقرار ہے، اس کے بعد اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میری اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا مسکن ہے تو اس کے اس قول و مراد کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ ”الأصل في الكلام الحقيقة“

لو قال هذه الدار لزيد كان إقرار بالملك له حتى لو ادعى أنها

مسكنه لم يقبل<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۵ . الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۷۲

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۵ (۳) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۷۳

۵..... اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ اس بکری میں سے نہیں کھائے گا پس اگر اس نے اس بکری کا گوشت کھایا تو حانت ہو جائے گا اس لیے کہ یہی اس کا حقیقی معنی ہے، اور اگر اس کا دودھ پیا تو حانت نہیں ہوگا اس لیے کہ کلام کے اندر اصل یہی ہے کہ اس کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے:

لو حلف لا يأكل من هذه الشاة حنت بلحمها لأنه الحقيقة دون

لبنها ونتاجها لأنه مجاز۔<sup>(۱)</sup>

۶..... اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ اس گندم کے دانے کو نہیں کھائے گا پس اگر اس نے عین گندم کے دانے کو کھایا تو حانت ہو جائے گا، اور اگر اس کی بنی ہوئی روٹی کھائی تو حانت نہ ہوگا:

لو حلف لا يأكل من هذه الحنطة، فإنه يحنت بأكل عينها

للإمكان فلا يحنت بأكل خبزها۔<sup>(۲)</sup>

۷..... اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ ظہر کی نماز نہیں پڑھے گا تو جب تک وہ چار رکعت نہ پڑھے تو وہ حانت نہیں ہوگا کیونکہ اصل کلام کے اندر حقیقی معنی ہے:

لو حلف لا يصلي الظهر لم يحنت إلا بالأربع۔<sup>(۳)</sup>

۸..... اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں کوئی نماز نہیں پڑھوں گا تو جب تک قعدہ کے ساتھ دو رکعتیں نہ پڑھ لے حانت نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے اس جملے سے ایسی نماز مراد ہوتی ہے جو شرعاً معتبر ہو ایسی نماز کی کم از کم دو رکعتیں ہوتی ہیں اس لیے کہ صرف ایک رکعت (طاق) سے حدیث میں ممانعت منقول ہے:

لو حلف لا يصلي صلاة لا يحنت ما لم يصل ركعتين لأنه يراد به

الصلاة المعتبرة شرعاً وأقلها ركعتان للنهي عن البتراء۔<sup>(۴)</sup>

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۷۳

(۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۷۳

(۳) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۷۴

(۴) الهداية: كتاب الأيمان، باب اليمين في الحج والصلوة والصوم، ج ۲ ص ۲۹۵



## قاعدہ نمبر (۱۲)

لَا عِبْرَةَ بِالذَّلَالَةِ فِي مُقَابَلَةِ التَّصْرِيحِ - (۱)

صراحت کے مقابلے میں کوئی دلالت قابل اعتبار نہ ہوگی۔

تشریح

یعنی جو معنی کسی کلام سے صراحت کے ساتھ سمجھ میں آتا ہو اس کے مقابلے میں اس معنی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جو اس کلام سے دلالت سمجھا جاتا ہو، چنانچہ جس موقع پر مذکورہ ہر دو معنوں میں تعارض ہو وہاں صراحت کے مقابلے میں دلالت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا لیکن اگر تعارض نہ ہو تو پھر وہ معنی جس پر کلام دلالت کر رہا ہے قابل عمل ہوگا جس طرح کہ صریح معنی قابل عمل ہوتا ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَةٌ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ (نساء: ۱۱)

اس آیت میں میت کی والدہ کے لیے ایک تہائی ترکہ مخصوص کر دیا گیا ہے، یہ تخصیص اس امر کا بیان ہے کہ باقی ترکہ کا مستحق باپ ہو جائے گا، حالانکہ آیت (باپ کے کل ترکہ کے استحقاق سے) ساکت ہے، اب اگر آیت میں اس کے خلاف صراحت موجود ہوتی تو اس دلالت کے مقابلے میں وہی قابل اعتبار ہوتی (دلالت کو وہاں ترک کر دیا جاتا) یہی طریقہ ہر اس مقام پر ہوگا جہاں صراحت اور دلالت کا مقابلہ پیش آئے:

وهو قسم من اقسام بيان الضرورة المذكور في الأصول، كقوله تعالى "فان لم يكن له ولدٌ وورثه ابواه فلامه الثلث" تخصیص الأم بالثلث، بیان لكون الأب يستحق الباقي ضرورة مع أنه

(۱) مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۷ - شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثانية عشرة، ص ۱۴۱

مسکوتٌ عنه فلو فرض تصريحٌ بخلاف ذلك يكون اولیٰ من  
الدلالة وهكذا كل صريح مع الدلالة۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... ایک شخص نے کسی کو گھر میں آنے کی اجازت دی، وہاں اس نے گلاس پانی پینے کے لیے رکھا دیکھا تو یہ دلالتِ اجازت ہوگی کہ وہ پانی پی سکتا ہے، اب اگر اس نے گلاس پانی پینے کے لیے اٹھایا اور گلاس ٹوٹ کر گر گیا تو اس پر گلاس کا ضمان عائد نہ ہوگا، لیکن اگر مکان والے نے اس کو مکان میں داخل ہونے کی اجازت تو دے دی مگر یہ بھی کہہ دیا کہ پانی نہ پینا، اس کے بعد بھی اس نے گلاس لے کر پانی پینا شروع کیا اور گلاس ٹوٹ گیا تو گلاس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، چنانچہ جب صراحتِ منع نہ کیا گیا ہو تو شریعت کی طرف سے دلالتِ پانی پینے کی اجازت ثابت ہے اس لیے اس شخص پر ضمان نہ ہوگا، بخلاف اس صورت کہ جبکہ صراحت کے ساتھ منع کیا گیا ہو تو اس وقت یہ صراحت اس دلالت کو باطل کر دے گی اور صراحت کے مقابلے میں دلالت کا حکم مرتب نہ ہوگا:

إذا دخل شخصٌ دار آخر باذنه، فوجد إناء معداً للشرب فهو اذنٌ  
بالشرب دلالة، فإذا أخذ ذلك الإناء ليشرب به فوقع من يده وهو  
يشرب فلا ضمان عليه، وأما إذا أنهاء صاحب الدار عن الشرب ثم  
أخذة ليشرب به فوقع من يده فانكسر ضمن قيمته، ففي صورة  
عدم التصريح بالنهي هو مأذون شرعاً بالدلالة، والجواز الشرعي  
ينافي الضمان، بخلاف التصريح بالنهي فانه يعدم الدلالة فلا  
حكم لها في مقابله۔<sup>(۲)</sup>

۲..... ہمارے ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک عاریت پر لینے والا (کسی دوسرے کو)

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۸

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۸

عاریت پر دینے کا حق رکھتا ہے، لیکن اگر مالک کی طرف سے (مزید) عاریت پر دینے کی صراحتہ ممانعت کر دی گئی ہو تو اب اس کو (دوسرے کو) عاریت پر دینے کا حق حاصل نہ ہوگا:

والمستعير يملك الا عارة في الجملة عند ائمتنا، فاذا انهاه صريحاً

عن الا عارة لا يملكها۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اگر ایک شخص نے اپنی کنیز کو تجارت کی اجازت دے دی ہو اور پھر یہ شخص اس کو اپنی ام ولد بنا لے (یعنی اس سے آقا کا بچہ پیدا ہو جائے) تو یہ عمل دلالتاً اس کنیز کے لیے تجارت سے ممانعت قرار پائے گا، اس لیے کہ تجارت کے سلسلہ میں اس کنیز کو بازار آنے جانے کی ضرورت پیش آتی رہے گی اور ام ولد کنیزوں کو عادتاً باہر نکلنے سے روک دیا جاتا تھا، لہذا آقا کا یہ عمل (اولاد کا پیدا کرنا) دلالتاً ممانعت کر دینا تصور کیا جائے گا، اب اگر اس کے بعد صراحتہ اجازت دے دی گئی ہو تو اب دلالت ناقابل اعتبار ہوگی، اور کنیز صاحب اجازت متصور ہوگی کیونکہ صراحت دلالت سے قوی ہوتی ہے:

وإذا كان لرجل جارياً مآذونةً بالتجارة فاستولدها في الاستحسان

هو حجرٌ لها دلالة، قال في البدائع: لأن التجارة لا بدلها من

الخروج إلى الأسواق وأمهات الأولاد ممنوعاتٌ عن الخروج في

العادات، فكان الاستيلاد حجراً دلالةً فإذا صرح بالاذن تبقى

مآذونة لأن الصريح أقوى من الدلالة۔<sup>(۲)</sup>

۴..... اگر ایک دائن نے اپنے مدیون کو قرض سے سبکدوش کیا اور مدیون اس موقع پر خاموش رہا یہ بری الذمہ ہو جائے گا، لیکن اگر صراحت کے ساتھ رد کر دیا تو سبکدوشی رد ہو جائے گی، دین ذمہ پر بدستور قائم رہے گا مدیون کا سکوت دلالتاً قبول تھا، لیکن رد کر دینا صراحتہ عدم قبول ہے اور صراحت دلالت سے قوی ہوتی ہے:

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۸

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۸

ولو ابرا مديونه فسكت يبرا، ولو رده ارتد لأن السكوت قبول

للابراء دلالة، والرد عدمه صريحاً فهو أقوى۔<sup>(۱)</sup>

۵..... بائع کو بیع کی قیمت وصول کرنے کے لیے بیع کو اپنے پاس روک لینے کا حق

حاصل ہے، اگر خریدار نے بائع کے رو برو بیع پر قبضہ کیا اور بائع خاموشی سے دیکھتا رہا یہ خاموشی قبضہ کی (دلالت) اجازت ہوگی، لیکن اگر منع کر دیا تو اس صراحت کے مقابلے میں وہ دلالت کا اذن قابل اعتبار نہ رہے گا کیونکہ صراحت دلالت سے قوی ہوتی ہے:

وللبائع حبس المبيع لقبض ثمنه، فلو قبضه المشتري وراء البائع،

وسكت كان اذناً بالقبض ولو نهاه فلا، لأن الصريح أقوى من

الدلالة۔<sup>(۲)</sup>

۶..... اگر باپ نے اپنی بالغ لڑکی کے مہر پر قبضہ کیا اور لڑکی نے اس وقت خاموشی

اختیار کی اس کی خاموشی قبضہ کی اجازت ہوگی اور شوہر مہر سے بری الذمہ ہو جائے گا، لیکن اگر لڑکی نے صراحت کے ساتھ منع کر دیا تو نہ قبضہ جائز ہوگا اور نہ شوہر ادائیگی مہر سے بری الذمہ ہوگا:

ولو قبض الأب مهر ابنته البالغة من الزوج فسكتت كان سكوتها

اذناً بالقبض، ويبرا الزوج، ولو صرحت بالنهي لا يجوز القبض

عليها ولا يبرا الزوج۔<sup>(۳)</sup>

۷..... اگر ایک شخص نے اپنی جائیداد فروخت کی اس وقت اس شخص کی زوجہ اور اولاد

و دیگر اقارب موجود تھے اور خاموش رہے، اس کے بعد ان حاضرین میں سے کسی فرد نے مشتری پر اس جائیداد کا دعویٰ کیا تو یہ دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا:

ولو باع عقاراً وامراته او ولده او بعض اقاربه حاضر فسكت، ثم

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۹

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۹

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۹

أن الساكت الحاضر وقت البيع ادعاه على المشتري لا تسمع  
دعواه۔ (۱)

۸..... اگر بائع نے تھال میں چند اشیاء رکھ کر لوگوں سے کہا کہ وہ دیکھیں اور خریدیں، تو کسی نے ان میں سے ایک چیز دیکھنے کے لیے اٹھائی اور بائع نے منع بھی نہیں کیا، بعد میں اتفاقاً بغیر کسی غلطی اور ارادے کے وہ چیز ٹوٹ گئی تو خریدار پر تاوان واجب نہیں ہوگا، ہاں اگر بائع کوئی چیز ہاتھ میں اٹھانے سے منع کر دیتا پھر بھی خریدار اٹھالیتا تو چوں کہ صراحتاً اجازت نہیں تھی اس لیے خریدار ضامن ہوتا اس کو تاوان ادا کرنا ہوتا، چاہے چیز کے توڑنے میں اس کا قصور نہ بھی ہو یعنی وہ چیز اٹھا کر دیکھ رہا تھا دوسرے شخص نے گزرتے ہوئے اس کو کندھا مارا وہ چیز گر کر ٹوٹ گئی تو بھی عدم اجازت کی صورت میں خریدار ضامن ہوگا، خریدار یہ نہ کہہ سکے گا کہ بائع نے جب یہ چیزیں سجا کر رکھی ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ اس نے دیکھنے کی اجازت دی ہے، اس لیے کہ ہاتھ میں اٹھا کر دیکھنے سے منع کی صراحت موجود ہے اس لیے قرائن اور اشارات اس صراحت کے مقابلے میں معتبر نہیں ہوں گے۔

### قاعدہ نمبر (۱۳)

لَا مَسَافَةَ لِلْإِجْتِهَادِ فِي مَوْرِدِ النَّصِّ۔ (۲)  
جہاں نص موجود ہو وہاں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

### اجتہاد کا لغوی معنی

اپنی تمام تر قوت کے ساتھ اپنی تمام تر کوششوں کو کسی فعل کے انجام دینے میں صرف کرنا، اور یہ صرف اس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جہاں کسی فعل کے کرنے میں مشقت

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۹

(۲) مجلة الأحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۷ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثالثة عشرة، ص ۱۳۷

اٹھانی پڑے، چنانچہ چکی کا پاٹ اٹھانے کے موقع پر کہا جاسکے گا ”اجتہد فی حملہ“ میں نے اس کے اٹھانے میں بڑی محنت کی لیکن رائی کا دانہ اٹھاتے وقت ”اجتہد“ استعمال نہیں کیا جاسکتا:

الاجتہاد لغة عبارة عن بذل المجهود واستفراغ الوسع في فعل من الافعال ولا يستعمل إلا بما فيه كلفة وجهد فيقال اجتهد في حمل حجر الرحي ولا يقال اجتهد في حمل خردلة۔<sup>(۱)</sup>

### اجتہاد کا اصطلاحی معنی

احکام شرعیہ کے دریافت اور استنباط و استخراج میں پوری محنت اور جدوجہد اس طرح صرف کرنا کہ اس سے زیادہ محنت کرنے میں انسان اپنے آپ کو بے بس اور مجبور محسوس کرے:

الاجتہاد التام ان يبذل الوسع في الطلب بحيث يحس من نفسه العجز عن مزيد طلب۔<sup>(۲)</sup>

### اجتہاد کا حکم

و اما حكمه فهو غلبة الظن بالحكم مع احتمال الخطاء۔<sup>(۳)</sup>

مجتہد کو تمام مسائل کا علم ہونا شرط نہیں

مجتہد کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اسے ہر مسئلہ کا علم ہو، امام مالک رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ) سے ۴۰ سوال پوچھے گئے آپ نے ۳۶ کے جواب میں ”لا ادری“ فرمایا، بہت سے مسائل کے جواب میں امام شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) نے ”لا ادری“ فرمایا، بہت سے ایسے مسائل موجود ہیں جن میں خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے توقف کیا یہاں تک

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۰ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۰

(۳) البحر الرائق: كتاب القضاء، الفاسق يصلح مفتياً، ج ۶ ص ۲۸۸



کہ بعض علماء نے فرمایا جو شخص ہر ہر مسئلے کا جواب دے سمجھ لو وہ مجنون ہے:

ولیس من شرط المجتہد ان یکون عالماً بكل مسألة ترد علیہ  
فقد سئل مالک عن اربعین مسألة فقد قال فی ست وثلاثین لا  
أدری، وکثیراً ما یقول الشافعی لا أدری، توقف کثیر من الصحابة  
فی مسائل وقال بعضهم من أفتی فی کل ما سئل عنه فهو  
مجنون۔<sup>(۱)</sup>

کن مسائل میں اجتہاد جائز ہے

ہر وہ مسئلہ جس میں شارع کی طرف سے نص موجود ہو تو مجتہد کے لیے اس میں اجتہاد  
کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ فرعی احکام میں اجتہاد یا قیاس کے جواز کے لیے شرط یہ ہے  
کہ شارع کی طرف سے کوئی نص موجود نہ ہو:

کنل مسألة ورد فیها نص من الشارع لا یجوز للمجتہدین ان  
یجتهدوا فیها لأن جواز الاجتہاد او القیاس فی الفروع من  
الأحكام مشروط بعدم وجود نص من الشارع۔<sup>(۲)</sup>

## تفریعات

- ۱..... جن احکامات شرعیہ کے متعلق کتاب اللہ، سنت متواترہ، مشہورہ یا خبر واحد موجود  
ہوگی ان احکامات شرعیہ کے خلاف کوئی ایسا اجتہاد جو ان کے معارض ہو قبول نہیں کیا جائے گا۔  
مثلاً حرمت ربا کے بارے میں ”وَاحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا“ صریح نص وارد  
ہے لہذا حرمت ربا والے حکم شرعی کے خلاف ربا کی حلت کا اجتہاد جائز نہیں ہے۔
- ۲..... صریح حدیث موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مدعی کے

(۱) البحر المحیط فی اصول الفقہ: مباحث الاجتہاد، ج ۸ ص ۲۳۸

(۲) درر الحکام شرح مجلة الأحکام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۳۲

ذمے گواہ پیش کرنا اور مدعی علیہ کے ذمے قسم کھانا ہے، اب کسی مجتہد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے برخلاف اجتہاد کر کے کہے کہ مدعی کے ذمے قسم کھانا اور مدعی علیہ کے ذمے گواہ پیش کرنا ہے ایسے اجتہاد کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ صریح نص موجود ہے۔

قد نص الحدیث الشریف أن البينة علی المدعی والیمن علی من انکر فبعد وجود هذا النص الصریح لا يجوز لأحد المجتهدین أن یجتهد بخلافه ویقول بحکم یناقضه كأن یقول فی هذه المسألة یجوز سماع البينة من المنکر أو أن الیمن علی المدعی۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اس طرح ”وَلِذَا كَرِهْتُمُوهُنَّ لَمْ تَكُنَّ فِي حِلِّ الْأُنثِيَّاتِ“ صریح نص ہے مؤنث کے مقابلے میں مذکر کے حصہ کے دوگنا ہونے پر، لہذا اس کے مقابلے میں مذکر کی میراث کو مؤنث کی میراث کے برابر قرار دینے کا اجتہاد جائز نہیں ہے کیونکہ اجتہاد کا جواز مقید ہے عدم وجود نص کے ساتھ۔

۴..... قرآن کریم میں صریح نص موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اب کسی مجتہد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس بارے میں اجتہاد کرے کہ آیا بیع حلال ہے یا حرام، اس لیے کہ جب صریح نص موجود ہے کہ ”أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ“ اب اس کے مقابلے میں اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے:

لا يجوز للمجتهد أن یجتهد فی هل البیع حلال أم حرام بعد ورود النص الصریح فی ذلك فی القرآن الکریم وهو قوله أحل الله البیع۔<sup>(۲)</sup>

۵..... قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے غیر شادی شدہ زنا کرنے والے مرد اور عورت کے متعلق فرمایا کہ انہیں سو کوڑے لگائے جائیں اب کسی کے لیے ان کوڑوں کی تعداد کے

(۱) درر الحکام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۳۳ (۲) درر الحکام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۳۳

متعلق اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے کہ زانیہ مرد یا عورت کو کتے کوڑے مارے جائیں۔ اس طرح وہ تمام سزائیں اور کفارات جن کی شریعت نے کوئی حد مقرر کی:

ولا مجال للاجتہاد فی الوقائع اللتی تطبق فیہا، فقی قولہ تعالیٰ  
الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائة جلدۃ لا مجال  
للاجتہاد فی عدد الجلدات وكذلك فی کل عقوبۃ او كفارة  
مقدرة۔<sup>(۱)</sup>

۶..... جوئے کی ممانعت نص صریح سے ثابت ہے، اب کوئی نص کے مقابلے میں اجتہاد کر کے جوئے کے جواز کو ثابت کرے تو شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

### قاعدہ نمبر (۱۴)

مَا ثَبَّتَ عَلَىٰ خِلَافِ الْقِيَاسِ فَغَيْرُهُ عَلَيْهِ لَا يَقَاسُ۔<sup>(۲)</sup>  
جس امر کا خلاف قیاس ہونا ثابت ہو ایسے امر پر کسی دوسرے کو قیاس نہیں کیا  
جاسکتا۔

### قیاس کا لغوی، اصطلاحی معنی

قیاس کا لغوی معنی اندازہ کرنا، اور اصطلاحی معنی دو اشیاء میں کسی ایک علت کے مثل  
دوسری شئی میں علت کو دیکھتے ہوئے اس پر وہی حکم لگانا:

القیاس لغة التقدير وفي اصطلاح الشرع إبانة مثل حکم أحد  
المذكورين بمثل علته في الآخر۔<sup>(۳)</sup>

(۱) علم أصول الفقہ: القسم الرابع، القاعدة الثالثة، ص ۲۱۶

(۲) مجلة أحكام العدلیة: المقالة الثانية، ص ۱۷ شرح القواعد الفقہیة: القاعدة الرابعة عشرة،  
ص ۱۵۱

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲

## تفریعات

۱..... مثلاً (روزے کی حالت میں ایک شخص) بھول کر کھاپی لے اس کے روزے کا نہ ٹوٹنا خلاف قیاس ہے، کیونکہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ جو چیز باہر سے انسان کے پیٹ میں پہنچے اس سے روزہ فاسد ہو جانا چاہیے، چونکہ یہ حکم (عدم فساد کا) قیاس کے طریقہ سے خارج ہے لہذا اس پر کسی دوسرے (ایسے واقعہ) کو مثلاً غلطی سے کھاپی لینے کو قیاس کرنا جائز نہ ہوگا:

كأكل الناسي، فإنه مستثنى عن سنن القياس وهو تحقق الفطر من كل ما دخل في الجوف وإذا كان مستثنى من سننه لا يصح القياس عليه، فلا يصح قياس الأكل خطأ على الأكل ناسياً، فهذه المواضع لا يجوز أن يقاس عليها ويتعداها الحكم إلى غيرها۔<sup>(۱)</sup>

۲..... عقد اجارہ جس کا (جواز) قرآن کی اس آیت میں منصوص ہے ”علی ان تأجرنی ثمانی حجج“ چنانچہ منافع کے قیمتی ہونے کا حکم خارج از قیاس ہے، قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ منافع کا اجارہ صحیح نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس سے منافع کی بیع لازم آتی ہے اور منافع غیر موجود وغیر محفوظ اشیاء میں سے ہیں اور ایسی اشیاء کو قابل قیمت نہیں قرار دیا جاتا کہ ان کی بیع جائز ہو لیکن بندوں کی سہولت کے لیے اس کو شرع نے جائز قرار دیا ہے، چونکہ اجارے میں ان منافع کی بیع کے جواز کا حکم قیاس کے مخالف ہے اس لیے کسی دوسرے محل پر یہ حکم نہیں دیا جائے گا:

عقد الاجارة منصوص عليه في القرآن على ان تأجرني ثمانی حجج وهو خارج عن القياس لأن القياس يقتضي عدم صحة الاجارة، لكونها بيع المنافع وهي معدومة غير محرزة، وغير المحرزة لا مالية له، وماليس بمال لا يقوم ومالا يقوم لا يجوز

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۴۲

بیعہ، لكنها شرعت تسهیلًا للعباد فحيث كان بيع المنافع في

الاجارة على خلاف القياس لا يقاس عليها۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اسی طرح بیع سلم جس میں ایک عوض (قیمت) فوری ادا کرنا ہوتا ہے اور دوسرا عوض بیع (مال) کی ادائیگی آئندہ کے وعدے پر ہوتی ہے بیع کے وقت مال موجود نہیں ہوتا مخصوص شرائط کے ساتھ شرعاً جائز ہے، حالانکہ یہ اس شرعی قاعدے کے مخالف ہے کہ بیع اس وقت صحیح ہوتی ہے جبکہ بیع بائع کی مملوکہ موجود ہو اور اس کے سپرد کردینے پر بائع کو قدرت حاصل ہو، چنانچہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ولا تبیع مالیس عندک۔ یعنی ایسی شئی کو فروخت نہ کرو جو تمہارے پاس موجود نہ ہو، لیکن اس حدیث کے مقابلے میں صحاح ستہ کی یہ حدیث بھی موجود ہے ”من أسلم في شيء فليسلم في كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم“ یعنی جو شخص بیع سلم کا عقد کرے اس میں بیع متعین کر کے اس کا ناپ و وزن اور ادائیگی کا وقت معین ہونا چاہیے، چنانچہ اس بیع سلم کے اندر باوجود بیع معدوم ہونے کے اس کے جواز میں نص حدیث موجود ہے:

كذلك السلم هو بيع آجل بعاجل بشرائط مخصوصة، وهو بيع الانسان ما ليس عنده، مخالف للقاعدة الشرعية في أن جواز البيع يقتضى محلاً مملوكاً للبائع موجوداً مقدور التسليم حال العقد لما في السنن الأربع عنه صلى الله عليه وسلم: ولا تبع ما ليس عندك، لكن ورد في مقابلة ذلك ما في رواية الستة: من أسلم في شيء فليسلم في كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم، فبيع المعدوم ورد في السلم بنص الحديث۔<sup>(۲)</sup>

۴..... اور کسی دستکار کو دستکاری کے لیے اجرت پر لینے کا جواز اجماع سے ثابت ہے:

وفي الاستصناع بالاجماء، وكلاهما على خلاف القياس فهذا

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۴۳ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۴۳

الحکم لا یتعدا ہما إلی غیر ہما بالقیاس۔<sup>(۱)</sup>

۵..... حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی تنہا شہادت کا قبول کیا جانا، چنانچہ یہ فرد واحد کی شہادت کا مقبول ہونا حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی جس کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

من شہد له خذیمة فهو حسبہ۔

یعنی جس کے حق میں صرف خزیمہ شہادت دیں اس کے لیے یہ شہادت کافی ہوگی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایک شہادت کو دو شخصوں کی شہادت کے مساوی قرار دیا جو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی عزت و کرامت اور خصوصیت کی بناء پر تھی، حالانکہ کتاب اللہ نے عام انسانوں کے حق میں تعداد کی شرط لگائی ہے۔

قبول شہادۃ خذیمة وحده فأنه مخصوص بقوله علیہ السلام : من شہد له خذیمة فهو حسبہ جعل صلی اللہ علیہ وسلم شہادته شہادۃ رجلین کرامةً وخصوصیۃ، مع ان النص أوجب اشتراط العدد فی حق العامة۔<sup>(۲)</sup>

۶..... اور ان احکام شرع کی مثال جن کی علل معلوم کرنے میں عقل کو دخل ہی نہیں نماز کی تعداد رکعات، طواف کی تعداد، زکوٰۃ میں سونے چاندی کی مقررہ مقدار وغیرہ ہیں، ان پر کسی شے کو اس لیے قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی علتیں خارج از قیاس ہیں:

ومثال ما لا یعقل معناه: القاعدة المستقلة المستفتحة كأعداد الركعات فی الصلاة من المكتوبات والواجبات والمندوبات، وأعداد الأشواط فی الطواف، ومقادیر الزکوٰۃ من ربع العشر فی النقدين وغیرہ فی غیرہما من الأموال، فهذا القسم أيضا لا یقاس علیہ لعدم أدراک علتہ التي یعدی بہا مثل الحکم إلی غیرہ۔<sup>(۳)</sup>

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۴۳

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۴۳

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۴۳



۷..... بعض دفعہ کسی خاص حالت میں کوئی ایسی بات واقع ہوتی ہے جو عام حالتوں میں واقع نہیں ہوتی، مثلاً دو بچیاں جڑواں پیدا ہوئیں اور وہ پشت پر سے یا پہلو سے اس طرح جڑی ہوئیں ہیں کہ علیحدہ کرنے پر دونوں کا مرنا یقینی ہو، تو ان دونوں بہنوں کو ایک ہی مرد سے شادی کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، یہ بات اس امر کی دلیل نہیں بن سکتی کہ دو بہنوں کو ایک مرد کے نکاح میں رکھا جاسکتا ہے کیونکہ یہ خلاف قیاس ہے۔

۸..... موزہ پر مسح کرنا خلاف قیاس ثابت ہے لہذا کسی اور چیز کو اس پر قیاس نہیں کیا

جائے گا:

لا شك أن المسح على الخف على خلاف القياس فلا يصح إلحاق

غيره به۔<sup>(۱)</sup>

## قاعدہ نمبر (۱۵)

الْإِجْتِهَادُ لَا يَنْقُضُ بِمِثْلِهِ۔<sup>(۲)</sup>

ایک اجتہاد کے ذریعے دوسرے اجتہاد کو باطل نہیں کیا جاسکتا۔

ماخذ

اس کا ماخذ اجماع اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ہے، چنانچہ بہت سے مسائل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ فرمایا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ورائے اس کے خلاف تھی اس کے باوجود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کسی فیصلے کو نہیں توڑا:

ود ليلها الإجماع وقد حكم أبو بكر رضي الله عنه في مسائل و

خالفه عمر رضي الله عنه فيها ولم ينقض حكمه۔<sup>(۳)</sup>

(۱) فتح القدير: كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، ج ۱ ص ۱۵۷

(۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۱۰۵ / مجلة الأحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۸

(۳) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۱۰۵

## تشریح

جب کوئی واقعہ رونما ہو اور کوئی معاملہ زیر بحث لایا گیا، دوران بحث اور دوران تحقیق جو حالات اور شہادتیں سامنے آئیں ان کے پیش نظر عدلیہ نے یا مجتہد نے کوئی فیصلہ دیا، اور پھر بعد میں اس جیسے معاملہ پر غور کرتے وقت ایسے دلائل سامنے آئے کہ اس کا فیصلہ پہلے فیصلے کے برعکس کرنا پڑا تو اس برعکس فیصلے کی وجہ سے پہلا فیصلہ منسوخ نہیں ہوگا، اگر ایسا کیا جائے تو معاشرتی زندگی بے شمار الجھنوں کا شکار ہو کر رہ جائے گی لہذا جو دلائل سامنے تھے ان کی روشنی میں فیصلے کیے گئے ان حادثات اور معاملات میں بھی جو بعد میں آئے وہی فیصلے نافذ العمل ہوں گے، اگر بعد میں کیے جانے والے فیصلے کے پیش نظر پہلے والے فیصلے منسوخ کر دیئے جائیں تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا اور مسائل و مشکلات کی شدت زندگی کو غیر متوازن بنا دے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مقدمے میں ایک فیصلہ دیا مگر بعد میں اس جیسے دوسرے مقدمے میں پہلے فیصلے کے برعکس فیصلہ دیا، اور جب انہیں بتلایا گیا کہ یہ فیصلہ پہلے فیصلے کے خلاف ہے تو انہوں نے فرمایا: ”تلك كما قضينا وهذه كما نقضى“ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ مثال بن چکا ہے، جس سے یہ قاعدہ کلیہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ایک ہی حج یا مجتہد مختلف اوقات میں ایک جیسے معاملے پر دو مختلف فیصلے دے تو دونوں فیصلے اپنی اپنی جگہ نافذ العمل ہوں گے:

روی عن عمر رضی اللہ عنہ انه قضی فی حادثة بقضية ثم قضی

فیہا بخلاف ذلك فقیل فی ذلك فقال تلك كما قضينا وهذه كما

نقضی وقد جرت هذه الكلمة العمریة مجری المثل۔<sup>(۱)</sup>

اور اگر دو حج یا مجتہد ایک جیسے معاملات پر مختلف فیصلے صادر کریں تو بھی دونوں فیصلے

(۱) غمز عبون البصائر: الفن الاول، ج ۱ ص ۳۲۸

اپنی اپنی جگہ پر درست سمجھے جائیں گے اور دونوں حضرات کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کے فیصلے کا احترام کریں، اس لیے کہ حتمی طور پر کسی بھی فیصلے کے لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہی بالکل برحق اور صحیح ہے۔

اجتہادی معاملات میں ہر مجتہد اپنا اجتہاد کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اجتہاد میں صحیح ہو، ساتھ ہی یہ بھی امکان ہوتا ہے کہ وہ اپنے اجتہاد میں غلطی پر ہو۔

یہ مقام صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ وہ جو فیصلہ فرمائیں وہ ہر حال میں صحیح اور برحق ہوتا ہے اور اس کا ماننا ایمان کا بنیادی تقاضا ہوتا ہے۔

## تفریعات

۱..... قبلہ نامعلوم ہونے کی صورت میں جب کوئی شخص اپنی عقلی جدوجہد سے کسی ایک سمت کو قبلہ تصور کر لے اس کے بعد پھر کوئی دوسری سمت کی طرف اس کی رائے (منقول ہو جائے) تو وہ دوسری اجتہادی رائے پر عمل کرے گا، لیکن اول رائے اس ثانی پر عمل کرنے سے باطل نہ ہوگی اس لیے کہ ایک اجتہاد دوسرے کو باطل نہیں کرتا (اول کا حکم اپنے مقام پر قائم رہے گا) حتیٰ کہ اگر چار رکعت کی نماز چار سمت کی طرف (چار تہری) سے ادا کی تو اس پر اس نماز کی قضا واجب نہ ہوگی:

تغیر اجتہادہ فی القبلة عمل بالثانی ای ولا يبطل الأول لأن

الاجتہاد لا ینقض بمثلہ، حتی لو صلی أربع رکعات إلی أربع جهات

بالاجتہاد فلا قضاء۔<sup>(۱)</sup>

۲..... دو ایسے کپڑے جن میں ایک نجس اور دوسرا پاک ہو، اور دونوں اس طرح مخلوط ہو گئے کہ دونوں میں امتیاز نہ رہا اور پاک کپڑے کے انتخاب میں اجتہاد کر کے ایک کپڑے کو پاک قرار دے کر نماز ادا کر لی، اس کے بعد اس کا اجتہادی انتخاب دوسرے کپڑے کے

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۷؛ الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۱۰۵

حق میں قائم ہو، اب یہ ثانی اجتہاد قابل اعتبار نہ ہوگا اس لیے کہ ایک اجتہاد کو دوسرا اجتہاد باطل نہیں کر سکتا:

ومنها التحری فی ثوبین أحدهما نجس، فتحری بأحدهما وصلی  
ثم وقع تحریه علی طهارة الآخر لم يعتبر الثانی لأن الاجتهاد لا  
ینقض بمثله۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اگر کوئی قاضی کسی فاسق شخص کی شہادت کو اس کے فسق کی بناء پر رد کر دے اس کے بعد یہ شخص توبہ کر کے اس شہادت کا اعادہ کرے تب بھی یہ شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ اس طرح پہلے فیصلے کو منسوخ کرنا پڑے گا، اور اصول ہے کہ الاجتہاد لا ینقض بمثله۔

لو حکم القاضی برد شهادة الفاسق ثم تاب فأعادها لم تقبل وعلله  
بعضهم بأن قبول شهادته بعد التوبة يتضمن نقض الاجتهاد  
بالاجتهاد۔<sup>(۲)</sup>

۴..... اگر قاضی کسی امر پر ایک فیصلہ کرے اور اس کے بعد اس کا اجتہاد تبدیل ہو جائے اور اس امر کے بارے میں کوئی دوسرا فیصلہ کر لے تو پہلا فیصلہ منسوخ نہ ہوگا مستقبل میں دوسرے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا:

لو حکم الحاکم بشیء ثم تغیر اجتهاده لا ینقض الأول ویحکم  
بالمستقبل بما رآه ثانیاً۔<sup>(۳)</sup>

پہلا فیصلہ بھی درست ہے صاحب ہدایہ نے اس کی یہ دلیل بیان کی ہے:

لان اجتهاد الثانی کا جتہاد الأول وقد یرجع الأول باتصال  
القضاء به فلا ینقض بما هو دونہ۔<sup>(۴)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۴۷ (۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۱۰۶

(۳) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۱۰۶

(۴) الهدایة: باب کتاب القاضی الی القاضی، فصل، ج ۳ ص ۱۴۹

دوسرا اجتہاد اور پہلا اجتہاد دونوں برابر ہیں لیکن پہلے اجتہاد کو فیصلہ اور قضاء کی تقویت حاصل ہوگئی اس لیے وہ اپنی جگہ درست ہے، پس وہ دوسرے اجتہاد کی وجہ سے نہیں ٹوٹے گا۔

## قاعدہ نمبر (۱۶)

المُشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِيرَ - (۱)

مشقت آسانی کو لاتی ہے۔

ماخذ

قاعدے کا اصل مقصود انسانوں کے لیے آسانی اور سہولت اختیار کرنا ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (۲)

اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے تمہارے لیے آسانی کا اور نہیں ارادہ کرتا تمہارے لیے تنگی کا۔

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ - (۳)

اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر آسانی کا ارادہ کرتے ہیں۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ - (۴)

اللہ نے تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن الدين يسر ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه - (۵)

دین میں آسانی ہے جو شخص دین میں شدت اختیار کرتا ہے دین اس پر غالب آجاتا ہے۔

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۷۷ / رد المحتار: كتاب الطهارة، باب المياہ، ج ۱ ص ۱۸۹

(۲) البقرة: ۱۸۵

(۳) الحج: ۷۸

(۴) النساء: ۲۸

(۵) صحيح بخاری: كتاب الايمان، باب: الدين يسر، ج ۱ ص ۱۶، رقم الحديث: ۳۹

## مشقت کی اقسام

مشقت کی دو قسمیں ہیں: ۱..... حقیقی مشقت - ۲..... وہی مشقت -

۱..... حقیقی مشقت: اس سے مراد ایسی مشقت ہے جو یا تو واقعی موجود ہو یا مستند تجربہ کار طبیب کی رائے پر اعتماد کرتے ہوئے ظن غالب ہو کہ مشقت کا وقوع واقعی ہوگا، اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص سفر پر جا رہا ہے تو وہ مشقت کو تصور کرتے ہوئے روزہ چھوڑ سکتا ہے یا ایک شخص مریض ہے اور تجربہ کار مستند طبیب کی رائے کے مطابق روزہ رکھنا اس کے لیے نقصان دہ ہے اور روزے کی وجہ سے اس کو انتہائی تکلیف اٹھانی پڑے گی تو ایسی حالت میں شارع کی طرف سے دی گئی رخصت سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے۔

۲..... وہی مشقت: شارع نے جن اسباب و علتوں کا اعتبار کر کے رخصت و سہولت مہیا کی ہے وہ عادتہ تو موجود ہوں لیکن فی الحال نہ پائی جا رہی ہوں ایسی صورت میں ان کا اعتبار نہ ہوگا اور ایسی وجوہ کی وجہ سے رخصت و سہولت کی اجازت نہ ہوگی، مثلاً عورتوں کے لیے ہر ماہ مخصوص دنوں میں اس وقت تک رخصت و سہولت کے احکام لاگو نہ ہوں گے جب تک کہ حقیقتاً حیض کی علامت ظاہر نہ ہو، محض اندازے سے یا عادت کے طور پر رخصت حاصل نہ ہوگی جب تک کہ علامت ظاہر نہ ہو جائے، علامت کے ظاہر ہونے پر ہی اس سہولت و رخصت سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔

## اسبابِ مشقت

۱..... مرض: جب انسان کی صحت اعتدال پر نہ رہے تو مریض کہلاتا ہے، مرض کی حالت میں اس کی شدت کے لحاظ سے نماز بیٹھ کر یا اشاروں سے پڑھی جاسکتی ہے، اسی طرح شدت مرض میں روزہ افطار کرنے کی اجازت شریعت نے دی ہے۔

۲..... سفر: حالت سفر میں نماز کو قصر کرنے اور روزے کو افطار کرنے کی شرعاً اجازت ہے، حالت سفر میں اس رخصت اور سہولت کا آدمی فائدہ اٹھا سکتا ہے، اس مشقت کا شرعاً اعتبار کیا گیا ہے۔



۳..... نسیان: روزے کی حالت میں بھول کر کچھ کھاپی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ معاملات میں تاوان دینا پڑے گا، مثلاً بھولے سے کسی کا مال تلف ہو جائے تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

۴..... اکراہ: حالت اکراہ میں جان بچانے کے لیے اطمینان قلب کی حالت میں زبان سے کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے ایسے ہی ممنوع اشیاء جان بچانے کی خاطر استعمال کرنے کی بھی اجازت ہے۔

۵..... عمر: مالی تنگی ہونے کی صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

۶..... نقص: عورتوں سے جہاد اور جمعہ کی فرضیت کا ساقط ہونا۔

۷..... عموم بلوئی: جب تنگی اور عام مسیبت میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس وجہ سے بھی احکام میں سہولت پیدا کر دی جاتی ہے۔

مثلاً بارش ہونے کی صورت میں باجماعت نماز کے ترک کی اجازت، ایک سال میں صرف ایک ماہ کے روزوں کی فرضیت، عمر میں صرف ایک بار حج، حائضہ کے لیے نماز کی قضاء کا اسقاط، ایک مقررہ حصے کی زکوٰۃ کی فرضیت، بیع الوفاء، بیع سلم، عیب کی صورت میں بیع کی واپسی، تحالف، اقالہ، حوالہ، وکالت، اجازت، مزارعت، مساقات، مضاربت، عاریت، چار عورتوں سے نکاح کی اجازت، مجتہد سے گناہ کا اسقاط۔

۸..... جہل: عبادات میں کسی مسئلے سے لاعلمی معافی کی وجہ بن سکتی ہے البتہ

معاملات میں کسی قانون سے لاعلمی قانون شکنی کا جواز نہیں بن سکتی۔ تفصیلاً دیکھئے: (۱)

تخفیف و رخصت

تخفیف کا معنی بوجھ کم کرنا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ - (۲)

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ کم کر دیں۔

(۲) النساء: ۲۸

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۷۷ تا ۸۳

تخفیف کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی بھی عمل کی انجام دہی میں مشقت کا کم ہونا تاکہ وہ سہولت سے انجام دیا جاسکے، اور رخصت کے معنی ہیں کہ کسی کام میں آسانی کا پیدا کرنا، فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اس کی تعبیریوں کی ہے کہ کسی حکم اصل میں اس طرح مناسب تبدیلی کرنا جس سے وہ حکم آسان ہو جائے۔

امام بزدوی رحمہ اللہ (متوفی ۷۳۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ کسی عذر کی بناء پر مکلف کے لیے وسعت مہیا کرنا جبکہ حرمت کا سبب بھی قائم رہے رخصت کہلاتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں رخصت آسانی اور سہولت سے عبارت ہے: الرخصة عبارة عن اليسر والسهولة۔ تفصیلی مباحث کے لیے دیکھئے: (۱)

## تخفیف کی اقسام

۱..... تخفیف اسقاط: یعنی کسی عمل کو ساقط کر دینا مثلاً کسی عذر کی بناء پر نماز جمعہ، نماز باجماعت، سفر کی وجہ سے روزہ، ایسے ہی خطرناک راستے کی وجہ سے حج وغیرہ کے عمل کا ساقط ہونا۔

۲..... تخفیف تنقیص: یعنی کسی عمل کو کم کرنا مثلاً سفر کی وجہ سے نماز کا قصر کرنا۔

۳..... تخفیف ابدال: ایک فعل کی جگہ دوسرا فعل مقرر کر دینا، مثلاً پانی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے یا مرض کی وجہ سے وضو کی جگہ تیمم کا ہونا، مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے نماز کھڑے ہونے کی بجائے بیٹھ کر پڑھنا، اور ایسے ہی رمضان کے روزوں کا فدیہ دینا وغیرہ۔

۴..... تخفیف تقدیم: کسی فعل کا اپنے وقت سے پہلے انجام دینا، مثلاً زکوٰۃ کی ادائیگی سال کے مکمل ہونے سے قبل ادا کرنا، جمع صلوٰۃ عرفات میں، پیشگی ادائیگی فطرہ۔

۵..... تخفیف تاخیر: کسی فعل کا اپنے وقت کے بعد انجام دینا، مثلاً سفر کی وجہ سے یا مرض کی وجہ سے رمضان کے روزے بعد میں رکھنا، جمع صلوٰۃ مزدلفہ میں، کسی ڈوبتے کو

(۱) المستصفی: الفن الرابع، الفصل الرابع فی العزيمة والرخصة، ج ۱ ص ۷۸ تا ۸۱

بچانے، آگ کو بجھانے کے لیے نماز کو مؤخر کر دینا۔

۶..... تخفیفِ ترحیص: کسی وجہ سے رخصت کا عطاء ہونا مثلاً گلے میں لقمہ پھنس جانے کی وجہ سے پانی نہ ملنے کی صورت میں شراب کے ساتھ لقمہ نگلنے کی اجازت و رخصت کا ہونا۔

۷..... تخفیفِ تغیر: کسی ہیئت میں تبدیلی کا ہونا، مثلاً حالتِ جنگ میں استقبالِ قبلہ کا ضرورت کی وجہ سے بدل جانا، صلوٰۃ خوف میں ترتیب صلوٰۃ میں تغیر کا آنا۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... اگر ایک شخص اس قدر مجبور ہے کہ اس کو اپنا رہائشی مکان بیچنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تو وہ اس شرط کے ساتھ فروخت کر سکتا ہے ”کہ وہ بیچ کے بعد بطور کرایہ دار اس میں سکونت رکھے“ حالانکہ عام قاعدے کے مطابق بیچ میں ایسی کوئی شرط لگانا جائز نہیں۔

۲..... مشتری کے لیے کپڑے کے ایک طرف کو دیکھ کر بیچ کرنا جائز ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مکمل کپڑے کو دیکھ کر بیچ کرے:

كذلك اکتفی فی الثیاب برویة الثوب من طرفہ دون أن یراہ  
المشتری جمیعہ۔<sup>(۲)</sup>

۳..... شریعت میں طلاق کا جائز ہونا اس لیے ہے کہ بسا اوقات عقدِ زوجیت کو برقرار رکھنے میں بڑی مشقتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو چھٹکارے کے لیے شریعت نے طلاق کی اجازت دی ہے:

و جوز شرع الطلاق للتسهیل و التوسیع علی الناس لأن بقاء  
الزوجیة حال وجود النفور و الكراهیة بین الزوجین مشقة عظمی

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۸۴، ۸۵ (۲) درر الحکام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۲۰۵

و بلیة کبریٰ علیہما معا۔<sup>(۱)</sup>

۴..... بغیر دیکھے لڑکی کے ساتھ نکاح کا جائز ہونا اس لیے ہے کہ اگر اس کو ناجائز قرار دیا جائے تو بہت سے لوگ اپنی بیٹیوں کا نکاح کر دینے سے رک جائیں گے، اس لیے کہ عموماً غیرت کی وجہ سے ہر شخص اس بات سے حیا کرتا ہے کہ وہ اپنی بچیاں دوسروں کو دکھائے:

وجوز زواج المرأة بدون النظر إليها لأنه لو لم يجز ذلك لا تمتنع

الكثيرون عن تزويج بناتهم غيرة عليهن من رؤية الخاطبين۔<sup>(۲)</sup>

۵..... دور دراز ملکوں میں سارا مال بھیجنا مشکل ہوتا ہے اس لیے نمونہ بھیج کر سارے

مال کی خرید و فروخت کر لی جاتی ہے اور یہ جائز ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۷)

الْأَمْرُ إِذَا ضَاقَ اتَّسَعَ۔<sup>(۳)</sup>

جب کسی کام میں شدید تنگی ہوگی تو اس میں وسعت دی جائے گی۔

## تشریح

شرعی احکام عمومی نوعیت کے ہوتے ہیں ظاہر ہے ہر شخص کے لیے تو قانون نہیں بنایا جاسکتا اس لیے کہ بعض دفعہ کسی شخص کے ذاتی حالات اس طرح ہو جاتے ہیں کہ حکم شرعی پر عمل در آمد حرج کثیر کا سبب بننے لگتا ہے، تو ایسی صورت میں شریعت نے کچھ ضابطے وضع کر رکھے ہیں جن کی مدد سے تنگی کو دور کرنے کے لیے کچھ وسعت پیدا کر لی جاتی ہے، اور یہ وسعت ایک تو اسی قدر کی جاسکتی ہے جس قدر ضرورت ہو اور دوسرا اس وقت تک باقی رہتی ہے جس وقت تک حکم کی تنگی حرج کثیر کا سبب رہے، اور جب تنگی باقی نہ رہے اور اصل حکم منصوص ذاتی معاملے میں حرج کثیر کا سبب نہ بن رہا ہو تو اصل حکم لوٹ آتا ہے، اس لیے

(۱) درر الحکام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۳۰۵ (۲) درر الحکام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۳۰۵

(۳) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۸۵ / مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۸

فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں ”إذا اتسع الأمر ضاق“ یعنی جب معاملہ تنگی سے پاک ہو جائے تو اصل حکم کی تنگی پھر سے نافذ العمل ہو جائے گی۔

## تفریحات

..... مدیون جب نادار ہو اور اس کی طرف سے کوئی کفیل بھی موجود نہ ہو تو اس کے مالدار ہونے کی حالت کا انتظار کرنا ہوگا، اور اگر وہ پورا دین یکدم ادا کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے ساتھ قسب مقرر کر کے تعاون کیا جائے گا:

ان المديون إذا كان معسراً ولا كفيل له بالمال، بترك الی وقت  
المیسرة، وإذا لم یقتدر علی ایفاء الدین جملة، یساعد علی تأدیته  
مقسطاً۔ (۱)

۲..... ایسے مقامات و حالات میں جہاں مردوں کی حاضری اور واثقیت مشکل یا ممکن نہیں ہوتی ان مقامات پر عورتوں اور بچوں کی شہادت کا مقبول ہونا ہے تاکہ حقوق کے ضائع ہونے کا نقصان لازم نہ آئے، بچے کے نسب اور پرورش کے حق کی حفاظت کے لیے بچہ کی ولادت پر صرف ایک دایہ کی شہادت کا مقبول ہونا:

ومنها شهادة النساء والصبيان فی الحمامات والمواضع التي لا  
یحصرها الرجال دفعاً لحرص ضیاء الحقوق۔ (۲)

۳..... زندگی کی حفاظت کے لیے مردار یا غیر شخص کے مال کا خورد و نوش میں استعمال کر لینا اور حالت اضطرار دفع ہونے پر اس کا تدارک کر دینا:

ومنها إباحة أكل الميتة أو مال الغير علی أن یضمنه عند  
الاضطرار حفظاً للحیاة۔ (۳)

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۱

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۱

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۱

۴..... وفات کی عدت گزارنے والی عورت کے لیے حصولِ معاش کے سلسلہ میں دن میں مکان سے باہر جانے کی اجازت کا ہونا:

ومنها ان المتوفى عنها زوجها يباح لها الخروج من بيتها أيام عدتها  
إذا اضطرت للاكتساب۔<sup>(۱)</sup>

۵..... طاعات کی ادائیگی کے لیے کسی کو اجرت پر حاصل کرنا، مثلاً تعلیم قرآن یا اذان دینے کے لیے مؤذن کو معاوضہ دینا جو کہ متاخرین فقہاء کے مفتی بہ قول کے مطابق جائز ہے:

ومنها جواز الإجارة على الطاعات كتعليم القرآن والأذان على ما  
هو المفتى به عند المتأخرين، حفظاً للشعائر من الضياع۔<sup>(۲)</sup>

۶..... بچے کو دودھ پلانے کے لئے ماں پر جبر نہیں کیا جاسکتا لیکن اگر بچہ اپنی ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کا پستان منہ میں نہ لیتا ہو اس وقت اس امر پر جبر کیا جانا جائز ہوگا تاکہ بچے کی زندگی خطرے میں نہ پڑ جائے:

والأم لا تجبر على ارضاع ولدها قضاءً، لكن إذا كان لا يلتقم الا  
ثديها، تجبر لدفع الضيق في إعاشة الصبي۔<sup>(۳)</sup>

## قاعدہ نمبر (۱۸)

لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ۔<sup>(۴)</sup>

اصول یہ ہے کہ نہ ضرر پہنچے اور نہ ضرر پہنچایا جائے۔

ماخذ

یہ قاعدہ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جسے حضرت ابوسعید خدری رضی

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۱ / بدائع الصنائع: کتاب الطلاق، فصل في أحكام العدة، ج ۳ ص ۲۰۵ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۱ (۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۲ (۴) المبسوط للسرخسی: کتاب الشفعة، ج ۱۳ ص ۹۱: مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۸



اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ“ یہ حدیث آپ کے جوامع الکلم کلمات میں سے ایک جامع کلمہ ہے۔ (۱)

تشریح

اس اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے نہ کسی انسان کو خود نقصان اٹھانا روا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کو نقصان پہنچانا درست ہے، اس اصول کے پیش نظر یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر کوئی کسی کو ابتداءً نقصان پہنچائے، مثلاً اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کی دیوار گرا دی تو دوسرے شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ خود اس سے انتقام لے بلکہ معاملہ کسی ثالث کے سامنے رکھا جائے اور دیوار گرانے کا جو نقصان ہوا ہے وہ لیا جائے یا بذریعہ عدالت اس معاملے کو حل کیا جائے نہ کہ مقابلے میں اس کی دیوار گرا دی جائے، شریعت نے اس میں اصل طریقہ قضاء قاضی رکھا ہے کہ قاضی کے ذریعے سے فیصلہ کیا جائے، ضرر کے بدلے ضرر پہنچانے سے منع کیا گیا ہے، وجہ علت یہ ہے کہ اس سے انتقام درانتقام ہی بڑھتا رہے گا جو شریعت کی منشاء کے خلاف ہے کیونکہ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ ضرر کو کلیتاً ختم کیا جائے نہ کہ ضرر کا تبادلہ کیا جائے، اور اگر کسی سے انتقام لینا بھی مقصود ہو تو عدالت خود ہی قانون کے دائرے میں جو سزا انصاف کے تقاضے سے طے کرے گی وہ سزا دے گی جس سے دوسری اغراض بھی پوری ہو جائیں گی۔

### ضرر اور ضرار کے درمیان فرق

..... ضرر مطلقاً کسی دوسرے کو نقصان پہنچانا، اور ضرار مقابلہ کسی دوسرے کو ضرر پہنچانا یعنی ہر دو جانبین ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے کے درپے ہوں اس سے قطع نظر کہ ایک کا ضرر دوسرے کے مساوی ہے یا نہیں اور یہ کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(۱) سنن الدار قطنی: کتاب البیوع، ج ۲ ص ۵۱، رقم الحدیث: ۳۰۷۹

۲..... ضرر یہ ہے کہ اپنے فائدے کے لیے دوسرے کو نقصان پہنچانا، اور ضرر یہ ہے کہ اپنی منفعت کے بغیر دوسرے کو نقصان پہنچائے یعنی دوسرے کو ایسی چیز سے روک دے جس سے اس کو نقصان پہنچے اور اپنی ذات کو کسی قسم کا فائدہ نہ پہنچے۔ (۱)

## تفریعات

۱..... مثلاً عیب کی بناء پر بیع کی واپسی کا حق اور دیگر تمام خیارات و ہر قسم کے حجر کے مسائل، شفعہ اور قصاص و حدود کفارات، تلف کردہ اشیاء کا ضمان، کسی مشترک شئی کی تقسیم پر جبر کیا جانا جبکہ جنس متحد ہو، اور ائمه و حکام کا تقرر، حملہ آور کا دفعیہ، مشرکین اور باغیوں سے جنگ کرنا وغیرہ تمام امور میں شرعی حکمت دفع ضرر ہی ہے کیونکہ ضرر و ضرار دونوں ممنوع ہیں:

ویبتنی علیہ کثیر من ابواب الفقہ، كالرد بالعیب وجميع أنواع الخيارات والحجر بسائر أنواعه والشفعة والقصاص والحدود والكفارات وضمن المتلفات والجبر علی قسمة المشترك إذا اتحد الجنس، و نصب الأئمة، و القضاة و دفع الصائل و قتال المشركين والبغاة إلى غیر ذلك مما فی حکمة شرعیته دفع الضرر، اذ لا ضرر ولا ضرار۔ (۲)

۲..... ایک جائیداد دو شریکوں کے درمیان مشترک ہے ان دونوں میں سے ایک کا ارادہ اس کی تعمیر کا ہوا لیکن دوسرے نے اس سے انکار کر دیا، اس صورت میں اس منکر پر فوراً جبر نہ کیا جائے گا بلکہ اگر وہ جائیداد قابل تقسیم ہے تو اس کو دونوں شریکوں میں تقسیم کر دیا جائے گا تاکہ ہر شریک اپنے اپنے حصہ سے اپنے طور پر فائدہ حاصل کر سکے اس لیے کہ منکر شریک پر تعمیر کے لیے جبر کرنا اس میں ضرر ممنوع کا شبہ موجود ہے، لیکن اگر جائیداد ناقابل تقسیم ہے تو اب مقدمہ حاکم کی عدالت میں پیش کیا جائے گا تاکہ حاکم تعمیر کی اجازت دینے

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۲

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۳

کے بعد جائیداد کو اپنی حفاظت میں رکھے جب تک دوسرے شریک کے حصہ کی (قیمت) کا مدارک نہ ہو جائے اس طریقہ کے اختیار کرنے سے وہ شبہ مذکورہ دور ہو جائے گا:

من فروعها ان احد الشريكين في الملك المشترك اذا احتاج الى العمارة و ابي الآخر، لا يجبر بل ينظر: اذا كان قابلاً للقسمه يقسم ويفعل كل منها بنصيبه ما يريد، لأن في اجبارة على تعمیر ملكه شبهة المضارة المنهى عنها في رفع الأمر الى الحاكم حتى يحبس العين بعد التعمير بالأذن الى ان يستوفى من شريكه قدر ما أصاب حصته، تندفع الشبهة۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اگر کسی نے اپنی زرعی زمین کسی کو ٹھیکے پر دی اور ٹھیکے کی مدت ایسی صورت میں ختم ہوگئی کہ ابھی کھیتی پوری طرح چکی نہیں، اس صورت میں اس کا کاٹنا نقصان کا سبب ہے تو مالک کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ مستاجر کو فوراً کھیتی کاٹ لینے پر مجبور کرے، بلکہ اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ مستاجر کو مہلت دے تاکہ اس کا نقصان نہ ہو۔

۴..... اگر کسی نے پھل بیچنے کا معاہدہ کیا مگر مشتری قیمت ادا کرنے اور مال پر قبضہ کرنے سے قبل ہی کہیں لاپتہ ہو گیا، اب اگر مالک کو یہ خطرہ لاحق ہو جائے کہ اگر اس نے انتظار کیا تو پھل خراب ہو کر ضائع ہو جائے گا تو مالک کے لیے ضروری نہیں کہ وہ انتظار کرے بلکہ اس کے لیے جائز ہوگا کہ وہ معاہدہ منسوخ کر کے اپنا پھل کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دے۔

۵..... اگر زید نے کوئی چیز خریدی پھر اس کو کرائے پر دے دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ اس چیز میں پہلے سے عیب موجود تھا، تو زید کو اجازت ہوگی کہ وہ از خود کرائے کا معاہدہ ختم کر دے تاکہ پہلے مالک کو وہ چیز واپس کر کے اپنے نقصان کی تلافی کر سکے۔

۶..... اگر کوئی جائیداد دو قسیموں کے درمیان مشترک ہے اور وہ محتاج تعمیر ہے لیکن

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۳

یتیموں کے دو وصیوں میں سے ایک اس کی تعمیر سے انکار کرتا ہے، تو اس صورت میں حاکم اس وصی پر تعمیر کے لیے جبر کرے گا اس لیے کہ اس صورت میں یتیم کا ضرر لازم آتا ہے:

إذا كان الملك المشترك بين یتیمین محتاجاً الى التعمیر، فأبی  
أحد الوصیین و كان فی إبانہ ضرر علی الیتیم یجبر من قبل  
الحاکم۔<sup>(۱)</sup>

۷..... خیار بلوغ: نابالغہ لڑکی کے باپ، دادا کے علاوہ اگر کوئی دوسرا نکاح کر دے تو اس کو بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو توڑنے کا حق حاصل ہے۔

### قاعدہ نمبر (۱۹)

الضَّرَرُ يُزَالُ۔<sup>(۲)</sup>

ضرر کا ازالہ کیا جائے گا۔

### تشریح

شریعت میں ضرر سے مراد قانونی ضرر ہے جب کسی شخص کو کوئی حق حاصل ہو اور اس کا یہ حق ضائع ہو رہا ہو تو اسے ضرر پہنچ رہا ہے۔ قرآن کریم میں وصیت کے بارے میں ایک شرط یہ عائد کی گئی ہے وہ ”غَيْرَ مُضَارٍ“ ہو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں ایک تہائی جائیداد سے زیادہ کی وصیت اور کسی وارث کے حق میں وصیت سے دیگر وارثوں کو ضرر پہنچتا ہے اس لیے ایسی وصیت مضار ہونے کی وجہ سے قرآن کریم کی رو سے ناجائز ہے، ضرر ایک ظلم ہے یہ جہاں کہیں بھی ہو اس کا ازالہ ضروری ہے لہذا ضرر کو دور کرنا عین منشاء شریعت ہے۔

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۳

(۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول، القاعدة الخامسة، ص ۸۶ / مجلة الأحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۸

## شراط

۱..... ضرر کا ازالہ اس وقت کیا جائے گا جبکہ اس ازالہ سے اس ضرر کے مثل دوسرا ضرر

پیدا نہ ہوتا ہو:

ان الضرر یزال لکن لا علی الاطلاق بل بشرط ان لا تكون  
ازالته بضرر مثله۔

۲..... ضرر عام کے دفعیہ کے لیے ضرر خاص کو برداشت کیا جائے گا:

یتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... غلام اور کنیز کے آقا پر ان دونوں کے نکاح کر دینے پر جبر کرنا جائز نہ ہوگا اگرچہ  
غلام اور کنیز کو نکاح کرنے کی وجہ سے نقصان کیوں نہ پہنچتا ہو کیونکہ اس جبر میں آقا کا ضرر  
موجود ہے، اس لیے (غلام اور کنیز کے ضرر کو دفع کرنے کے لیے) اس ضرر کو اختیار نہ کیا  
جائے گا کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ”الضرر لا یزال بمثلہ“

ولا یجبر السید علی تزویج عبده او امته وان تضررا لأن ذلك

ضرر علیہ والضرر لا یزال بمثلہ۔<sup>(۲)</sup>

۲..... ایک مجبور شخص دوسرے مجبور شخص کا طعام یا اس کے جسم کے لباس کو اسی  
قاعدے کی بناء پر استعمال نہیں کر سکتا ہے:

ولا یأکل المضطر طعام مضطر آخر، ولا شیئا من بدنہ لہذہ

العلة۔<sup>(۳)</sup>

۳..... اگر راہ گزر کی طرف اس طرح پر نالہ لگا دیا گیا کہ اس کی وجہ سے گزرنے

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۴ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۴

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۴ / الأشباه والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۸۸

والوں کو نقصان ہوتا ہو تو اس پر نالے کو ہٹا دیا جائے گا۔

۴..... کسی گھر کے درخت اس قدر بڑھ جائیں کہ اس کی شاخوں سے دوسرے ساتھ والے گھر میں تکلیف ہونے لگے تو اس کی شاخیں کاٹ دی جائیں گی۔

۵..... اس اصول کے پیش نظر معاہدات میں خیارات بھی دیئے گئے ہیں تاکہ واقع ہو جانے والے نقصانات کو زائل کیا جاسکے۔

۶..... باغیوں اور مجرموں کو اس لیے سزائیں دی جاتی ہیں کہ تاکہ وہ لوگوں کو ضرر پہنچانے سے باز رہ سکیں۔

۷..... جاہل طبیب کو اس اصول کی بنیاد پر طبابت کی اجازت نہیں دی جاسکتی تاکہ لوگوں کو ضرر نہ پہنچے:

جواز الحجر علی البالغ العاقل الحر عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ فی

ثلاث: المفتی الماجن، والطیب الجاہل، والمکاری المفلس، دفعا

للضرر العام۔<sup>(۱)</sup>

۸..... اگر کسی کے گھر سے متصل کسی نے لوہار کی دکان قائم کر دی یا چکی لگالی تو لوہار کے ہتھوڑے کی دھمک سے یا چکی کی حرکت سے مکان کی دیواروں کو ضرر شدید کا اندیشہ ہے تو اس ضرر کا ازالہ کیا جائے گا۔

۹..... اگر کسی شخص کی خالی زمین کسی مکان کے متصل واقع ہو اور وہ اپنی زمین میں نہر کھود ڈالے جس سے پانی پن چکی پر جاتا ہو، اور مکان کی دیوار کو اس سے نقصان پہنچ رہا ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے گا۔

۱۰..... اگر کسی نے کپڑے کے بازار میں باورچی کی دکان لگا دی اور اس کا دھواں بزاروں کے مال کو خراب کر رہا ہے تو یہ ضرر شدید ہے اس کا ازالہ کیا جائے گا۔<sup>(۲)</sup>

(۱) الأشباه والنظائر: ص ۸۸ (۲) الأشباه والنظائر: ص ۸۸



## قاعدہ نمبر (۲۰)

الضَّرُورَاتُ تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ - (۱)

ضرورت ایک ممنوع امر کو مباح کر دیتی ہے۔

ماخذ

یہ قاعدہ قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ - (۲)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۷ھ) فرماتے ہیں:

إلا في حال الاضطرار فانه يباح لكم ما وجدتم - (۳)

مذکورہ آیت میں تحریم کے بعد استثناء کیا گیا ہے اور تحریم کے بعد استثناء اباحت کے

لیے ہوا کرتا ہے:

إلا ما اضطررتم إليه أي دعتمكم شدة المجاعة إلى أكلها و

الاستثناء من التحريم إباحة - (۴)

نیز اس قاعدے کا ثبوت اس روایت سے بھی ہوتا ہے:

عن جابر بن سمرة: أن أهل البيت كانوا بالحرّة محتاجين قال

فماتت عندهم ناقة لهم أو بعيرهم فرخص لهم النبي صلى الله

عليه وسلم في أكلها - (۵)

جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مقام حرہ میں ایک محتاج خاندان رہتا

(۱) الأشباه والنظائر: ص ۸۸ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۸

(۲) الأنعام: ۱۱۹

(۳) تفسیر ابن کثیر: سورة الأنعام، آیت نمبر ۱۱۹ کے تحت، ج ۳ ص ۲۸۹

(۴) بدائع الصنائع: کتاب الاکراه، فصل فی بیان حکم ما یقع علیہ الاکراه، ج ۷ ص ۱۷۶

(۵) مسند احمد: مسند البصریین، حدیث جابر بن سمرة، ج ۳ ص ۳۱۱، رقم الحدیث:

تھا، وہ کہتے ہیں کہ ان کے ہاں ان کی ایک اونٹنی مر گئی یا اونٹ مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رخصت دی کہ اسے کھالیں (یہ اتنا محتاج خاندان تھا کہ ان کے پاس کھانے کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں تھا)

یہ روایت مختلف طرق سے نقل کی گئی ہے، دوسری جگہ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ یہ لوگ بہت غریب تھے اور ان کے پاس کھانے پینے اور جان بچانے کے لیے کوئی اور حلال غذا موجود نہیں تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شدید ضرورت کے پیش نظر ان کو اس کے کھانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

### اضطرار کا لغوی معنی

(۱) الاحتیاج الی الشیء۔

کسی چیز کی حاجت اضطرار کہلاتی ہے۔

علامہ حموی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۹۸ھ) فرماتے ہیں:

(۲) بلوغه حداً ان لم يتناول الممنوع يهلك۔

کسی شخص کا ایسی حالت تک پہنچ جانا کہ اگر وہ ممنوع چیز نہ کھائے تو ہلاک

ہو جائے۔

### اضطرار کا اصطلاحی معنی

الاضطرار هو الخوف الهلاك أو خوف الضرر۔

ہلاکت کا خوف یا ضرر کا خوف اضطرار کہلاتا ہے۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) اضطرار کے عنوان پر بحث کرتے

ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) لسان العرب: فصل: الضاد، الاضطرار، ج ۲ ص ۲۸۳

(۲) غمز عیون البصائر: القاعدة الخامسة، ج ۱ ص ۲۷۷

لما حرم الله تعالى تلك الأشياء استثنى عنها حال الضرورة وهذه  
الضرورة لها سببان أحدهما الجوع الشديد وأن لا يجد ما كولا  
حلالاً ليسد به الرمق فعند ذلك يكون مضطراً - الثاني إذا كرهه  
على تناوله مكره فيحل له تناوله - (۱)

حرام اشیاء کے اس حکم سے حالت ضرورت علیحدہ کر دی گئی ہے، اس حالت  
ضرورت کے دو اسباب ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ شدید بھوک ہو اور وہ یہ کہ جسم کو  
معمولی سے قوت بھی مہیا کرنے کے لیے کوئی حلال چیز نہ پائے اس وقت اس  
کو مضطر کہا جائے گا۔

ثانیاً یہ کہ جب ان حرام اشیاء کے استعمال پر کوئی شخص مجبور کیا جائے تو اس وقت ان  
حرام اشیاء کا کھانا حلال ہو جائے گا۔

امام رازی رحمہ اللہ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اضطرار کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم یہ کہ  
شدید بھوک کی وجہ سے جان جانے کا خطرہ ہو تو جان بچانے کی خاطر ممنوع اشیاء کو استعمال  
کر سکتے ہیں، دوسرا یہ کہ جب کسی شخص کو جبراً مجبور کیا جائے تو جان بچانے کی خاطر وہ بھی ان  
اشیاء کو استعمال کر سکتا ہے۔

## تفریحات

۱..... وضو یا غسل کے لیے پانی کے استعمال سے جان کی ہلاکت کا خدشہ ہو یا مرض  
شدید لاحق ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں تیمم کرنے کی اجازت ہے۔

۲..... نماز ادا کرتے ہوئے دشمن حملہ کر دے یا کوئی مالی نقصان میں یقینی خدشہ  
ہو جائے تو نماز توڑنے کی اجازت ہے۔

۳..... اگر ذبح کرنے کے لیے جانور قابو میں نہ آتا ہو تو اسے کسی بھی جگہ زخم لگا کر ذبح

(۱) التفسیر الکبیر: سورة البقرة، آیت نمبر ۱۷۳ کے تحت، ج ۵ ص ۱۹۳

کا عمل مکمل کیا جاسکتا ہے گویا یہ ذبح اضطراری کی شکل ہوگی۔

۴..... روزے کی حالت میں شدید پیاس یا بھوک لگ جائے اور جان کے جانے کا

خوشہ ہو یا ایسے ہی حاملہ عورت کو حمل ضائع ہونے کا خوشہ ہو تو روزہ افطار کیا جاسکتا ہے۔

۵..... فریضہ حج کے لیے مالی استطاعت رکھنے کے باوجود راستہ خطرناک ہو تو امن

ہونے تک حج کے عمل کو ملتوی کیا جاسکتا ہے یعنی جب راستہ پر امن ہو جائے تو حج ادا کیا جائے۔

۶..... اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے متعلق یہ قسم کھائی کہ اگر تو گھر سے باہر نکلی تو تجھے

طلاق اب اگر اس کی بیوی گھر سے عام حالات میں باہر نکلی تو اس کو طلاق ہو جائے گی، مگر سیلاب کے آنے پر یا گھر میں آگ لگ جانے پر یا زلزلہ کی صورت میں اگر وہ گھر سے باہر نکل گئی تو اس اضطراری صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔

۷..... حلق میں لقمہ پھنس جائے اور کہیں سے بھی پانی نہ ملے تو شراب کے ایک گھونٹ

سے اسے نگا چا سکتا ہے۔

۸..... حالت اکراہ میں: بان سے کلمہ کفر کہنا حائز ہے جبکہ ”قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ

بِالْإِيمَانِ“ ہو۔

۹..... حملہ آور سے اپنی جان بچانے کے لیے ایسا طریقہ استعمال کیا جاسکتا ہے جس

سے حملہ آور کو نقصان پہنچے۔

۱۰..... مقروض اگر قرض ادا نہ کرے تو قرض خواہ کی درخواست پر عدالت مقروض کا

مال بقدر قرض لے سکتی ہے:

الضرورات تبیح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند

المخمصة، وإساعة اللقمة بالخمير، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه،

وكذا إتلاف المال واخذ مال الممتنع من أداة الدين بغير إذنه،

ودفع الصائل ولو أدى إلى قتله۔<sup>(۱)</sup>

(۱) الأشباه والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۸۷

## قاعدہ نمبر (۲۱)

الضَّرُورَاتُ تُقَدَّرُ بِقَدْرِهَا۔<sup>(۱)</sup>

ضرورتوں کو ان کے اندازے کے مطابق اہمیت دی جائے گی۔

تشریح

جو حرام چیز ضرورت کی وجہ سے مباح ہوتی ہے اس کے استعمال کی حد ضرورت کے اندازے سے متعین کی جائے گی۔

مطلب یہ ہے کہ جو اباحت ضرورت کی وجہ سے ہوئی ہے وہ اتنی ہی مقدار میں مباح ہوگی جتنی کہ اس کی ضرورت ہوگی اس سے زائد مقدار جائز نہیں ہے۔

## تفریعات

۱..... طیب (وڈاکٹر) قابل پردہ مقام کو ضرورت کے اندازے کے مطابق دیکھ سکتا ہے (اس سے زائد نہیں)۔

كذلك الطيب ينظر من العورة بقدر الحاجة۔<sup>(۲)</sup>

۲..... اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ زمین میں ایسا زینہ بنا لے یا کھڑکی نکال لے جس پر چڑھنے کے وقت ہمسایہ کی بے پردگی ہوتی ہو تو اس شخص پر زینہ منہدم کرنے اور کھڑکی بند کر دینے کے لیے جبر نہ کیا جائے بلکہ اس کو حکم دیا جائے گا کہ ایسی صورت اختیار کرے جس سے ہمسایہ کی بے پردگی نہ ہو:

وإذا أحدث رجل في بناءه شباكاً يطل على مقر نساء جارة، لا يؤمر

بهدم الحائط وسد شباكه كلياً بل بقدر ما يرفع الضرر عن جارة

بصورة تمنع النظر۔<sup>(۳)</sup>

(۱) مجلة أحكام العدلية: ص ۱۸ / الأشباه والنظائر: ص ۸۷

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۶ (۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۶

۳..... اگر حاکم کو یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی مدیون باوجود دین کی ادائیگی کی قدرت رکھنے کے دین ادا کرنے میں لیت و لعل کر رہا ہے، اور قرض خواہوں نے اپنے دیون کی ادائیگی کے لیے حاکم کے پاس مدیون کے مال کو فروخت کرنے کا دعویٰ دائر کر دیا ہے تو حاکم اب مدیون کے مالی تصرفات پر پابندی عائد کر کے اس کو روک دے گا، پھر اگر مدیون اپنے مال کو فروخت کر کے دین ادا کرنے سے انکار کرے تو حاکم کو یہ حق ہوگا کہ مدیون کے دین کی ادائیگی میں اولاً اس مال سے ادائیگی کا حکم دے جو مدیون کے لیے زیادہ ضرر رساں نہ ہو، لہذا اولاً نقدین سے ادائیگی کی جائے اگر ان سے پورا نہ ہو سکے تو اب سامان کی طرف توجہ کی جائے اور اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو اب غیر منقولہ جائیداد کا نمبر ہوگا، اس لیے کہ ضرورت کا حکم اس کے اندازے کے مطابق دیا جاتا ہے:

لو ظهر للحاکم مما طلة المديون في أداء دينه حال كونه مقتدرًا  
وطلب الغرماء بيع ماله وتأدية دينه، حجر الحاکم ماله وإذا امتنع  
عن بيعه وإيفاء الدين يبدأ الحاکم بما هو أهون في حق المديون  
بتقديم النقود أولاً، فان لم تف فالعروض فان لم تف فالعقار، لأن  
الضرورة تقدر بقدرها۔<sup>(۱)</sup>

۴..... اس قاعدے کی فروع میں مضاربت کا یہ مسئلہ بھی ہے کہ مضارب ایک حیثیت سے امین ہوتا ہے اس لیے مضاربت کا اصل مال اس کے پاس امانت (ودیعت) کے حکم میں ہوتا ہے، چنانچہ جب مضاربت کا عقد کسی شرط یا قید سے مطلق ہو تو مضارب کو صرف یہ حق حاصل ہوگا کہ اگر اس کو کسی دوسرے مقام کے سفر کی ضرورت پیش آگئی ہو تو مال مضاربت سے عرف اور رواج کے مطابق سفر خرچ لے لے اس حد سے تجاوز نہ کرے:

ومن فروعها أيضاً أن المضارب من جهة كونه أميناً فرأس المال  
في يده أمانة في حكم الوديعة، المضارب في المضاربة المطلقة إذا

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۶



ذهب بعمل المضاربة إلى محل غير البلدة التي وجد فيها يأخذ

مصرفه بالقدر المعروف من مال المضاربة ولا يتجاوزها۔<sup>(۱)</sup>

۵..... جو عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہو اس دوران اس کا حمل قرار پا جائے جس کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہونے لگے بچے کے والد کی مالی حالت اس قابل نہیں کہ وہ بچے کے لیے کسی دودھ پلانے والی عورت کو مقرر کر سکے، ساتھ ہی بچے کے ضائع ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو تو فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے موقعہ پر جب تک حمل نطفہ یا بستہ خون یا پارچہ گوشت کی حالت میں ہو علاج کے ذریعہ اس کا ساقط کر دینا مباح ہوگا یعنی جب تک اس میں اعضاء کی تخلیق نہ ہوئی ہو، اس کا اندازہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے ۱۲۰ یوم کا مقرر کیا ہے، اس سقوط کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس مدت کے اندر حمل انسانیت کی شکل نہیں اختیار کرتا چنانچہ اجراء حیض کے ذریعہ اس کو ساقط کر دینا نفس انسانی کو ضائع کرنا نہیں متصور ہوتا، لیکن ۱۲۰ یوم کے بعد ایسا کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ اب یہ عمل قتل نفس کے درجہ میں شمار ہوگا، لہذا اول حالت میں ایک انسانی نفس کی حفاظت کے لیے غیر انسانی شئی کا ضائع کرنا مباح ہوگا، اور دوسری حالت میں نفس انسانی کو اس کی مثل نفس انسانی کے لیے ضائع کرنا لازم آئے گا (جو کہ جائز نہیں):

والمرضعة إذا ظهر بها الحمل وانقطع لبنها، وليس لأب الصغير ما يستأجر به ظئرا ويخاف هلاك الولد، قالوا يباح أن تعالج في استنزال الدم مادام الحمل نطفة أو علقة أو مضغة لم يخلق له عضو وقد روا تلك المدة بمائة وعشرين يوماً وإنما أباحوا افساد الحمل باستنزال الدم لأنه ليس بآدمي، فيباح لصيانة الآدمي ولا يجوز بعد مضي مائة وعشرين يوماً لأنه يكون قتل نفس محترمة لصيانة نفس أخرى۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۶ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۷

۶..... اگر جنگ کے موقعہ پر کفار مسلمان بچوں کو اپنے لیے ڈھال بنا لیں تو کفار پر اس کے باوجود تیر اندازی (وفا رنگ وغیرہ) جائز ہوگی اس لیے کہ فرض جہاد قائم کرنے کی ضرورت کا اقتضاء بھی ہے، لیکن اس وقت مسلمانوں کا مقصد و نیت کفار کا مقابلہ و قتل کرنا ہوگا نہ کہ بچوں کو نشانہ بنانا، اب یہ سوال باقی رہا کہ کیا ایسی صورت میں (مسلمان بچوں کے قتل ہو جانے پر) دیت و کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ چنانچہ ہمارے نزدیک واجب نہ ہوگا اور حسن ابن زیاد رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہوگا۔

حسن بن زیاد رحمہ اللہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کا خون معصوم ہے مناسب یہی تھا کہ تیر اندازی کی اجازت نہ دی جاتی لیکن فرض جہاد کی ادائیگی کی ضرورت نے تیر اندازی کی اجازت پر مجبور کیا ہے، لہذا یہ اجازت اس حد تک صحیح ہوگی جس حد تک ضرورت پوری ہو جائے اور یہ اس طرح ہوگی کہ قتل مسلم کا مواخذہ ساقط متصور کیا جائے لیکن ضمان (دیت و کفارہ) ساقط نہ ہوگا:

ومن فروعها ان الكفار حال الحرب اذا تترسوا بأطفال المسلمين  
فلا بأس بالرمي عليهم لضرورة اقامة فرض الجهاد، لكنهم  
يقصدون الكفار دون الأطفال، وهل تجب الدية والكفارة أم لا،  
عندنا لا، وقال الحسن ابن زياد: تجب الدية والكفارة۔

وجه قوله أن دم المسلم معصوم، فكان ينبغي أن يمنع من الرمي  
الا أنه لم يمنع لضرورة فرض الجهاد، فعلى قوله يتقدر بقدر  
الضرورة في رفع المواخذة لا في نفي الضمان۔<sup>(۱)</sup>

۷..... دار کفر میں غازیوں کے لیے ماکولات و مشروبات جانوروں کا دانہ چارہ لکڑیاں (اینڈھن) کا امیر لشکر کی حفاظت میں جمع ہونے سے قبل استعمال کرنا جائز ہے، خواہ یہ نفع اٹھانے والا مجاہد فقیر ہو یا غنی ہو لیکن یہ انتفاع صرف ضرورت کی حد تک جائز ہوگا:

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۸۵ / بدائع الصنائع: کتاب السير، فصل فی بیان ما یجب علی الغزاة الافتتاح به، ج ۷ ص ۱۰۰

ان الغزاة في دار الحرب يباح لهم الانتفاع بالمأ كول والمشروب

والحلف والحطب من الغنائم قبل الاحراز بدار الاسلام، فقيرا

كان المنتفع او غنيا لكن بما فيه دفع الضرورة لا غير۔<sup>(۱)</sup>

۸..... شہید کا خون اس کے لیے پاک ہے لیکن دوسروں کے لیے ناپاک ہے اسی

اصول کے پیش نظر:

دم الشهيد طاهر في حق نفسه نجس في حق غيره لعدم

الضرورة۔<sup>(۲)</sup>

۹..... سخت بھوک کی حالت میں جان بچانے کے لیے صرف اس قدر حرام اشیاء کھائی

جاسکتی ہیں جس سے جسم و روح کا تعلق باقی رہ سکے۔

المضطر لا يأكل من الميتة إلا قدر سد الرمق۔<sup>(۳)</sup>

۱۰..... اگر کوئی شخص دیکھے کہ کوئی عورت دریا میں ڈوب رہی ہے اور وہاں اس عورت

کا کوئی محرم موجود نہیں ہے تو عورت کی جان بچانے کی خاطر اس کو پانی سے نکال سکتا ہے جو نہی

ضرورت ختم ہوگی پھر وہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا اس لیے کہ ”الضرورة تقدر بقدرها“

## قاعدہ نمبر (۲۲)

مَا جَازَ لِعُذْرٍ بَطَلَ بِزَوَالِهِ۔<sup>(۴)</sup>

جو امر کسی عذر کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہو وہ عذر کے زائل ہونے پر جائز نہ

ہوگا۔

تشریح

چونکہ کسی عذر کی بناء پر کسی امر کا جواز اس لیے ہوتا ہے کہ اصل امر انسان کے لیے

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۸ (۲) الأشباه والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۸۷

(۳) الأشباه والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۸۷

(۴) الأشباه والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۸۸ / مجلة أحكام العبدية: ص ۱۹

دشوار ہوتا ہے تو گویا یہ عذر اصل کا نائب متصور ہوتا ہے اب اگر عذر زائل ہونے اور اصل پر بسہولت عمل ہونے کے باوجود عذر کا حکم جائز رکھا گیا تو لازم آئے گا کہ اصل اور اس کا نائب بیک وقت حکماً جمع ہو جائیں اور یہ صحیح نہیں، جس طرح کہ حقیقت اور مجاز کا وقت واحد میں جمع ہونا صحیح نہیں ہوتا، اور زوالِ عذر کے بعد حکم کے باطل ہونے کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اب عذر قابل اعتماد نہ رہے گا۔

## تفریعات

۱..... ایک تیمم کیے ہوئے شخص کو جب پانی میسر آ جائے گا تو اس کا تیمم باطل ہو جائے گا، اور ناپاکی کی اصل حالت واپس لوٹ آئے گی حتیٰ کہ اگر نماز کے درمیان وضو کے پانی پر قدرت حاصل ہوگئی تو نماز باطل ہو جائے گی اور اب وضو کر کے نماز ادا کرنا فرض ہوگا:

كالمتميم إذا وجد الماء، ينتقض وضوءه بالحدث السابق حتى لو

وجدته وهو في أثناء الصلاة بطلت، ويفترض عليه الوضوء۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اسی طرح جو شخص خارش کا مرض لاحق ہونے کے عذر سے ریشمی لباس استعمال

کر رہا ہو تو خارش دور ہونے کے بعد اس پر یہ لباس حرام ہو جائے گا:

ولو جوب الانسلاخ عنه كاللبس الحرير لمن في جسده حكة ثم

زالت عنه۔<sup>(۲)</sup>

۳..... ایک نمازی شخص کا لباس جب ایک درہم سے زائد نجس ہو (دوسرا کوئی لباس

موجود نہ ہو) اور دھونے کے لیے پانی بھی موجود نہ ہو، اس لباس میں اس نے متعدد نمازیں

عذر کی وجہ سے ادا کیں ہوں، اس کے بعد اس کو اتنا پانی میسر آ گیا جس سے وہ اپنا لباس دھو

ڈالے تو اب سابقہ نمازوں کو قضا کرنے کی ضرورت نہیں تاکہ حرج میں مبتلا نہ ہو، البتہ اگر

آخری نماز کے درمیان میں پانی مل گیا تو یہ نماز باطل ہو جائے گی:

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۰

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۰

ولهذه القاعدة فروع في العبادات والمعاملات: منها المصلي إذا كان على ثوبه نجاسة أكثر من قدر الدرهم ولم يجد ماء ليضله، فلو صلى فيه صلوات عديدة ثم بعد الفراغ منها وجد الماء، لا يعيدها للحرج، لكن إذا وجدته في أثناء آخر صلوة يصلها، تبطل- (۱)

۴..... جو شخص قیام سے معذور ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز ادا کر رہا تھا اس کو قیام کی قدرت حاصل ہوگئی، قرآن نہ پڑھنے والے کو قرآن پڑھنا آ گیا یا برہنہ جسم نماز پڑھنے والے کو کپڑا میسر آ گیا، تو ان کا حالت عذر زائل ہونے پر عذر کا حکم باقی نہ رہے گا بلکہ اصل شرمگاہ کا ستر، نماز کا قیام، قرآن کی قراءت ان پر فرض ہو جائے گی، اسی طرح شیخ فانی اور مریض جب روزہ رکھنے پر قادر نہ ہوں اس وقت ان کے لیے فدیہ کا حکم ہوگا:

ومنها المومی فی الصلاة إذا قدر علی القيام، والامی إذا تعلم القراءة، والعمی إذا وجد ثوبا یستر عورته، لأن الطهارة والستر والقيام والقراءة فرض علی القادر علیها، والسقوط عن هولاء للعجز وقد زال-

ومنها الشیخ الفانی إذا فدی عن صومه، والمریض العاجز عنه، فهما علی هذا الحكم- (۲)

۵..... جو عورت اپنے متوفی شوہر کی عدت میں ہو اس پر واجب ہے کہ اس مکان میں عدت کی تکمیل کرے جس میں اس کا شوہر فوت ہوا ہو اور اس سے باہر نہ جائے، لیکن اگر اپنی معاشی ضرورت کے لیے دن میں باہر جانا پڑے تو اس وقت اس کو اس کی اجازت ہے اور جب بھی یہ عذر زائل ہوگا اس کا باہر نکلنا جائز نہ رہے گا:

ومنها المعتدة عن وفاة زوجها یحب علیها المکت فی بیتها

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۰

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۰

المعتدة فيه إلى اكمال عدتها، لكن حيث لا نفقة لها إذا اضطرت للخروج لضرورة الكسب، فمتى حصل لها مال فاستغنت عن الخروج، فقد زال العذر فليس لها الخروج۔<sup>(۱)</sup>

۶..... وکیل جس کو معزول کر دیا گیا ہو لیکن اس کو اپنے معزول ہونے کی اطلاع نہ مل سکی وہ بدستور اپنا کام کرتا رہا اور اس کا یہ عمل موکل کے حق میں نافذ ہوگا لیکن معزولی کا علم ہو جانے کے بعد کوئی عمل موکل کے حق میں نافذ نہ ہوگا:

ومنها الوکیل إذا عزله الموکل ولم يبلغه العزل ثم عمل بالوكالة جاز علی موکله، فإذا زال جهله وعلم بالعزل فلا يجوز له التصرف۔<sup>(۲)</sup>

۷..... اگر کسی مستاجر نے کسی شئی کو اجارے پر لیا اور اس کے بعد اس شئی میں کوئی عیب پیدا ہو گیا جس سے مستاجر کو اجارے کے فسخ کرنے کا حق پیدا ہو گیا لیکن اجارے کے فسخ کرنے سے پہلے موجر کے کاریگر نے اس عیب کو دور کر دیا تو مستاجر کے فسخ کا اختیار باطل ہو جائے گا:

ومنها لو حدث بالمأجور عيب يخل بالمنفعة حتى صار للمستأجر خيار الفسخ لعذر العيب، فقبل الفسخ لو أزاله الموجر، بطل خيار المستأجر۔<sup>(۳)</sup>

۸..... اضطراری صورت میں حرام اشیاء کا استعمال جائز ہوتا ہے جو نہی اضطراری کیفیت ختم ہو جائے ان اشیاء کی حرمت لوٹ آئے گی۔

۹..... عمرو نے زید کے پاس کچھ امانتیں رکھیں اتفاقاً زید کے گھر کو آگ لگ گئی اور زید نے وہ امانتیں کسی پڑوسی کے ہاں رکھ دیں جہاں وہ تلف ہو گئیں، تو زید کو معذور سمجھا

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۰

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۰

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۱



جائے گا اور زید ان کے نقصانات کا ذمہ دار نہ ہوگا، اور اگر آگ بجھادی گئی اور پھر بھی وہ امانتیں پڑوسی کے ہاں رہیں زید انہیں اپنی حفاظت میں نہیں لایا اور پھر وہ تلف ہو گئیں تو زید ذمہ دار ہوگا اس لیے کہ عذر زائل ہو چکا ہے اور نقصان زید کی غفلت کی وجہ سے ہوا ہے۔

۱۰..... اگر کوئی عورت خاوند کے ساتھ اس وجہ سے نہ رہے کہ اس کا مہر ادا نہیں کیا تو مہر کی ادائیگی کے بعد اس کا الگ رہنا جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح قانونی پابندیاں جو نابالغ پر عائد نہیں ہوتیں اس کے بالغ ہونے پر عائد ہو جائیں گی۔

## قاعدہ نمبر (۲۳)

إِذَا زَالَ الْمَانِعُ عَادَ الْمَمْنُوعُ۔<sup>(۱)</sup>

جب مانع زائل ہو جائے تو ممنوع اپنی سابقہ حالت پر قائم ہو جائے گا۔

### تشریح

بعض دفعہ کسی وجہ سے کوئی کام ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے جب یہ ممانعت ختم کر دی جائے تو وہ کام اس طرح جائز ہوتا ہے جیسے ممانعت سے قبل تھا، مثلاً کسی مقام پر دفعہ ۱۴۴ یا کسی اور حکم کی بناء پر اجتماع نفوس یا اسلحہ یا کوئی اور چیز ایک خاص مدت کے لیے منع کر دی جائے، تو اس مدت کے خاتمے پر یہ ممانعت ختم ہو جائے گی اور ممنوع اشیاء و افعال جائز ہو جائیں گے، جب کسی خاص دن گوشت کا ناغہ ختم کر دیا جائے تو اس دن جانوروں کا ذبح کرنا خلاف قانون نہیں ہوگا۔

## تفریعات

۱..... اگر مشتری (خریدار) کو کوئی شے خریدنے کے بعد بیچ میں کسی ایسے عیب کا علم ہوا جو بائع کے پاس سے ہی موجود چلا آ رہا ہے تو اس مشتری کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ یا

(۱) مجلة الأحكام العدلیة: ص ۱۹ / شرح القواعد الفقہیة: القاعدة الثالثة والعشرون، ص ۱۹۱

بیع کو واپس کر دے یا یہ کہ مقررہ قیمت پر لینے کی رضا مندی کا اظہار کر دے، لیکن اگر مشتری کے قبضہ میں مزید کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جو بیع کی واپسی سے مانع تھا تو اب مشتری کا سابقہ خیار باطل ہو جائے گا، اگر مشتری کے پاس پیدا ہونے والا عیب زائل ہو گیا تو اب وہ حکم ممنوع یعنی عدم واپسی کا حکم بھی زائل ہو جائے گا اور مشتری کو واپس کرنے کا حق حاصل ہو جائے گا:

والمشتری إذا تبین له فی مشریه عیب قدیم کان عند البائع، فله الخيار بین قبوله بالثمن المسمی أو الرد علی بئعه لکن إذا حدث عند مشتری عیب یمنع الرد فلا خيار له بل یرجع علی البائع بنقصان الثمن لکن إذا زال العیب الحادث یرجع الممنوع و هو حق الرد۔<sup>(۱)</sup>

۲..... واہب کے لیے ہبہ پر قبضہ ہونے سے قبل اپنے ہبہ سے مطلقاً رجوع کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اور قبضہ ہو جانے کے بعد موہوب لہ کی رضا مندی یا حکم حاکم کے بعد رجوع کر سکتا ہے لیکن اگر موہوبہ شئی میں کوئی متصلہ زیادتی پیدا ہو چکی ہو تو اب رجوع کرنا جائز نہ ہوگا، پھر اگر یہ زیادتی دور ہو گئی تو حکم ممنوع واپس آ جائے گا یعنی رجوع کرنا جائز ہو جائے گا، مثلاً موہوبہ زمین میں موہوب لہ نے کوئی تعمیر کر لی یا درخت لگا دیئے بعد میں یہ عمارت یا درخت زائل کر دیئے گئے اور خالص زمین رہ گئی تو واہب کا حق رجوع واپس آ جائے گا کیونکہ مانع زائل ہو چکا:

منها أن الواهب يسوغ له الرجوع في هبته قبل القبض مطلقاً أو بعده برضى الموهوب له أو حكم الحاكم، لكن إذا حدث في الموهوب زيادة متصلة امتنع الرجوع فإذا زالت الزيادة كما لو كان الموهوب أرضاً فأحدث فيها الموهوب له بناء أو غرس شجراً فزال

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۱

البناء والشجر حتى صارت أرضاً، يعود الممنوع وهو حق الرجوع،

لزوال المانع وهو الزيادة۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اسی طرح اگر کوئی کنیز اپنے شوہر کی وفات کی عدت میں ہو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے آقا کی خدمت کے لیے عدت کے مکان سے باہر نکلے، لیکن اگر اس کنیز کو عدت کے درمیان آزاد کر دیا گیا تو اب اس پر حرہ (آزاد عورت کا) حکم عائد ہوگا، اور عدت کے اندر مکان سے نکلنا جائز نہ رہے گا اس لیے کہ مانع زائل ہو گیا اور حکم ممنوع واپس آ گیا:

ومنها أن الأمة المعتدة من زوج، لها الخروج من بيت عدتها

لخدمة مولاها، فلو اعتقتها يلزمها فيما بقي من عدتها ما يلزم الحرة

من المكث في بيت عدتها، لأن المانع قد زال فعاد الممنوع۔<sup>(۲)</sup>

۴..... اسی طرح جس کتابیہ عورت کو اس کے مسلمان شوہر نے طلاق دے دی ہو اس کے لیے عدت کے دوران عدت کے مکان سے باہر نکلنا جائز ہوگا اس لیے کہ سکونت کا حق ایک حیثیت سے اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس طرح یہ ایک عبادت ہے اور کتابیہ عورت اس کی مکلفہ نہیں، البتہ اگر عدت کے درمیان اسلام لے آئی تو اس پر مسلمہ کی طرح عدت کے احکام جاری ہوں گے اس لیے کہ دین کا اختلاف ان احکام کے اجراء سے مانع تھا اور جب یہ مانع زائل ہو گیا تو اب حکم مرتب ہوگا اور سکونت واجب ہوگی:

كذلك الكتابية المطلقة من مسلم لها أن تخرج لأن السكنى حق

الله تعالى من وجه، فتكون عبادة من هذا الوجه، وهي غير

مخاطبة بذلك لكن إذا أسلمت وهي في العدة، لزمها فيما بقي من

العدة ما يلزم المسلمة، لأن المانع من اللزوم هو اختلاف الدين،

وقد زال بالإسلام، فعاد الممنوع، وهو اللزوم۔<sup>(۳)</sup>

۵..... اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنی مکاتبہ کنیز کے بچہ کا اپنا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۲

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۱

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۲

مدعی سے اس بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا اس لیے کہ کنیز کے بچے کا نسب اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی ملکیت ثابت نہ ہو اور مکاتبہ کنیز مملوکہ ہونے کا محل نہیں ہوتی اس بناء پر اس شخص کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا، لیکن اگر یہ کنیز کتابت کے مال ادا کرنے سے عاجز ہوگئی تو اس شخص کا دعویٰ نسب صحیح ہو کر نسب ثابت ہو جائے گا، کیونکہ مانع کے زوال کے بعد حکم ممنوع لوٹ آتا ہے:

ومنها ما لو ادعى ولد مكاتبة ابنه لم يثبت نسبه منه لأن النسب لا يثبت بدون الملك، والمكاتبة لا تحتل التملك، فلا تصح دعوته لكن إذا عجزت تنفذ دعوته لأنها بالعجز عادت قنا، فتصح فقد عاد

الممنوع وهو الصحة، بزوال المانع وهو الكتابة۔<sup>(۱)</sup>

۶..... ماں یا جس عورت کی زیر پرورش کوئی بچہ ہو جب وہ کسی مانع کی وجہ سے اپنا حق حضانت ساقط کر بیٹھے مثلاً کسی اجنبی شخص سے نکاح (ثانی) کر لے اس کے بعد یہ ثانی شوہر اس کو طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو اس عورت کا حق حضانت واپس آ جائے گا:

ومنها أن الأم أو غيرها من أهل الحصانة إذا سقط حقها من حضانة الولد لمانع كأن تزوجت من أجنبي مثلاً ثم طلقها الزوج أو مات عنها، عاد حقها لزوال المانع۔<sup>(۲)</sup>

۷..... اگر کسی شخص نے اپنے وارث کے غلام کے لیے وصیت کی یہ وصیت صحیح ہونے سے قبل غلام آزاد ہو گیا تو وصیت صحیح ہو جائے گی کیونکہ اس کی غلامی کی حالت مانع تھی اور وہ زائل ہو چکی:

ومنها لو أوصى لعبد و ارثه لا تصح الوصية، سواء كان على العبد دين أولاً، فإذا عتق قبل موته صحت، لأن الرقبة كانت مانعة من الصحة، وقد زالت فعاد الممنوع وهو الصحة۔<sup>(۳)</sup>

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۳

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۳

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۲

۸..... اگر کسی ایسی شئی کو جو تقسیم کی صلاحیت رکھتی تھی غیر منقسمہ حالت میں کرایہ پر دیا گیا تو یہ عقد جائز نہ ہوگا، لیکن اگر اس کے بعد اس کو تقسیم کر دیا گیا تو یہ عقد صحیح ہو جائے گا اس لیے کہ مانع زائل ہو گیا:

ومنها لو آجر مشاعاً یحتمل القسمة لا یجوز، لکن إذا قسم وسلم  
جائز، لزوال المانع فیعود الممنوع۔<sup>(۱)</sup>

## قاعدہ نمبر (۲۴)

الضَّرَرُ لَا يَزَالُ بِمِثْلِهِ۔<sup>(۲)</sup>

کسی ضرر کا اس کے مثل ضرر اختیار کر کے ازالہ نہ کیا جائے گا۔

## تشریح

جب ایک ضرر کو دوسرے ضرر سے جو اس کے مثل ہوگا اس سے دور کریں گے تو ایک جانب سے ضرر دور ہوگا اور دوسری جانب ضرر برقرار رہے گا یا اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک جگہ سے ضرر ختم ہوتے ہی دوسری جگہ ضرر شروع ہو جائے گا، اور ضرر جو ایک آدمی کے حق میں ضرر ہے وہ اسی طرح دوسرے کے حق میں بھی ضرر ہے کیونکہ سب انسان شریعت کی نظر میں برابر ہیں تو کسی کو یہ بات روا نہیں کہ وہ دوسرے کو حقیر جان کر اس کو ضرر پہنچائے اس کے لیے ایسا عمل کرنا جائز نہیں ہے، اور اصل میں تو ضرر کو ختم کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس صورت میں ضرر ختم نہیں ہوتا بلکہ ایک جگہ سے ختم ہو کر دوسری جگہ ضرر پیدا ہو جاتا ہے، تو اس سے اصل منشاء شریعت بھی پورا نہ ہوا کیونکہ ضرر ختم نہیں ہوا۔

ضرر کا ازالہ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ اس کے ازالہ سے بالکل دوسرا ضرر لازم نہ آئے یا لازم آئے مگر اس ضرر سے کم درجے کا ہو اور اگر صورت حال یہ ہے کہ ایک ضرر کے ازالہ

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۳

(۲) الأشباه والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۸۸ مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۹

سے دوسرا اسی کے مثل لازم آتا ہے یا اس سے بڑھ کر لازم آتا ہے تو اس صورت میں ازالہ صحیح نہ ہوگا۔

## تفریعات

۱..... اگر کسی مسلمان کو قتل کی دھمکی دی جائے کہ تم دوسرے مسلمان کو قتل کرو ورنہ تمہیں قتل کیا جائے گا تو اس صورت میں اپنی جان بچانے کے لیے دوسرے مسلمان کو قتل کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں ازالہ ضرر بمثل ضرر لازم آ رہا ہے، بخلاف اس صورت کے کہ کسی مسلمان کو قتل کی دھمکی دے کر کسی مسلمان کے مال لینے یا کھانے پر مجبور کیا گیا ہو کہ اس وقت یہ ضرر اول ضرر سے کم درجہ کا ہے:

ومن فروع هذه القاعدة ما لو اكره على قتل المسلم بالقتل مثلا،

لا يجوز لأن هذا ازالة الضرر بضرر مثله، بخلاف اكل ماله، فانه

ازالة الضرر بما هو أخف۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر ایک شخص بھوک سے نڈھال ہو اور دوسرے شخص کے پاس اتنا کھانا ہو کہ بمشکل اس کی ضرورت اس سے پوری ہو سکے اور اس سے کھانا لے لیا جائے تو اس کے بچنے کی بھی امید نہ رہے تو ایسی صورت میں پہلے شخص کو بھوکا مرنے سے بچانے کے لیے دوسرے شخص سے کھانا لے کر اس کو نہیں دیا جائے گا۔

۳..... ایک غلام شہر میں آیا اور (تاجروں سے) بیان کیا کہ اس کے آقا نے اس کو تجارت کی اجازت دے دی ہے، تجار نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے تجارت کا لین دین اس کے ساتھ شروع کر دیا جس سے غلام کے ذمہ پر (تجار) کا قرضہ واجب ہو گیا، تو اس قرضے کی ادائیگی میں اس غلام کا مال مکسوبہ تو فروخت کیا جاسکے گا لیکن اس کی ذات کو فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ اس کی ذات آقا کی ملکیت ہے، اس کے فروخت کر دینے

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۳



سے آقا کو اسی طرح کا ضرر پہنچے گا جس طرح قرض خواہوں کو پہنچ رہا ہے، اور یہ ازالہ ضرر بمثل ضرر اول ہوگا جو کہ درست نہیں:

عبد قدم مصرا، وقال أنا عبد فلان مأذون فی التجارة، فصدقوه  
وبایعوه حتی صار مديونا، یباع کسبه لا رقبتہ، لأن الرقبة لمولاه  
فلو بیعت لتضرر بغير حق فيكون ازالة الضرر عن الغرماء بمثله،  
وهو ضرر المولى۔ (۱)

۴..... کسی تنگ دست کے لیے ضروری قرار نہیں دیا جاسکتا کہ وہ دوسرے غریب رشتہ داروں کی کفالت کرے۔

۵..... کسی شخص کے کھیت کو ضرورت سے زائد پانی خراب کر رہا ہو یا اس کے مکان کو نقصان پہنچا رہا ہو تو مالک مکان یا مالک اراضی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے کھیت یا گھر کو نقصان سے بچانے کے لیے اس پانی کو دوسرے کے کھیت یا مکان میں بہا دے۔

۶..... جب مشتری کے قبضہ میں بیع کے اندر کوئی عیب پیدا ہو گیا پھر ایسا عیب بھی ظاہر ہو گیا جو بائع کے پاس پیدا ہوا تھا تو مشتری کو اس قدیم عیب کی وجہ سے بیع کی واپسی کا حق نہ ہوگا، اس لیے کہ ضرر کا ازالہ اس کے مثل ضرر سے نہیں ہو سکتا، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ضرر قدیم کی بناء پر بیع کی قیمت کے نقصان کی رقم واپس لے کیونکہ یہ ضرر اول سے کم درجہ کا ہے:

إذا حدث فی المبیع عیب عند المشتري ثم ظهر فیہ عیب قدیم  
کان عند البائع فليس للمشتري أن یرده علی بائعه بالعیب القدیم  
لأن الضرر لا یزال بمثله، بل له الرجوع بنقصان العیب فقط،  
فیدفع بقدر الامکان و هذا أخف الضررین۔ (۲)

۷..... کسی شخص کے لیے شدت بھوک میں یہ جائز نہیں ہے کہ اپنی جان بچانے کے لیے دوسرے انسان کے کسی عضو کو کاٹ کر کھائے اگرچہ وہ اجازت ہی کیوں نہ دے، کیونکہ

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۳، ۶۴ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۴

شرعاً دونوں نفوس کا احترام برابر ہے۔

۸..... اگر (کسی شخص کی) مرغی نے (دوسرے کا) موتی کھا لیا یا گائے نے ہانڈی میں اپنا سر پھنسا دیا یا گائے کا بچہ کسی کے پاس ودیعت رکھا گیا تھا اور وہ مکان میں پلتا رہا حتیٰ کہ اتنا بڑا ہو گیا کہ دروازے سے نکلنا مشکل ہو گیا، دیوار گرائے بغیر مکان سے باہر نہیں آسکتا، تو جس شخص کو زیادہ ضرر لاحق ہوتا ہو اس کے حق میں کم ضرر والا ضامن ہوگا، اس لیے کہ اصول یہ ہے کہ ”إن الضرر الأشد يزال بالأخف“ کم درجہ کے ضرر سے شدید ضرر کا ازالہ کیا جاتا ہے:

ومنها ابتعلت دجاجة لؤلؤة أو أدخل البقر رأسه في قدر أو أودع  
فصيلاً فكبر في بيت المودع ولم يمكن إخراجه إلا بهدم الجدار  
يضمن صاحب الأكثر قيمة الأقل قال: والأصل ان الضرر الأشد  
يزال بالأخف۔<sup>(۱)</sup>

۹..... کسی شخص کے گھر میں پانی کے اخراج کی نالی درست نہ ہو جس سے گھر میں پانی جمع ہو جاتا ہو تو یہ درست نہیں ہے کہ نالی گلی میں، اس طرح نکالی جائے کہ گلی میں پانی جمع ہو جائے اور گزرنے والوں کو دشواری کا سامنا کرنا پڑے۔

## قاعدہ نمبر (۲۵)

يُتَحَمَّلُ الضَّرَرُ الْخَاصُّ لِدَفْعِ ضَرَرٍ عَامٍ۔<sup>(۲)</sup>  
ضرر عام کے دفعیہ کے لیے ضرر خاص قابل برداشت ہوگا۔

تشریح

عمومی طور پر انسانی معاشرے کے اجتماعی مسائل و معاملات کو اس اصول کے تحت

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲: الدر المختار: كتاب الغصب، مطلب في رد المغصوب و فيما لو ابي المالك قبوله، ج ۲ ص ۱۹۲

(۲) الأشباه والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۸۸ مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۹

طے کیا جاتا ہے، ضررِ عام کی حیثیت و اہمیت ضررِ خاص سے بہت زیادہ ہے، اس اصول کے پیش نظر جب کئی افراد کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو ایک خاص فرد کو بچانے کی خاطر تو اس وقت اس خاص فرد کے ضرر کو برداشت کیا جائے گا اور عام لوگوں کو ضرر سے محفوظ رکھا جائے گا، بایں معنی کہ ضررِ عام کو حالتِ ضرورت کا درجہ دیا جائے گا اور اس کا اعتبار کرتے ہوئے اس وقت ضررِ خاص کو برداشت کیا جائے گا، اور اس حالتِ خاص کو عام پر قربان کیا جائے گا تاکہ عمومی افراد ضرر سے محفوظ رہیں گویا ضررِ عام کو خاص پر ترجیح ہوگی، اس اصول کے تحت اجتماعی معاملات و مسائل کو تقویت ملتی ہے اور اس سے عمومی فضاء درست رہتی ہے، ورنہ چند افراد کی وجہ سے سارا معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو سکتا ہے۔

## تفریعات

۱..... ساحر کا اور ایسے کافر کا جو لوگوں کو کفر کی دعوت دیتا ہو قتل کر دینے کا حکم بھی اس سلسلے سے متعلق ہے اس لیے کہ اول انسانوں کو فتنہ میں مبتلا کرتا ہے اور دوسرا انسانوں کے دین (ولمت) پر حملہ آور ہوتا ہے اس لیے کہ انسانوں کے (نفس و دین) کی حفاظت کے لیے جو کہ ضررِ عام ہے (ان دونوں کے قتل) ضررِ خاص کو اختیار کر لیا جاتا ہے:

ومن هذا القبيل قتل الساحر المضر والكافر المضل، لأن هذا

يفتن الناس، وهذا يدعوهم إلى الكفر ويهدم دينهم، فيتحمل

الضرر الأخص لدفع الأعم۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر کفار مسلمان بچوں کو اپنی حفاظت کے لیے اپنی ڈھال بنا لیں تب بھی کفار پر

تیر اندازی جائز ہوگی، چونکہ بچوں کا ضررِ ضررِ خاص ہے اور عامۃ المسلمین پر حملہ ضررِ عام ہے:

ومن فروعها أيضا جواز الرمي إلى كفار تترسوا بصبيان المسلمين

لدفع ضرر زحفهم على العموم۔<sup>(۲)</sup>

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۷

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۷

۳..... اگر کسی شخص کی دیوار عام راستے کی طرف جھک گئی ہو اس کو ضررِ عام کے دفع کرنے کی خاطر منہدم کر دیا جائے گا:

ومنها وجوب نقض حائط مملوك إلى طريق العامة على مالكة،

دفعًا للضرر العام۔ (۱)

۴..... اگر غلہ فروخت کرنے والے تاجروں نے نرخ میں ایسا اضافہ کر دیا ہو جو عام لوگوں کے حق میں ضرر کا باعث ہو گیا ہو تو ماہرین تجارت کے مشورے سے غلہ کا بھاؤ حکومت کی طرف سے مقرر کر دیا جائے گا:

ومنها التسعير بسعر معتدل بمعرفة أهل الخبرة عند تعدى أرباب

الطعام في بيعه بغبن فاحش، دفعًا للضرر العام۔ (۲)

۵..... امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تین وجہ سے ایک عاقل بالغ آزاد شخص کے تصرفات پر پابندی لگانا جائز ہوگی، جبکہ مفتی حیلہ ساز ہو، طبیب عطائی ہو، کرایہ پر اشیاء دینے کا کاروبار کرنے والا بذات خود مفلس ہو، تاکہ عامۃ الناس کو دینی اور جانی و مالی نقصان نہ پہنچے:

ومنها جواز الحجر على العاقل البالغ الحر عند الامام الأعظم في

ثلاثة: المفتي الماجن والطبيب الجاهل المكارى المفلس، دفعًا

للضرر العام في الدين والنفس والأموال۔ (۳)

۶..... کسی جگہ اگر آگ لگ جائے تو آگ کو روکنے کے لیے اس کی ملحق جگہ یا مکان میں مناسب توڑ پھوڑ کر کے آگ پر قابو پایا جاسکتا ہے تاکہ زیادہ تباہی سے بچا جاسکے اور آگ پر کنٹرول حاصل کیا جاسکے۔

۷..... نا تجربہ کار ڈاکٹر کو آپریشن اور علاج کرنے سے اس وقت تک روکا جاسکتا ہے جب تک کہ وہ مستند ڈاکٹر نہ بن جائے تاکہ لوگوں کی جانوں کو خطرہ لاحق نہ ہو۔

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۷

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۷

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۷

۸..... اگر کسی نے ایسی جگہ کوئی عمارت بنائی جہاں لوگوں کے اجتماعی مفادات میں مثلاً عید گاہ وغیرہ ہے تو اُسے گرایا جائے گا، اور یہ گرانہ اجتماعی مفادات کی خاطر درست ہے۔

۹..... کسی کارخانے کے دھوئیں یا شور سے عوام کو بچانے کے لیے کوئی قدم اٹھانا جائز ہے، خواہ اس میں کارخانے کے مالک کو نقصان اٹھانا پڑے اس لیے کہ ضررِ عام سے بچنے کے لیے ضررِ خاص کو برداشت کیا جاتا ہے۔

۱۰..... کسی مکان سے مسلسل گندا پانی بہ رہا ہو جس سے راستے میں چلنے والوں کو تکلیف کا سامنا ہو تو مالکِ مکان کو اس گندے پانی کے غیر ضرر طریقے سے نکاسی کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، قومی اور اجتماعی مفادات کو ذاتی اور انفرادی مفادات پر ترجیح دی جائے گی۔

## قاعدہ نمبر (۲۶)

الضَّرُّ الْأَشَدُّ يُزَالُ بِالضَّرِّ الْأَخْفِ۔ (۱)

شدید ضرر کا ازالہ نسبتاً خفیف ضرر سے کیا جائے گا۔

## تشریح

اگر دو نقصان آپس میں ٹکرا رہے ہوں اور ان میں سے کسی ایک کو برداشت کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہوں گی یا تو دونوں نقصان برابر کی حیثیت رکھتے ہوں گے، اگر یہ صورت ہو تو ”الضرر لا يزال بمثله“ والا ضابطہ لاگو ہوگا کہ جو نقصان ہو چکا ہے اس کو برداشت کیا جائے گا اور اس کو زائل کرنے کے لیے دوسرا اس جیسا نقصان کرنے کی اجازت نہ ہوگی، اور اگر صورت حال یہ ہو کہ دونوں نقصانوں میں سے ایک بڑا ہو تو بڑے نقصان کو ختم کرنے کے لیے چھوٹا نقصان برداشت کیا جائے گا۔

## تفریعات

۱..... اگر کسی شخص کو ایسا زخم ہو جو سجدہ کرنے سے جاری ہو جاتا ہو تو اس شخص کو بیٹھ کر

(۱) مجلة أحكام العدلية: ص ۱۹ شرح القواعد الفقهية: القاعدة السادسة والعشرون، ص ۱۹۹

اشاروں سے نماز ادا کرنی چاہیے اس لیے کہ نماز کو بے وضو ادا کرنے کے مقابلے میں سجدے کا ترک کر دینا آسان ہے:

فلو كان رجل له جرح، لو سجد سال جرحه يومي ويصلي قاعدا

لأن ترك السجود أهون من الصلاة مع الحدث۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر کوئی بوڑھا شخص کھڑے ہو کر قرآن کی تلاوت نہ کر سکتا ہو، صرف بیٹھ کر

پڑھ سکتا ہو تو اس کو بیٹھ کر نماز ادا کرنا ہوگی اس لیے کہ نقلی نماز بغیر عذر کے اختیاری شکل میں بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے لیکن قراءت کا ترک کرنا کسی بھی حالت میں جائز نہیں:

شيخ لا يقدر على القراءة قائما ويقدر عليها قاعدا، يصلي قاعداً

لأنه يجوز حالة الاختيار في النفل، ولا يجوز ترك القراءة بحال۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اگر کسی عورت کو کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے میں اتنی پردہ پوشی نہیں رہتی جس

سے اس کی نماز صحیح ہو سکے لیکن بیٹھ کر نماز ادا کرنے میں یہ پردہ پوشی حاصل ہو جاتی ہے، تو اس کو بیٹھ کر نماز ادا کرنا ہوگی اس لیے کہ قیام کا ترک کر دینا کشفِ عورت کے مقابلے میں آسان ہے:

ولو أن امرأة لو صلت قائمة ينكشف من عورتها ما يمنع جواز

الصلاة، ولو صلت قاعداً لا ينكشف منها شيء فانها تصلي قاعداً،

لأن ترك القيام أهون وتمامه هناك۔<sup>(۳)</sup>

۴..... اگر کسی شخص کی مرغی دوسرے شخص کا موتی کھا جائے اور موتی کی قیمت مرغی

سے زیادہ ہو تو موتی کا مالک مرغی کی قیمت ادا کر کے مرغی کا مالک ہو جائے:

كذلك لو ابتلعت دجاجة لؤلؤة آخر وكانت قيمة اللؤلؤة أكثر،

(۱) شرح المجلة: ص ۶۸ / البحر الرائق: كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ج ۱ ص ۲۸۹

(۲) شرح المجلة: ص ۶۸ / البحر الرائق: كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ج ۱ ص ۲۸۹

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۸ الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، الباب الثالث،

الفصل الأول، ج ۱ ص ۵۹



یضمن صاحب الولوة قيمة الدجاجة لصاحبها ویتملكها۔<sup>(۱)</sup>

۵..... اگر کسی مانع عیب کے پیدا ہو جانے سے بیع کی واپسی جائز نہ رہی مثلاً مشتری کے پاس بیع میں کوئی عیب پیدا ہو گیا یا یہ کہ بیع میں ایسی زیادتی کر دی گئی جو اس سے جدا نہیں ہو سکتی جیسے کپڑا جس کو رنگ دیا گیا تو اب مشتری (بائع سے) عیب کے نقصان کے حصہ کو اس سے وصول کرے گا اس لیے کہ اگر ہم یہ طریقہ اختیار کریں کہ مشتری پر بیع کا لینا بغیر رجوع نقصان کے لازم کر دیں تو اس سے مشتری کو ضرر پہنچے گا، اور اگر اس جدید عیب کے ساتھ بائع پر جبراً واپس کرنے کا حکم دے دیں یا جو زیادتی پیدا ہو گئی ہے اس کی قیمت ادا کر کے واپس لینے کا حکم دے دیں تو یہ بائع کا ضرر ہوگا، لہذا یہاں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان دونوں ضرروں میں سے خفیف ضرر کونسا ہے جو خفیف ہوگا اسی کو اختیار کیا جائے، جس کی یہی صورت ہے کہ مشتری کو بائع کے پاس پیدا شدہ عیب کے نقصان کا معاوضہ دلا دیا جائے:

ولو امتنع الرد بالعیب لمانع، كما لو حدث فی المبیع عیب عند مشتری او أحدث فیہ زیادة متصلة كثوب صبغه یرجع مشتری بنقصان العیب، اذ لو اعتبر المانع وألزم به مشتری بدون رجوع بنقصان العیب، فهو ضرر علیه ولو أجبر البائع علی الرد وقبوله بالعیب الحادث او تضمنه قيمة الزیادة المتصلة فهو ایضا ضرر علیه فیختار اخف الضررين فی حق الجانبین وهو الرجوع بالنقصان۔<sup>(۲)</sup>

۶..... مال دار قریبی رشتہ داروں کو پابند کیا جائے گا کہ وہ تنگ دست رشتہ داروں کی کفالت کریں کیونکہ مال داروں کا کچھ مالی نقصان غریب رشتہ داروں کی زندگیوں سے زیادہ اہم نہیں ہے۔

(۱) شرح المجلة: ص ۶۸ / تبیین الحقائق: کتاب الغصب، ج ۵ ص ۲۲۹

(۲) شرح المجلة: ص ۶۹

## قاعدہ نمبر (۲۷)

إِذَا تَعَارَضَ مُفْسِدَتَانِ رُوِيَ أَعْظَمُهُمَا ضَرَرًا يَارْتِكَابِ أَخْفَهُمَا۔<sup>(۱)</sup>  
 جب دو خرابیوں کے درمیان ابتلاء ہو جائے تو ان میں سے آسان کو اختیار کر لیا  
 جائے۔

ماخذ

یہ اصول حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مفہوم مخالف سے اخذ کیا گیا ہے:  
 مَا خَيْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا  
 لَمْ يَأْتِمْ۔<sup>(۲)</sup>

ہر وہ چیز جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو اموروں کے بارے میں اختیار دیا  
 جاتا تو ان میں سے جو زیادہ آسان ہو اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اختیار  
 فرماتے جب تک کہ اس میں گناہ نہ ہوتا۔

اس حدیث کے مفہوم مخالف سے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ اگر  
 دو برائیاں درپیش ہوں اور ان سے مخلص کا کوئی چارہ نہ ہو تو ان میں سے ہلکی برائی کو اختیار کیا  
 جائے گا تاکہ بڑی برائی یا بڑے نقصان سے نجات مل سکے۔

## تفریعات

..... کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنی جان کو کسی ہلاکت میں ڈالے لیکن اگر  
 اس پر دو مصیبتیں آجائیں جن میں سے ایک دوسری کی بہ نسبت آسان ہو مثلاً اس کو قتل کی  
 دھمکی دے کر یہ کہا جائے کہ یا تو وہ چار گز بلندی سے اپنے آپ کو نیچے گرا دے ورنہ اس کو قتل

(۱) الأشباه والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۹۰ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۹  
 (۲) صحيح بخاری، كتاب الحدود، باب اقامة الحدود والانتقام لحرمة الله، ج ۸ ص ۱۶۰، رقم  
 الحديث: ۶۷۸۲

کر دیا جائے گا تو اس وقت اس کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ اپنے آپ کو مذکورہ بلندی سے گرا دے کیونکہ اس مصیبت میں نجات کا احتمال موجود ہے لہذا آسان کو اختیار کر لے:

لو هدد بالقتل علی ان یرمی بنفسه من مکان مرتفع عن الأرض  
مقدار أربعة أذرع مثلاً يجب علیه رمی نفسه لاحتمال النجاة فیختار  
أهون الشرین۔ (۱)

۲..... اگر ماں فوت ہو جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچے کی موجودگی کا یقینی علم ہو تو ماں کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکالنا جائز ہے۔

۳..... اگر کسی شخص کے جسم پر ایسا زخم ہے جو سجدہ کرتے وقت بہنے لگتا ہے یا شدید درد ہوتا ہے تو اس وقت اشارے سے نماز پڑھنا جائز ہے اس لیے کہ سجدہ کا ترک کرنا آسان ہے بہ نسبت نماز کو حدیث کے ساتھ پڑھنے کے:

رجل علیہ جرح لو سجد سال جرحه و إن لم یسجد لم یسل، فانه  
یصلی قاعدا یومی بالرکوع والسجود لأن ترک السجود أهون من  
الصلاة مع الحدث۔ (۲)

۴..... اگر مقروض کسی کا قرض ادا نہ کرے یا خاوند بیوی اور بچوں کا نان نفقہ ادا نہ کرے تو اس کو قید کرنا جائز ہے کیونکہ اس وقت اس کی غفلت سے بیوی بچوں کو جو ضرر ہوتا ہے وہ اس کے قید کے ضرر سے بڑا ہے لہذا اس کا اختیار کرنا درست ہے۔

۵..... کسی مضطر یعنی شدید بھوک والے آدمی کے پاس مردار کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کا کھانا پڑا ہے تو بغیر اجازت کے اس کو کھا سکتا ہے اس حالت میں مردار سے اجتناب بہتر ہے اور مردار کے مقابلے میں طعام غیر کے کھانے کو ترجیح دے، البتہ بعد میں اس کھانے کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، لیکن اگر یہ کھانا دوسرے مضطر کا ہو تو پھر اس کا کھانا درست نہیں ہے کیونکہ اس حالت میں وہ بھی اس کی طرح مجبور و مضطر ہے لہذا ایک مضطر کو

(۲) الأشباه والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۹۰

(۱) شرح المجلة: ص ۶۹

دوسرے مضطر پر ترجیح نہ ہوگی۔

۶..... اگر کسی شخص نے دوسرے کی لکڑی غضب کر کے اپنے مکان میں لگالی اب لکڑی کے نکالنے سے یا تو وہ صحیح نہیں نکلتی یا نقصان ہوتا ہے جو لکڑی کی قیمت سے زیادہ ہے تو اس وقت لکڑی کی قیمت ادا کی جائے گی اور غاصب اس لکڑی کا مالک بن جائے گا۔

## قاعدہ نمبر (۲۸)

يُخْتَارُ أَهْوَنُ الشَّرِيْنِ - (۱)

دو برائیوں میں سے کمتر برائی کو اختیار کیا جائے گا۔

تشریح

اگر بیک وقت دو غلط کام سامنے ہوں جن میں سے ایک پر عمل ضروری ہو اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ ان میں سے جس کام میں غلطی کم ہو اسے اختیار کیا جائے گا اور جس میں شدید نقصان یا برائی ہوگی اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اس اصول کو ان الفاظ میں بھی بیان کیا ہے۔

من ابتلی ببليتين وهما متساويتان يأخذ بأيتهما شاء وإن اختلفتا

يختار أهونهما - (۲)

اگر کوئی شخص دو برابر کی ضرر رساں چیزوں میں مبتلا ہو جائے تو اس کو اختیار ہے جس کو چاہے قبول کرے اور اگر وہ دونوں باہم مختلف ہوں تو ایسی چیز قبول کی جائے جس میں نقصان کم ہو۔

بنیادی طور پر کسی بھی ضرر رساں چیز کو اختیار کرنا ممنوع ہے، مگر زندگی کے گونا گوں معاملات میں ایسی صورتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں کہ کسی ضرر رساں عمل کو اختیار کیے بغیر چارہ نہیں رہتا ان حالات میں شریعت جو کہ دین فطرت ہے اس نے اصول مرتب کئے ہیں۔

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۹ شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثامنة والعشرون، ص ۲۰۳

(۲) الأشباه والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۹۰

## تفریعات

۱..... اگر کسی شخص کی ملکیت بلا قصد و ارادہ اس کے قبضہ سے نکل جائے مثلاً ایک شخص کا باغیچہ پہاڑی پر لگایا ہوا تھا اور دوسرے شخص کا اس پہاڑی کے دامن میں تھا، اور پہاڑی نیچے کے باغیچہ پر مع اوپر کے باغیچہ کے گر پڑی تو اس صورت میں جس کی قیمت زیادہ ہو وہ شخص کم قیمت والے کے لیے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، اور یہ زائد قیمت والا دونوں باغیچوں کا مالک ہو جائے گا، مثلاً فوقانی باغیچہ کی قیمت پانچ سو روپیہ تھی اور تحتانی باغیچہ کی قیمت ایک ہزار تھی تو یہ دوسرا شخص اول کو پانچ سو روپیہ ادا کرنے کے بعد دونوں باغیچوں کا مالک ہو جائے گا:

لو خرج ملك احد من يده بلا قصد، كما لو سقط جبل بما عليه  
من الروضة على الروضة التي تحته يتبع الأقل في القيمة الأكثر،  
يعنى يضمن صاحب الأرض التي قيمتها أكثر لصاحب الأقل  
ويتملك تلك الأرض، مثلاً لو كان قبل الانهدام قيمة الروضة  
الفوقانية خمس مائة والتحتانية ألفاً، يضمن صاحب الثانية لصاحب  
الأولى قيمتها ويتملكها۔<sup>(۱)</sup>

۲..... کسی پالتو جانور میں ایسی بیماری پیدا ہو جائے جس کے پھیل جانے کا اندیشہ ہو تو ایسے جانور کو ہلاک کر دیا جائے گا اگرچہ اس کے مالک کو نقصان بھی اٹھانا پڑے۔  
۳..... احرام کی حالت میں بھوک شدت کی ہو تو مردار یا خنزیر کے بجائے شکار کا جانور کھالینا بہتر ہے:

ولو اضطر المحرم و عنده ميتة وصيد اكلها دونه على المعتمد،  
وعن محمد الصيد أولى من لحم الخنزير۔<sup>(۲)</sup>

(۲) الأشباه والنظائر: ص ۹۱

(۱) شرح المجلة: ص ۷۵

۴..... احرام کی حالت میں بھوک شدت کی ہو اور شکار موجود ہو تو دوسرے کا مال استعمال کرنے کی بجائے شکار کا جانور کھالینا بہتر ہے:

وعندہ صید و مال الغیر فالصید اولیٰ۔<sup>(۱)</sup>

۵..... ایک بحری جہاز تیزی سے جا رہا ہے اچانک اس کے کپتان نے دیکھا کہ سامنے ایک کشتی ہے جس میں چند مسافر سوار ہیں دوسری طرف ایک جہاز ہے جس میں بہت سے افراد سوار ہیں، اور جہاز کو صرف انہی دو اطراف کی طرف موڑا جاسکتا ہے، تو جہاز کو کشتی کی طرف موڑ لینا جائز ہے خواہ کشتی کے مسافروں کو نقصان پہنچے کیونکہ جہاز میں مسافر زیادہ ہیں اس قسم کی صورت حال بس کے ڈرائیور کو بھی پیش آسکتی ہے۔

۶..... ایک شخص مجبور ہو کر کوئی دوسری راہ نہ پا کر اپنے پاس رکھی ہوئی امانت کو استعمال میں لاتا ہے تو صرف اس قدر خرچ کرے جس قدر سخت ترین ضرورت کا تقاضا ہو، یہ نہیں کہ محض ضرورت کا بہانہ بنا کر دوسرے کا سارا مال چٹ کر جائے۔

۷..... اگر کسی کے ہاتھ سے ایک موتی اتفاقاً گر گیا اور کسی مرغی نے موتی کو چُک لیا تو موتی کا مالک قیمت ادا کر کے مرغی کو لے لے گا، مثلاً موتی کی قیمت تھی پچاس روپے اور مرغی کی قیمت تھی پانچ روپے تو موتی کا مالک مرغی کے مالک کو پانچ روپے دے کر مرغی خرید لے گا۔

## قاعدہ نمبر (۲۹)

دَرُّ الْمَفَاسِدِ أَوْلَىٰ مِنْ جَلْبِ الْمَنَافِعِ۔<sup>(۲)</sup>

مفاسد کا دفع کرنا منفعت کے حصول سے اولیٰ ہے۔

تشریح

شریعت کا بنیادی مقصد برائیوں کا خاتمہ ہے کیونکہ برائیوں کا خاتمہ ہی اچھائیوں کے

(۱) الأشباه والنظائر: ص ۹۱ (۲) الأشباه والنظائر: ص ۹۱ مجلة الأحكام العدلیة: ص ۱۹



حصول کا اولین اور بہترین راستہ ہے، اس لیے زیادہ زور اسی پر دیا گیا ہے کہ معاشرتی زندگی سے برائیاں ختم کر دی جائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إذا امرتکم بشیء فأتوا منه ما استطعتم و إذا نہیتکم عن شیء

فدعواہ۔ (۱)

جب میں کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق کر لیا کرو اور

جس چیز سے میں منع کروں تو اس سے بالکل رک جایا کرو۔

شریعت نے ممنوعات کو مامورات کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی ہے۔

## تفریعات

..... ایک مکان کی تحتانی منزل ایک شخص کی ہے اور فوقانی منزل دوسرے شخص کی ہے، فوقانی منزل کے مالک کا یہ حق ہے کہ اس میں سکونت و قیام کرے اور تحتانی منزل کا مالک یہ حق رکھتا ہے کہ اوپر کی چھت اس کے حق میں بارش وغیرہ (کے خطرات سے) محفوظ رہے، لہذا ان دونوں میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ بلا اجازت کوئی ایسا عمل کریں جو دوسرے کے لیے مضر ہو اور نہ یہ کہ عمارت میں (کسی دیوار وغیرہ) کے منہدم کرنے کا اقدام کریں، اس لیے کہ کسی شئی کے مالک ہونے کا تقاضہ اگرچہ یہ ہے کہ مالک اس میں جس طرح کا تصرف کرنا چاہیے کرے لیکن جب اس کی ملک سے کسی دوسرے کا حق بھی متعلق ہو گیا ہو تو ایسے تصرف سے منع کیا جائے گا جو دوسرے کے لیے مضر رساں ہو:

کل یتصرف فی ملکہ کیف یشاء لکن إذا تعلق حق الغیر بہ،

یمنع المالك من تصرفه علی وجه الاستقلال مثلا: سفلی ملک

واحد، وفوقانیہ لآخر، فلصاحب الفوقانی حق القرار ولصاحب

التحتانی حق السقف فی الفوقانی، یعنی بتسترہ من الشمس

(۱) مسند احمد: مسند المکثرین من الصحابة، مسند ابی ہریرة، ج ۱۶ ص ۳۵۵، رقم الحدیث:

وبتحفظه من المطر فليس لأحدهما أن يفعل شيئاً مضرًا إلا باذن الآخر ولا أن يهدم بناء نفسه لأن الملك وان كان من شأنه ان يتصرف فيه مالكة كيف شاء، لكن إذا كان للغير حق يتعلق به يمنع من التصرف بوجه يضر به۔<sup>(۱)</sup>

۲..... جب کسی عورت پر غسل فرض ہو اور اس کے لیے مردوں سے پردہ کر کے غسل کرنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو وہ نماز کو مؤخر کر دے:

إذا وجب عليها الغسل ولم تجد سترة من الرجال توخره۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اسی طرح کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا مسنون ہے لیکن روزے کی حالت میں یہ عمل مکروہ ہے:

و منها المبالغة في المضمضة و الاستنشاق مسنونة و تكره

للصائم۔<sup>(۳)</sup>

۴..... محرمات کی تجارت مثلاً شراب وغیرہ کی خرید و فروخت ممنوع ہے، اگرچہ اس میں کسی حد تک مالی نفع ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ إِشْتِهَاءَ أَكْبَرَ مِنْ تَفْعِيلِهِ۔<sup>(۴)</sup>

۵..... کوئی شخص اپنے گھر میں اس طرح کھڑکی نہیں نکال سکتا کہ اس کی وجہ سے دوسرے گھروالوں کی بے پردگی ہوتی ہو، خواہ اس کھڑکی سے گھروالے کو کچھ فائدہ بھی ہوتا ہو۔

۶..... موئے زیناف تراشنا مسنون ہے لیکن حالت احرام میں یہ مکروہ ہے:

و تخليل الشعر سنة في الطهارة و يكره للمحرم۔<sup>(۵)</sup>

۷..... جھوٹ بولنا شرعاً حرام ہے لیکن اگر اس میں کوئی عظیم مصلحت پوشیدہ ہو تو جواز کا درجہ حاصل کرے گا، چنانچہ لوگوں کے درمیان اصلاح کے لیے یا زوجہ کی اصلاح کے لیے

(۱) شرح المجلة: ص ۷۰، ۷۱

(۲) شرح المجلة: ص ۷۱ / البحر الرائق: كتاب الطهارة، باب الحيض، ج ۱ ص ۲۴۲

(۳) شرح المجلة: ص ۷۱ (۴) البقرة: ۲۱۹ (۵) الأشباه والنظائر: ص ۹۲

جائز ہوگا:

الكذب مفسدة محرمة وهو متى تضمن جلب مصلحة تربو عليه

جاز كالكذب للإصلاح بين الناس وعلى الزوجة لإصلاحها۔<sup>(۱)</sup>

۸..... قانون سازی میں اس امر کو ملحوظ رکھا جانا ضروری ہے کہ مفسد دور ہوں، منافع کے حصول کی کوشش میں کسی ایسے قانون کو نافذ نہ کیا جائے جس سے مفسد پھیلنے کا اندیشہ ہو، مثلاً ٹیکس کی متوقع آمدنی کی خاطر شراب سازی اور شراب کی تجارت کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

۹..... اس طرح زیادہ آمدنی کی لالچ میں جوئے، قمار بازی، زنا نہ رقص و سرور اور غیر ملکی سیاحوں کو بے حیائی کی حرکتیں کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

۱۰..... مالی مشکلات اور اساتذہ کی کمی کی مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر مخلوط تعلیم کو رواء نہیں رکھا جاسکتا، کیونکہ مخلوط تعلیم سے مفسد پیدا ہوتے ہیں، ان مفسد کو دور رکھنا اور دور کرنا اہم سے اہم مصلحتوں کو پس پشت ڈالنے سے بہتر ہے۔

## قاعدہ نمبر (۳۰)

الضَّرَرُ يُدْفَعُ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ۔<sup>(۲)</sup>

ضرر کو بقدر امکان دفع کیا جائے گا۔

تشریح

یہ قاعدہ کسی نقصان کے واقع ہونے سے قبل اس کو روکنے کے بارے میں احتیاطی تدابیر سے متعلق ہے کیونکہ پرہیز علاج سے بہتر ہوتی ہے، وہ نقصانات جن کا عام احتمال رہتا ہو ان کو روکنے کے لیے احتیاطی تدابیر کی جاتی ہیں، ایسا کرنا بہتر نہیں ہوتا کہ پہلے اس

(۱) الأشباه والنظائر: ص ۹۲

(۲) مجلة الأحكام العدلیة: ص ۱۹، شرح القواعد الفقہیة: القاعدة ثلاثون، ص ۵۰۷

نقصان کے واقع ہونے کا انتظار کیا جائے جب واقع ہوں پھر کچھ نہ کچھ کر لیں گے، ضرر کو دور کرنا بلاشبہ عین منشاء شریعت ہے لیکن اس کو صرف ممکن حد تک دور کیا جاسکتا ہے۔ ممکن سے مراد یہ ہے کہ ضرر دور کرنے میں صرف اس حد تک کوشش اور کام کیا جاسکتا ہے جس حد تک مالی اور مادی وسائل اجازت دیں، اور جس حد تک دوسرے افراد کسی نئے ضرر کا شکار نہ ہو سکیں۔

## تفریعات

۱..... اگر کوئی باپ اپنے بچے پر خرچ کرنے سے احتراز کرے تو اس کو بچہ کے نفقہ کے سلسلہ میں قید کر دیا جائے گا تا کہ بچے سے ہلاکت کے ضرر کو دفع کیا جاسکے، لیکن بچے کے دین کی (عدم ادائیگی) کی وجہ سے والد کو قید کر دینا جائز نہیں:

لو امتنع الأب من الانفاق علی ولده یحبس لدفع ضرر الهلاك

عن الولد، مع انه لا یحبس لأجل دینه۔ (۱)

۲..... فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ علی الاعلان مسلمانوں پر تلوار اٹھالیں تو مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ ضرورت پیش آنے پر ان کو قتل کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے مسلمانوں پر تلوار اٹھائی اس نے اپنے خون کو مسلمانوں کے لیے حلال کر دیا، اور اس لیے بھی کہ ایسے لوگ باغی کہلاتے ہیں ان کے دفع ضرر کے لیے ان کی عصمت ساقط ہو جاتی ہے:

من شہر علی المسلمین سیفا فعلیہم ان یقتلوا إذا مست الضرورة،

لقوله صلی اللہ علیہ وسلم: من شہر علی المسلمین سیفا فقد أحل

دمه ولأنه باغ فلضرورة دفع الضرر سقطت عصمته۔ (۲)

۳..... اسی طرح حالت اضطرار میں ایک مضطر دوسرے کے مال کو (بلا اجازت و

(۲) شرح المجلة: ص ۷۲

(۱) شرح المجلة: ص ۷۲

رضامندی) استعمال کر سکتا ہے لیکن (قدرت حاصل ہونے پر) اس کا ضمان ادا کرے گا، اس لیے کہ ضرر کا ازالہ بقدر امکان کیا جاتا ہے:

ومن فروعها أن للمضطر أن يأكل مال الغير، لكن عليه الضمان

لأن دفع الضرر بقدر الامكان۔ (۱)

۴..... اگر مشتری کے پاس بیع میں کوئی قدیم عیب ظاہر ہوا، ساتھ ہی اس میں ایسا عیب بھی پیدا ہو گیا ہو جو خود مشتری کے اپنے قبضہ میں پیدا ہوا ہے، تو بیع کی واپسی ممنوع ہوگی لیکن مشتری کے لیے بقدر امکان دفع ضرر کے لیے عیب قدیم کی وجہ سے قیمت کے نقصان کو بائع سے واپس لیا جائے گا:

لو ظهر في المبيع عيبٌ قديم، وقد طرأ عليه عيب آخر عند

المشتري امتنع رده، لكن لدفع الضرر بقدر الامكان يرجع

بنقصان العيب۔ (۲)

۵..... ایک لونڈی کے آقا نے اس کو اس شرط پر آزاد کیا کہ آزادی کے بعد وہ آقا سے نکاح کرے، تو لونڈی کو بذریعہ کسب اپنی قیمت آقا کو ادا کرنا ہوگی اور نکاح کے لیے اس کو مجبور نہ کیا جائے گا تا کہ بقدر امکان آقا کے ضرر کو دفع کیا جاسکے:

أمةٌ اعتقها سيدها على أن تتزوج فقبلت، ثم أبت، فانها تسعى في

قيمتها، ولا تجبر على التزوج دفعا لضرر المولى بقدر الامكان۔ (۳)

۶..... اگر کسی ایسے دستکار کو اجرت پر لیا گیا جس کی دستکاری سے شئی کی ذات میں

دستکاری کا اثر باقی رہتا ہو، مثلاً رنگ ریز کے رنگنے کا اثر کپڑے میں باقی رہتا ہے، اگر یہ

دستکار مالک کی شئی کو اپنی اجرت وصول کرنے کے لیے اپنے قبضہ میں روکے رہے اور اس

درمیان میں وہ ضائع ہو جائے تو دستکار کو اس کا ضمان ادا کرنا ہوگا، لیکن مستاجر کو اس کی

اجرت ادا کرنا ہوگی، لدفع الضرر بقدر الامكان۔

(۱) شرح المجلة: ص ۷۲ (۲) شرح المجلة: ص ۷۲ (۳) شرح المجلة: ص ۷۲

ان الأجير الذى لعمله أثر فى العين كالصبغ مثلاً إذا حبسها لقبض الأجرة فهلك، يلزمه الضمان، لكن له الأجر لأن الضرر يدفع بقدر الامكان۔<sup>(۱)</sup>

۷..... غاصب پر واجب ہے کہ وہ شئی مغضوب کو اسی مقام پر مالک کے سپرد کرے جہاں سے اس نے غصب کیا تھا، لیکن اگر شئی مغضوب غاصب کے قبضہ میں ضائع ہو جائے یا ضائع کر دی جائے تو اس وقت غاصب پر ضمان واجب ہوگا، اگر مغضوب مثلی اشیاء میں سے ہے تو مثل دینا پڑے گی اور قیمتی اشیاء میں سے ہے تو قیمت ادا کرنا ہوگی، اس لیے کہ جب مغضوب کا واپس کرنا ممکن نہ رہا تو اس طریقہ پر ضمان کی ادائیگی دفع ضرر بقدر امکان قرار پائی:

ان الغاصب يلزم عليه رد المغصوب إلى صاحبه فى مكان الغصب، إذا هلك المغصوب فى يده أو استهلكه يلزم عليه ضمان مثله ان مثلها وقيمة يوم الغصب ان قيما، لأنه حيث لم يمكن رد عينه، ففى الضمان بهذا الوجه دفع للضرر بقدر الامكان۔<sup>(۲)</sup>

۸..... اس ضابطے کے پیش نظر وہ مال مشترک جس کی تقسیم ہو سکتی ہو اگر کوئی ایک شریک مطالبہ کرے تو عدالت اس مال کو تقسیم کر سکتی ہے تاکہ شرکاء کے درمیان فساد نہ ہو۔

## قاعدہ نمبر (۳۱)

الْحَاجَةُ تُنْزِلُ مَنْزِلَةَ الضَّرُورَةِ عَامَّةً أَوْ خَاصَّةً۔<sup>(۳)</sup>  
حاجت عامہ یا حاجت خاصہ ضرورت کا درجہ پا جائے گی۔

تشریح

حاجت یہ بھی ضرورت کی طرح ہی ہے البتہ اس کی کیفیت اور نوعیت میں کچھ فرق

(۲) شرح المجلة: ص ۷۳

(۱) شرح المجلة: ص ۷۳

(۳) الأشباه والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۹۳ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۹



ہے حاجت ایسی صورت حال کو کہتے ہیں جس میں تنگی، مشقت اور تکلیف اس حد تک پہنچ جائے کہ ضرر پہنچنے کا ظن غالب ہو جائے۔

حاجت اور ضرورت میں عموم خصوص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے، اس لیے کہ حاجت عام ہے اور ضرورت خاص ہے لیکن جب حاجت سخت ہو جائے اور ضرورت کے درجے تک پہنچ جائے تو اس صورت میں حاجت شدیدہ پر بھی ضرورت کے احکام لاگو ہوتے ہیں، حاجت کی ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر بہت سارے مسائل کی بنیاد اسی پر رکھی گئی ہے، اور حاجت کے زیادہ ہونے کی صورت میں اس پر عمل کیا جائے گا خواہ وہ عمل قیاس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، مثلاً اجارہ یہ خلاف قیاس ہے لیکن لوگوں کی شدید حاجت کی خاطر اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔

## حاجت کی اقسام

۱..... حاجت عامہ۔ ۲..... حاجت خاصہ۔

۱..... حاجت عامہ سے مراد وہ حاجت ہے جس کے تمام لوگ محتاج ہوتے ہیں مثلاً مصالح عامہ، زراعت، صنعت، تجارت اور دیگر عام معاشرت سبھی لوگ ان حاجتوں کے محتاج ہوتے ہیں۔

۲..... حاجت خاصہ سے مراد ایسی حاجت ہے کہ جس میں خاص لوگوں کو ضرورت پڑتی ہو یا کوئی خاص طبقہ اس حاجت کا محتاج ہو، مثلاً کسی خاص صنعت و حرفت سے تعلق رکھنے والے افراد یا کسی خاص شہر و گاؤں یا ایسے ہی خاص طبقے کے لوگ جس کام کے محتاج ہوں وہ حاجت خاصہ ہے۔

## حاجت اور ضرورت میں فرق

۱..... حاجت کے پورا نہ ہونے کی صورت میں انسان کے لیے تنگی، سختی اور مشقت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جبکہ ضرورت کے پورا نہ ہونے کی صورت میں ضرر اور جان کے

لیے خطرہ بن جاتا ہے۔

۲..... ضرورت ایسے فعل پر مبنی ہوتی ہے جو ناگزیر ہو، جبکہ حاجت ایسے فعل پر مبنی ہوتی ہے جو وسعت اور سہولت پر مبنی ہو۔

۳..... سب سے بنیادی فرق ضرورت اور حاجت کے درمیان یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے مباح ہونے والے افعال نصوص شرعیہ سے مستثنیٰ کر کے جائز قرار دیئے جاتے ہیں جو عام حالت میں اصول کے صریح خلاف ہوتے ہیں اور بوقت ضرورت ان کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ حاجت کی وجہ سے مباح ہونے والے افعال اصول کے صریح مخالف نہیں ہوتے بلکہ خلاف قیاس وارد ہوتے ہیں۔

## تفریعات

۱..... حمام کے حمام میں لوگ غسل کرتے ہیں اور ہر ایک کو ایک مقررہ شرح سے قیمت دینی پڑتی ہے حالاں کہ بعض لوگ زیادہ وقت لگاتے ہیں، زیادہ پانی خرچ کرتے ہیں، اور بعض کم وقت اور کم پانی خرچ کرتے ہیں، اب اس کا انتظام کرنا کہ ہر شخص کا وقت اور خرچ کیا ہوا پانی معلوم کیا جائے اور اس حساب سے قیمت لی جائے تو بڑی پریشانی کا سبب بنے گا، اس لیے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے عام حاجت کے پیش نظر اس کو جائز رکھا ہے:

و کذا دخول الحمام، لما كان زمان المكث فيه ومقدار ما يصب

من الماء غير معلوم، فالقياس يقتضي عدم الجواز، وقد جُوز لحاجة

الناس۔<sup>(۱)</sup>

۲..... باہمی معاملات میں کسی شخص کے حق میں کمی کرنا جائز نہیں ہے لیکن صلح کی غرض سے حاجت کی بناء پر باہمی رضامندی سے کمی کی جاسکتی ہے۔

۳..... عقد بیع میں اصول یہ ہے کہ بیع معدوم ناجائز ہے لیکن حاجت کی بناء پر عقد بیع سلم

(۱) شرح المجلة: ص ۷۶

اور عقد استصناع جو بیع معدوم کی سی حیثیت رکھتے ہیں حاجت کی بناء پر یہ جائز ہیں۔

۴..... دین (قرض) کے بدلے میں دین ممنوع ہے لیکن حاجت کی بناء پر حوالہ جائز ہے جس میں ایک دین کو دوسرے دین کے بدلے میں قبول کیا جاتا ہے۔

۵..... اگر غیر شادی شدہ نے زنا کیا اور ان پر حد زنا ثابت ہوگئی یا انہوں نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا تو ان کو کوڑے لگائے جائیں گے، اب یہ سنگسار کرنا اور کوڑے لگانا ایسے ہی قصاصاً قتل کرنا یہ سب حاجت اور ضرورت کی بناء پر ہے تاکہ حدود کے قائم ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پاسداری ہو اور کسی دوسرے مسلمان کا خون رائیگاں نہ جائے، اور ایسے ہی معاشرے میں سے فساد ختم ہو اور ہر شخص باعزت رہے اس لیے ضرورت اور حاجت کے پیش نظر ایسے جرائم کرنے والے افراد کو سزا دی جائے گی تاکہ یہ افراد جرائم سے باز رہیں اور کوئی دوسرا بھی ایسی جرات نہ کرے۔

## قاعدہ نمبر (۳۲)

الْإِضْطِرَّارُ لَا يُبْطِلُ حَقَّ الْغَيْرِ۔ (۱)  
اضطرار کسی دوسرے کے حق کو باطل نہیں کرتا۔

تشریح

انسانی زندگی میں مجبوریاں درپیش آتی ہیں اضطراری کیفیتیں طاری ہوتی ہیں، شریعت نے ان کو پورے طور پر ملحوظ رکھا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَ لَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔ (۲)

اس آیت میں قانون اضطرار کی وضاحت ہوتی ہے کہ مجبور شخص واقعی مجبور ہو کہ اس کے لیے عام قانون کے مطابق جائز چارہ کار نہ ہو اور وہ شدید خطرات میں گر گیا ہو، دوسری

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۹ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثانية والثلاثون، ص ۲۱۳

(۲) البقرة: ۱۷۳

بات یہ ہے کہ وہ باغی نہ ہو خدا کے قانون کا احترام اس کے دل میں ہو، تیسری بات یہ کہ وہ بغیر اضطرار کے محرمات کے استعمال کا عادی نہ ہو تو بقدر ضرورت اس کو گنجائش دی جاسکتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کی اضطراری کیفیت اس پر عائد دوسروں کے حقوق کو باطل کر سکتی ہے، حقوق اللہ معاف ہو سکتے ہیں مگر حقوق عبد خود اس عبد کی رضامندی اور اختیار سے معاف ہو سکتے ہیں۔

پھر یہ اضطرار کبھی سماوی ہوتا ہے، جیسے قحط سالی، کبھی انتہائی درجہ اکراہ سے پیدا ہوتا ہے جیسے قتل یا عضو جسمانی کے قطع کرنے کی دھمکی کے ساتھ جبر کیا جائے، کبھی معمولی درجہ کی ایذاء رسانی کی دھمکی سے جیسے مارنا پیٹنا یا جس بے جا سے دھمکانا، چنانچہ انتہائی درجہ کے اکراہ میں ضمان کا حکم، حکم دینے والے پر ہوگا فاعل پر نہ ہوگا، اور معمولی قسم کے اکراہ میں ضمان فاعل پر عائد ہوگا۔

## تفریعات

۱..... اگر کوئی شخص اضطراری حالت میں کسی دوسرے شخص کا (اس کی اجازت کے بغیر) کھانا کھالے گا تو قدرت حاصل ہو جانے پر اس کا ضمان ادا کرے گا، مثلی اشیاء میں مثل ادا کرنا ہوگا اور قیمتی اشیاء میں قیمت۔

۲..... اگر کسی شخص پر اونٹ نے حملہ کیا اس شخص نے اونٹ کو قتل کر دیا، یہ شخص اونٹ کے مالک کے لیے قیمت کا ضامن ہوگا اس لیے کہ اضطرار دوسرے حق دار کے حق کو باطل نہیں کرتا۔

۳..... اضطراری کیفیت میں بھوک سے نڈھال کسی شخص نے کسی اور کے باغ میں گھس کر پھل توڑ کر کھالے تو بغیر اجازت پھل توڑنے کا جرم تو معاف ہو سکتا ہے مگر ان پھلوں کی قیمت ادا کرنی پڑے گی "لأن الاضطرار لا يبطل حق الغير"

۴..... اگر دودھ پلانے والی عورت کی دودھ پلانے کی مدت ختم ہوگئی اور بچے کی

صورت حال یہ ہے کہ وہ اس عورت کے علاوہ کسی اور عورت کا دودھ نہیں پیتا اور نہ ہی وہ دودھ کے علاوہ کسی اور چیز کے کھانے پینے کے قابل ہے، تو ایسی صورت میں عورت کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا تا کہ بچے کی جان ضائع نہ ہو، اور عورت کو اس دودھ پلانے کی اجرت دی جائے گی اس لیے کہ اضطرار غیر کے حق کو باطل نہیں کرتا:

كذلك لو انتهت مدة الإجارة الظئر و قد صار الرضيع لا يأخذ ثدى غيرها و لم يستغن بالطعام فإنها تجبر على ارضاعه و لكن بأجر مثل - (۱)

### قاعدہ نمبر (۳۳)

مَا حَرَّمَ أَخْذَهُ حَرَّمَ إِعْطَاؤَهُ - (۲)  
جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔

### تفریعات

- ۱..... رشوت جس طرح اس کا لینا حرام ہے اسی طرح کسی کو دینا بھی حرام ہے۔
- ۲..... گانے والی یا مرثیہ خواں عورت کا اپنے گانے اور میت کی نوحہ پر اجرت لینا حرام ہے اس طرح ان کو اجرت دینا بھی حرام ہے۔
- ۳..... سود کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے۔
- ۴..... کہانت نجومی کی اجرت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے۔
- ۵..... زنا کی اجرت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے۔

ما حرم اخذه حرم إعطاؤه كالربا ومهر البغی وحلوان الكاهن  
والرشوة وأجرة النائحة والزامر - (۳)

(۱) شرح القواعد الفقهية: ص ۲۱۳

(۲) الأشباه والنظائر: القاعدة الرابعة عشرة، ص ۱۵۵ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۰

(۳) الأشباه والنظائر: ص ۱۵۵

## قاعدہ نمبر (۳۴)

مَا حَرَّمَ فِعْلُهُ حَرَّمَ طَلْبَهُ۔<sup>(۱)</sup>

جس امر کا کرنا حرام ہے اس کا حکم دینا بھی حرام ہے۔

### تفریعات

- ۱..... ظلم کرنا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبہ کرنا بھی حرام ہے۔
- ۲..... رشوت لینا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبہ کرنا بھی حرام ہے۔
- ۳..... جھوٹی گواہی دینا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبہ کرنا بھی حرام ہے۔
- ۴..... جھوٹی قسم کھانا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبہ کرنا بھی حرام ہے۔
- ۵..... زنا کرنا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبہ کرنا بھی حرام ہے۔
- ۶..... چوری کرنا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبہ کرنا بھی حرام ہے۔
- ۷..... قتل کرنا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبہ کرنا بھی حرام ہے۔
- ۸..... دھوکہ دینا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبہ کرنا بھی حرام ہے۔
- ۹..... خیانت کرنا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبہ کرنا بھی حرام ہے۔
- ۱۰..... کسی دوسرے کا مال تلف کرنا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبہ کرنا بھی حرام ہے۔

## قاعدہ نمبر (۳۵)

الْعَادَةُ مُحْكِمَةٌ۔<sup>(۲)</sup>

عادت یعنی عرف کی بناء پر حکم لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) الأشباه والنظائر: القاعدة الرابعة عشرة، ص ۱۵۵ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۰

(۲) الأشباه والنظائر: القاعدة السادسة، ص ۹۳ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۰



## ماخذ

عرف کی حجیت پر بعض اہل علم نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ”خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ“ عفو و درگزر سے کام لیجیے اور عرف کا حکم دیجیے۔

ایک مرتبہ ہندہ بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابوسفیان کے بخیل ہونے کی شکایت کی کہ وہ گھر کا خرچہ پورا نہیں دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف۔ (۱)

عرف و عادت کے مطابق جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے کافی ہو اتنا لے لو۔  
اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الوزن وزن اهل مكة والمکيال مکیال اهل المدينة۔ (۲)  
یعنی خطہ عرب کے اندر تولی جانے والی اشیاء میں مکہ والوں کے وزن کا اعتبار ہوگا اور ناپ کر دی جانے والی چیزوں میں اہل مدینہ کے ناپ کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن۔ (۳)  
جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

## تشریح

عرف وہ عادت ہے جو عقل کی رو سے دلوں میں جم جائے اور اس کو سلیم فطرتیں قبول

(۱) صحیح بخاری: کتاب النفقات، باب اذا لم ینفق الرجل فللمراة ان تاخذ بغير علمه، ج ۷ ص ۶۵، رقم الحدیث: ۵۳۶۳

(۲) سنن ابی داؤد: کتاب البیوع، باب فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم المکیال مکیال المدینة، ج ۳ ص ۲۳۶، رقم الحدیث: ۳۳۴۰

(۳) مسند احمد: مسند عبد اللہ بن مسعود، ج ۶ ص ۸۴، رقم الحدیث ۳۶۰۰

کریں، فتویٰ دیتے وقت لوگوں کے عرف و عادت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اس لیے عرف کا شریعت میں بھی اعتبار کیا گیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں:

العرف فی الشرع له اعتبار لذا علیہ الحکم قد یدار<sup>(۱)</sup>  
عرف کا شریعت میں اعتبار ہے اسی وجہ سے کبھی اس پر حکم کا مدار رکھا جاتا ہے۔

## عرف و عادت کی تعریف

العادة والعرف ما استقر فی النفوس من جهة العقول وتلقته الطباع  
السلیمة بالقبول۔<sup>(۲)</sup>

عرف و عادت وہ ہے جو ذہنوں میں راسخ ہو جائے اور جسے فطرت سلیمہ قبول کرے۔

## عرف و عادت کے درمیان نسبت

جمہور علماء کے ہاں عرف و عادت دونوں مترادف الفاظ ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثم ذهب الجمهور إلى أن العادة والعرف مترادفان و فرق بعضهم  
بينهما بأن العادة أعم من العرف۔

جمہور علماء کے ہاں عرف و عادت مترادف الفاظ ہیں، اور بعض نے ان کے درمیان فرق کیا ہے کہ عادت عرف سے عام ہے۔

العادة و العرف بمعنى واحد من حيث المصداق و ان اختلفا من  
المفهوم۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح عقود رسم المفتی: ص ۸۱ مکتبہ بیت القلم

(۲) رسائل ابن عابدین: نشر العرف فی بناء بعض الأحكام علی العرف، ص ۱۱۴ سہیل اکیڈمی لاہور

(۳) رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۱۴

عادت اور عرف مصداق کے اعتبار سے ایک ہی معنی میں ہیں اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے دونوں مختلف ہیں۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ عرف اور عادت کے الفاظ ہم معنی ہیں بعض دفعہ اس مفہوم کے لیے استعمال (اور تعادل) کے الفاظ بھی بولے جاتے ہیں، رسم و رواج کے الفاظ بھی عرف اور عادت کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں، یہ سب الفاظ اس قدر قریب المفہوم ہیں کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ انہیں مترادفاً استعمال کرتے ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ليس للمفتي ولا للقاضي ان يحكما على ظاهر المذهب و يتركا  
العرف۔<sup>(۱)</sup>

مفتی اور قاضی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی معاملہ میں عرف کو چھوڑ کر ظاہر مذہب پر فتویٰ دیں۔

عرف صحیح و عرف فاسد

اولاً عرف کی دو قسمیں ہیں: ۱..... عرف صحیح - ۲..... عرف فاسد۔

۱..... عرف صحیح

وہ عرف ہے جو نصوص شارع کے معارض نہ ہو، یا شریعت فی الجملہ اس کے معتبر ہونے کی شہادت دے رہی ہو:

العرف الصحيح، فإنه يؤخذ به ويعتبر الأخذ به أخذاً بأصل من  
أصول الشرع۔<sup>(۲)</sup>

اس عرف کو اختیار کرنا اور لینا معتبر ہے، چوں کہ یہ اصول شرع میں سے ایک اصل ہے۔

(۱) رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۱۵ (۲) أصول الفقہ لأبي زهرة: العرف، ص ۲۷۳ دار الفکر

## ۲..... عرفِ فاسد

وہ عرف ہے جس سے لوگ متعارف ہوں (یعنی اس کا وہ عرف رہا ہو اور اس پر تعامل بھی رہا ہو) لیکن وہ شریعت کے مخالف ہو اور قواعد شرع سے متصادم ہو:

عرف فاسد لا یؤخذ بہ و هو الذی یخالف نصاً قطعياً۔<sup>(۱)</sup>

عرفِ فاسد کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ متروک العمل ہے۔

## عرف کی اقسام

جو عرف شرعاً معتبر ہے، (یعنی عرفِ صحیح) اور وہ احکام پر اثر انداز ہوتا ہے، اس کی

دو قسمیں ہیں: ۱..... عرفِ عام۔ ۲..... عرفِ خاص۔

## ۱..... عرفِ عام

جس عرف پر لوگوں کا تعامل ہو چکا ہو اور لوگ اس سے متعارف ہوں اور وہ اتنا عام

ہو گیا ہو کہ کسی خاص قوم اور خطہ کے ساتھ مخصوص نہ رہا ہو، مثلاً حمام میں اجرت دیکر غسل کرنا

یہ عمل اتنا عموم اختیار کر گیا ہے کہ یہ کسی خاص قوم یا کسی خاص علاقہ میں محدود نہ رہا، ہر جگہ

لوگ اس پر عمل پیرا ہو گئے، حالانکہ اس میں ٹھہرنے کی مدت، پانی کے استعمال کی مقدار اور

اجرت کی کوئی تعیین نہیں ہوتی ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ناجائز قرار دیا جائے لیکن ان

سب چیزوں کی تعیین رواج کے حوالہ کر دی گئی اور عرف و رواج کے مطابق اس عمل کو جائز

قرار دیا گیا۔

اسی طرح عرفِ عام عقد استصناع کے جواز کا ہے، استصناع کا مطلب ہے کسی چیز

کے بنانے اور تیار کرنے کا آڈر کسی کمپنی یا فرد کو دینا، عقد بیع کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط

ہے کہ بیع فی الحال موجود ہو لیکن استصناع کے اندر بیع فی الحال موجود نہیں ہوتی ہے، لہذا شرط

مذکور کے منقود ہونے کی وجہ سے اس عقد کو صحیح نہیں ہونا چاہیے، لیکن عرف اور تعامل یہ رہا

(۱) اصول الفقہ لأبی زہرۃ: ص ۲۷۳

ہے کہ لوگ ہر زمانہ میں عقد استصناع کا معاملہ کرتے رہے ہیں، اس لیے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے:

العرف العام هو الذى اتفق عليه الناس فى كل الأمصار كدخول الحمام وإطلاع الناس بعضهم على عورات بعض أحيانا فيه، وعقد الاستصناع۔<sup>(۱)</sup>

## ۲..... عرف خاص

وہ عرف ہے جو کسی خاص شہر یا ملک یا لوگوں کی ایک جماعت کا عرف ہو اور انہی کے یہاں وہ متعارف و رائج ہو، مثلاً بخاری کا عرف یا مصر و قاہرہ کا عرف یا تاجروں اور کاشتکاروں کا عرف وغیرہ وغیرہ، عرف کی اس قسم میں عرف عام کے مقابلہ میں قوت کم ہے، لیکن اس کے باوجود یہ فتاویٰ اور احکام پر اثر انداز ہوتا ہے، مگر اس کا اثر اس وقت ظاہر ہوگا جبکہ نص موجود نہ ہو:

العرف الخاص، وهو العرف الذى يسود فى كل بلد من البلدان أو إقليم من الأقاليم أو طائفة من الناس، كعرف التجارة، أو عرف الزراعة، ونحو ذلك فان هذا العرف لا يقف أمام النص۔<sup>(۲)</sup>

عرف عام و خاص کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ عرف عام میں یہ قید ہوتی ہے کہ ایک زمانہ کے تمام لوگوں کا تعامل کسی عمل پر ہو اور علماء کی طرف سے اس پر نکیر نہ کی گئی ہو، لیکن عرف خاص کے اندر تمام لوگوں کا تعامل نہیں ہوتا ہے، بلکہ کسی مخصوص شہر کے لوگوں کا تعامل ہوتا ہے اور وہاں کے علماء نے اس پر نکیر بھی نہ کی ہو، اول کی مثال عقد استصناع ہے اور ثانی کی مثال عقد کے اندر غالب نقد بلد کا اعتبار ہے۔

## عرف کی شرائط

۱..... جو عرف منصوص احکام کے خلاف ہو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا البتہ اگر عرف

(۲) أصول الفقہ لأبی زهرة: ص ۲۷۳

(۱) أصول الفقہ لأبی زهرة: العرف، ص ۲۶۳

نص کی بنیاد پر ہو تو عرف کے بدلنے سے نص کی خلاف ورزی متصور نہ ہوگی۔

۲..... صرف اس عرف کا اعتبار ہوگا جو عام ہو اور غلبہ کے ساتھ نافذ ہو، عام سے مراد

یہ ہے کہ عادتاً اس کے خلاف نہ ہوتا ہو، اور غلبہ سے مراد یہ ہے کہ اکثر حالات و معاملات میں اس کے مطابق عمل ہوتا ہو۔

۳..... عرف معقول ہو اور طبائع سلیمہ کے نزدیک پسندیدہ ہو یعنی قرینہ عمل ہو اور ذوق

سلیم یا رائے عامہ اس کی تائید کرتی ہو۔

۴..... عرف پر عمل کی حیثیت اختیاری نہ ہو بلکہ لازمی ہو۔

۵..... عرف پیش آمدہ معاملات کے وقت موجود ہو۔

## تفریعات

۱..... قرآن کریم کی تعلیم، اذان، امامت، یہ سب عبادتیں ہیں جس کی ادائیگی آدمی

آخرت کے اجر و ثواب کے لیے کیا کرتا ہے، لہذا اصل کی رو سے ان فرائض کی ادائیگی پر

اجرت لینا جائز نہیں ہونا چاہیے، چنانچہ فقہاء یہی فتویٰ دیا کرتے تھے، لیکن جب انہوں نے

یہ دیکھا کہ سیاسی تبدیلیوں کی وجہ سے بیت المال کا دروازہ دینی کام کرنے والوں کے لیے

بند کر دیا گیا ہے، اور امامت اور تعلیم قرآن کے فرائض انجام دینے والوں کو اگر اپنی معاش

کے لیے زراعت، تجارت، صنعت وغیرہ میں مشغول ہو جانا پڑا تو اس سے دین کا ضیاع

ہوگا اور دینی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لیے کوئی نہیں ملے گا، چنانچہ متاخرین نے یہ فتویٰ

دیا کہ امامت اور تعلیم قرآن وغیرہ کی اجرت لینا جائز ہے:

فمن ذلك افتاؤهم بجواز الاستیجار علی تعلیم القرآن ونحوہ

لانقطاع عطایا المعلمین اللتی كانت فی صدر الأول ولو اشتغل

المعلمون بالتعلیم بلا أجرۃ یلزم ضیاعہم و ضیاع عیالہم ولو

اشتغلوا بالاكتساب من حرفة وصناعة یلزم ضیاع القرآن والدين



فأفتوا بأخذ الاجرة على التعليم وكذا على الامامة والآذان۔<sup>(۱)</sup>

۲..... دھوبی اور درزی وغیرہ کو جو کپڑے ڈرائی کلن یا سلائی کے لیے دیئے جاتے ہیں، چوں کہ وہ اجیر مشترک ہیں اس لیے وہ اُن کے ہاتھوں میں امانت کی حیثیت رکھتے ہیں، امانت اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس کا تاوان نہیں ہوا کرتا، لیکن پیشہ وروں کی طرف سے اہمال اور بے احتیاطی رونما ہونے لگی اور وہ بکثرت اس طرح کے دعوے کرنے لگے کہ مال ضائع ہو گیا ہے جس میں مالکین کی کھلی حق تلفی تھی، چنانچہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اس صورت حال کے پیش نظر تاوان واجب ہونے کا فتویٰ دیا تاکہ لوگوں کے مال کی حفاظت کی جاسکے، چنانچہ شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی عمومی قسم کی مصیبت اور حادثہ رونما نہ ہو جیسے زلزلہ یا عمومی آتش زدگی وغیرہ تو اجیر مشترک ضائع شدہ مال کا تاوان ادا کرے گا:

ومن ذلك تضمين الأجير المشترك حيث شاء الفساد وعم وخان  
الأمناء فأصبح الاحتياط يوجب تضمينه ليحفظ ما تحت يده،  
ولكيلا يغتاله بدعوى هلاكه، وإن ذلك مخالف لقاعدة اليد

الأمينة من حيث لا تضمين إلا بالتعدى۔<sup>(۲)</sup>

۳..... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانہ میں چونکہ حق گوئی اور صداقت تھی اور دروغ گوئی کا زیادہ چلن نہیں ہوا تھا، کیونکہ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا اس لیے گواہوں کی ظاہری عدالت کو وہ کافی قرار دیا کرتے تھے، گواہوں کے ثقہ ہونے کی شہادت کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے جب اس بارے میں لوگوں کی بے احتیاطی دیکھی تو انہوں نے شاہدوں کے ثقہ ہونے کے لیے تزکیہ و شہادت ضروری سمجھی کیونکہ عملی طور پر قضا سے وابستگی کی بناء پر ان لوگوں کو بے احتیاطی اور دروغ گوئی کا زیادہ تجربہ تھا، چنانچہ حالات کی تبدیلی نے انہیں اس بات پر مجبور کیا کہ وہ فتویٰ میں تبدیلی کریں:

ومن ذلك قول الامامين بعدم الاكتفاء بظاهر العدالة في الشهادة

(۱) مجموعہ رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۲۶ (۲) أصول الفقہ لأبي زهرة: ص ۲۷۶

مع مخالفتہ لما نص علیہ أبوحنیفۃ بناء علی ما کان فی زمنہ من غلبة العدالة لأنه کان فی الزمن الذی شهد له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالخیرۃ وهما أدراکا الزمن الذی فشی فیہ الکذب وقد نص العلماء علی أن هذا الاختلاف اختلاف عصر واولان لا اختلاف حجة وبرهان۔<sup>(۱)</sup>

۴..... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بادشاہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے جبر کو ”اکراہ“ قرار نہیں دیتے تھے، کیونکہ ان کے زمانہ میں قوت کا مظاہرہ صرف بادشاہ کی طرف سے ہوا کرتا تھا، لیکن بعد میں جب ڈاکہ زنی اور جبر واکراہ کے واقعات کی عام لوگوں کی طرف سے زیادتی ہو گئی تو امام صاحب رحمہ اللہ کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے یہ بات تسلیم کی کہ اکراہ کا معاملہ سلطان کے علاوہ دوسرے لوگوں کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے، چنانچہ انہوں نے اس کے مطابق فتویٰ دیا:

ومن ذلك تحقق الاكراه من غير السلطان مع مخالفتہ لقول الامام بناء علی ما کان فی زمنہ من أن غير السلطان لا يمكنه الاكراه ثم كثر الفساد فصار يتحقق الاكراه من غيرة فقال محمد رحمه الله باعتبارها وافتى به المتأخرون لذلك۔<sup>(۲)</sup>

۵..... صحیح روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں عام طور پر مساجد میں نماز کی ادائیگی کے لیے جایا کرتی تھیں، لیکن جب معاشرہ میں خرابی پیدا ہوئی تو خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہی ان کو مسجد میں نماز کی ادائیگی سے روک دیا گیا:

ومنع النساء عما كن عليه في زمن النبي صلى الله عليه وسلم من حضور المساجد لصلاة الجماعة۔<sup>(۳)</sup>

(۱) مجموعة رسائل ابن عابدين: ج ۲ ص ۱۲۶

(۲) مجموعة رسائل ابن عابدين: ج ۲ ص ۱۲۶

(۳) مجموعة رسائل ابن عابدين: ج ۲ ص ۱۲۶

## عرف پر مبنی بعض اہم فروعات کا ذکر

”عرف“ پر مبنی تمام احکام کا احاطہ تو یہاں ممکن نہیں ہے، خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ ”عرف“ کے بدلنے سے احکام میں تبدیلی بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے، تاہم بطور مثال چند ایسے احکام کو ذکر کیا جاسکتا ہے جس سے مزید اندازہ کیا جاسکے کہ فقہی اور شرعی احکام میں عرف کا اثر کہاں تک ہوتا ہے۔

۱..... شادی بیاہ کے موقع پر عورت کو جو مال و اسباب جہیز کے طور پر دیا جاتا ہے، وہ شوہر کی ملکیت ہوگی یا بیوی کی؟ اور شادی کا رشتہ اگر کسی وجہ سے برقرار نہ رہ سکا تو اس پر کس کا حق تسلیم کیا جائے گا؟ اس بارے میں ”عرف“ ہی کا لحاظ کیا جائے گا شوہر کا دعویٰ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، لیکن فیصلہ ”عرف“ کو سامنے رکھ کر کیا جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

۲..... مکان کی خریداری کے بعد اس کی چھت سے اوپر کا حصہ ”حق علو“ یعنی حق تعالیٰ کے بارے میں بائع اور مشتری کے درمیان نزاع کا فیصلہ بھی ”عرف“ ہی کی بنا پر کیا جائے گا، خواہ حقوق و مرافق کا ذکر عقد میں نہ کیا گیا ہو۔<sup>(۲)</sup>

۳..... ضرورت کی مختلف چیزیں جو ابھی وجود میں نہ آئی ہوں اور عقد کے وقت عملاً معدوم ہوں، آرڈر دے کر تیار کرانا اور کسی شخص یا کارخانہ سے ایسے مال کا سودا کرنا، جن کا تیار کرنا تو اس کارخانہ کا کام ہو، لیکن مال ابھی تیار شدہ نہ ہو اور جسے فقہاء کی اصطلاح میں ”استصناع“ کہا جاتا ہے، عرف ہی کی بناء پر اس کے جواز کا حکم دیا گیا ہے ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ ایک ایسی چیز کی بیع جو ابھی وجود میں نہ آئی ہو شرعاً درست نہیں ہونی چاہیے۔<sup>(۳)</sup>

۴..... تربوز، بیگن، انگور اور اس طرح کے دوسرے پھل اور ترکاریاں جن میں سے بعض تو درخت پہ ہوں اور بعض ابھی ظاہر ہی نہ ہوئی ہوں ان کی خرید و فروخت کی فقہائے مالکیہ اور احناف میں شمس اللائمہ حلوانی رحمہ اللہ نے اجازت دی ہے، کیونکہ ”عرف“ میں یہ

(۱) مجموعۃ رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۳۳ (۲) مجموعۃ رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۳۲

(۳) أصول الفقہ لأبی زہرۃ: ص ۳۱۲

لوگوں کی ضرورت اور ان کے تعامل کا ایک حصہ ہے، جبکہ شواہع، حنا بلہ اور اکثر احناف نے اس طرح کے معاملہ کو ناجائز قرار دیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

متاخرین میں سے علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی عرف و عادت کے پیش نظر اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

نوٹ: عرف و عادت کے متعلق تفصیلی مباحث کے لئے بندے کی کتاب ”فقہ اسلامی کے ذیلی مآخذ“ کا مطالعہ فرمائیں۔

### قاعدہ نمبر (۳۶)

إِسْتِعْمَالُ النَّاسِ حُجَّةٌ يَجِبُ الْعَمَلُ بِهَا۔<sup>(۳)</sup>  
لوگوں کا عملی رواج واجب العمل ہے اس پر عمل کیا جائے گا۔

### تشریح

یہ قاعدہ اور سابقہ قاعدہ اپنے مقصد کے اعتبار سے متحد ہیں یعنی جب لوگوں کی عادات شرع کے نصوص کے مخالف نہ ہوں تو وہ حجت و دلیل ہوں گی اور ان پر عمل کرنا واجب ہوگا اس لیے کہ عادت ایک مضبوط فیصلہ ہوتا ہے۔

### تفریعات

۱..... کسی شخص نے صنعت گر سے کہا کہ میرے واسطے فلاں چیز اتنے قرش پر بنا دو اور صنعت کار نے قبول کر لیا تو بیع استصناع منعقد ہوگئی، مثلاً کسی نے اپنا پیر دکھا کر کارگر سے کہا کہ فلاں قسم کا ایک جفت موزہ میرے واسطے اتنے قرش میں بنا دو اور کارگر نے قبول کر لیا:

إذا قال شخص لأحد من أهل الصنائع اصنع لي الشيء الفلاني

(۱) مجموعہ رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۳۹ (۲) مجموعہ رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۳۰

(۳) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۰ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة السادسة والثلاثون، ص ۲۲۳

بكذا قرشاً، وقبل الصانع ذلك انعقد البيع استصناعاً مثلاً لو أرى  
المشترى رجلاً لخفاف وقال له اصنع لي زوجي خف من السختيان  
الفلاني بكذا قرشاً وقبل الصانع۔<sup>(۱)</sup>

۲..... کسی نے ایک کارخانہ دار کو کہا کہ میرے لیے ایسی ایسی (پوری تفصیلات  
بتائیں) کہ بندوق اتنے قرش میں بنا دو اور کارخانہ دار نے قبول کر لیا تو بیع استصناع کا  
معاملہ منعقد ہو گیا:

تقاول مع نجار علی ان یصنع له زورقا وأوصافها اللازمة وقبل  
النجار انعقد الاستصناع۔<sup>(۲)</sup>

۳..... ایک شخص نے قسم کھائی کہ فرش پر نہیں بیٹھے گا یا قسم کھائی کہ چراغ روشن نہ کرے  
گا اس وقت زمین پر بیٹھنے یا دھوپ میں جانے سے اس کی قسم نہ ٹوٹے گی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے  
(قرآن مجید میں) زمین کو فرش اور سورج کو چراغ (کے لفظوں) سے تعبیر کیا ہے:

إذا تعارض العرف مع الشرع، قدم عرف الاستعمال، خصوصاً فی  
الأیمان، فإذا حلف لا یجلس علی الفراش أو علی البساط أو لا  
یستضی بالسراج، لم یحنث بجلوسه علی الأرض، ولا بالاستضاءۃ  
بالشمس وان سماها اللہ تعالیٰ فراشاً وبساطاً وسمی الشمس  
سراجاً۔<sup>(۳)</sup>

۴..... اگر یہ قسم کھائی کہ گوشت نہ کھائے گا تو مچھلی کا گوشت کھانے سے قسم نہ ٹوٹے  
گی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے گوشت کو بھی گوشت کہا ہے، اور اگر یہ قسم کھائی کہ چھت کے  
نیچے نہ بیٹھے گا تو آسمان کے نیچے ہونے سے قسم باطل نہ ہوگی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو  
چھت کہا ہے:

وان حلف لا یاکل لحماً لم یحنث باکل لحم السمک وان سما اللہ

(۱) شرح المجلة: ص ۸۷ (۲) شرح المجلة: ص ۸۷ (۳) شرح المجلة: ص ۸۷

تعالیٰ لحمياً، ولو حلف لا یجلس تحت سقف فجلس تحت السماء لم

یحنث، وان سماها الله تعالیٰ سقفا۔<sup>(۱)</sup>

۵..... اگر ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ مکان میں داخل نہ ہوگا اس کے بعد وہ گرے یا

مسجد وغیرہ میں داخل ہو یا کعبہ یا حمام یا دروازے کی دہلیز یا دروازے کے سائبان کے نیچے

داخل ہوا تو اس کی قسم پوری رہے گی باطل نہ ہوگی اس لیے کہ یہ مقامات عرفاً و عادتاً مکان

نہیں کہے جاتے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں کعبہ کو بیت (مکان) فرمایا ہے

ارشاد ہے ”إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ“ اور مساجد کو بھی ایسا ہی فرمایا ہے ارشاد

ہے ”فِي بَيْوتِ اذْنِ اللّٰهِ اِنْ تَرَفَعِ وَيَذْكُرُ فِيهَا اسْمَهُ“ اس لیے کہ قسموں کی بنیاد اہل

لسان کی عرف و عادت پر مبنی ہوتی ہے نہ کہ محض الفاظ کے استعمال پر:

لو حلف لا یدخل بیتاً فدخل مسجداً او بیعة او کنیسة او بیت نار

او دخل الكعبة لو حماماً او دھلیزا او ظلمة باب دار، لا یحنث لأن

هذه لا تسمى بیتاً علی الاطلاق عرفاً او عادة وان سمي الله عز

وجل الكعبة بیتاً فی كتابه العزيز فی قوله تعالیٰ ”ان اول بیت

وضع للناس للذي ببكة و سمي المساجد بیوتاً“ قال الله تعالیٰ ”فی

بیوت اذن الله ان ترفع و یذكر فیها اسمه“ لأن مبني الايمان

علی العرف و العادة، لا علی نفس اطلاق الاسم۔<sup>(۲)</sup>

۶..... اسی طرح انسان کا بیٹا یا اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد اقارب کے لفظ میں

شامل نہ ہوگی کیونکہ عرف میں ان پر اقارب کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا:

كذلك لا یدخل الولد والوالدان لعدم استعمال لفظ الأقارب

فیہا عرفاً۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۸۷

(۲) شرح المجلة: ص ۸۷

(۳) شرح المجلة: ص ۸۷



## قاعدہ نمبر (۳۷)

الْمُتَّنِعُ عَادَةً كَالْمُتَّنِعِ حَقِيقَةً۔<sup>(۱)</sup>

جو امر عادتاً ممنوع ہو گا وہ حقیقی ممنوع کی طرح متصور ہوگا۔

### تشریح

جو شئی ممنوع ہو متکلمین کے نزدیک اس کی متعدد اقسام ہیں:

۱..... ممنوع حقیقی: اس کو ممنوع لذاتہ بھی کہتے ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا شریک اور اجتماع تقيضين (منفی و مثبت) اور جمع بين الضدين ۲..... ممنوع لغيرہ یہ وہ ممنوع ہے جس کے عدم وقوع سے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارادہ متعلق ہو چکا ہو جیسے کہ ابو جہل کا ایمان، چنانچہ یہ ایمان اگرچہ فی نفسہ ممکن ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ ابو جہل سے وجود میں نہ آئے اس لیے یہ ممنوع لغيرہ قرار پایا، چنانچہ ممنوع کی اول قسم یعنی ممنوع لذاتہ کے سلسلہ میں اہل سنت اور معتزلہ کا اتفاق ہے کہ اس سے بندے کو مکلف نہیں کیا جاتا جس طرح کہ اس امر پر اتفاق ہے کہ ممنوع لغيرہ سے مکلف کیا جاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ایک مخفی امر ہے جس پر بندے کا اطلاع پانا اس وقت ممکن ہے جبکہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے مطلع کیا جائے اور یہ عام انسانوں کے لیے ممکن نہیں یا یہ کہ وہ عادتاً ممنوع ہوگا مثلاً آسمان پر چڑھ جانا، اس کے متعلق جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس کا مکلف نہیں کیا جاتا۔<sup>(۲)</sup>

### تفریعات

۱..... اگر کوئی شخص اپنی عمر سے بڑے عمر والے کے حق میں یا کسی ایسے شخص کے حق میں جس کا نسب لوگوں میں مشہور اور معروف ہے یہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو مدعی سے

(۱) مجلة الأحكام: ص ۲۰ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة السابعة والثلاثون، ص ۲۲۵

(۲) شرح المجلة: ص ۸۸

نسب ثابت نہ ہوگا اس لیے کہ دونوں حالتوں میں ایسا ہونا عقلاً ممنوع ہے:

إذا ادعی أحد فی حق من هو أكبر منه سنًا أو فی حق من نسبه

معروف، بأنه ابنه، لا تكون دعواه صحيحة لاستحالة ذلك عقلاً۔<sup>(۱)</sup>

۲..... جو امر عادتہ محال ہو اس کی مثال جیسے ایک ایسا شخص جس کا تہی دست ہونا اور

اس کا فقر لوگوں میں معروف ہے دوسرے شخص پر یہ دعویٰ کیا کہ ایک لاکھ روپیہ اس دوسرے

نے اول سے یک دم قرض لیا تھا یا یہ کہ اس سے غصب کیا تھا حالاں کہ مدعی اس (دعوے کی

وقت تک) نہ کسی مال کا کسی سے وارث ہو اور نہ کسی دوسرے طریقہ سے اس کے پاس مال

آیا تو یہ دعویٰ مدعی کا قابل سماعت نہ ہوگا اس لیے کہ ایک ایسے امر کا دعویٰ ہے جو عادتہ محال ہے:

ومثال المستحيل العادی من ادعی معروف بالفقر أموالاً عظيمةً

على آخر أنه اقرضها منه دفعة واحدة أو غصبها منه، حال كونه لم

يرث ولم يصب مالا، لا نسمع لأنها مستحيلة عادة۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اس قاعدے میں وہ تمام اشیاء داخل ہوں گی جن کا وجود عادتہ بعید متصور ہوتا ہو

جیسا کہ سابقہ تقریر میں زوجہ کا دخول کے بعد مہر معجل پر قبضہ نہ کرنے کا دعویٰ یا ہمسایہ کا مکان

فروخت کرنے کی اطلاع پر خاموشی سے عدم سماعت کا دعویٰ یا ایک شخص کو مکان میں مالکانہ

تصرف کرتے دیکھ کر خاموشی کے بعد دعوے کا ناقابل سماعت ہونا:

يدخل تحت هذه القاعدة كل شيء مستبعد في العادة، حتى أنهم

افتوا بعدم تصديق الزوجة بعد الدخول بها بأنها لم تقبض

المشروط تعجيله من المهر، مع انها منكرة للقبض، وقاعدة

المذهب أن القول للمنكر، لكنها في العادة لا تسلم نفسها قبل

قبضه، وافتوا بعدم سماع الدعوى ممن سكت أيضاً بعد اطلاعه

على بيع جارة أو قريبه داراً مثلاً، وبعدم سماعها ممن سكت أيضاً

بعد رؤيته ذا اليد يتصرف في الدار تصرف الملاك۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۸۹

(۲) شرح المجلة: ص ۸۹

(۳) شرح المجلة: ص ۹۱

## قاعدہ نمبر (۳۸)

لَا يَنْكُرُ تَغْيِيرُ الْأَحْكَامِ بِتَغْيِيرِ الْأَزْمَانِ- (۱)

زمانے کے بدل جانے سے احکام کے بدل جانے کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

تشریح

بہت سارے احکام جن کی بنیاد مجتہد نے اپنے عرف اور اپنے زمانے کے احوال پر رکھ کر بیان کیے تھے وہ زمانہ بدلنے کی وجہ سے بدل گئے ہیں، اور زمانہ کی تبدیلی یا تو لوگوں میں بگاڑ پیدا کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے یا عام ضرورت پیش آنے کی وجہ سے ہوتی ہے بہر صورت اصل مقصد مصالح کا حصول اور مفاسد کا مٹانا ہوتا ہے اور جو حکم اس مقصد کے لیے مفید ہو وہی نافذ کیا جاتا ہے۔

## تفریعات

۱..... شریعت نے اس شخص کے لیے جس نے بغیر دیکھے ہوئے کوئی چیز خریدی ہو اختیار رویت کا حق دیا ہے کہ (دیکھنے پر اگر کوئی عیب موجود پائے تو اس کو واپسی کا اختیار ہوگا) چنانچہ فقہاء متقدمین کے عہد میں لوگ اپنے مکانوں کی تعمیر اس طرز پر کرتے تھے کہ ان کے کمروں اور دیگر طرز تعمیر میں تفاوت نہیں ہوا کرتا تھا اس لیے ان حضرات نے یہ حکم دیا تھا کہ کسی مکان کے ایک کمرے کو دیکھ لینے کے بعد اختیار رویت ساقط ہو جائے گا اور مکان کے تمام کمروں کا معائنہ ضروری نہ ہوگا، لیکن بعد کے دور میں جب لوگوں نے مکانوں کی تعمیر میں جدت اختیار کی اور کمرے ایک دوسرے سے مختلف تعمیر کرنا شروع کئے (دیگر ضروریات کے لحاظ سے تعمیر میں مختلف اضافہ کیا جانے لگا) تو اس عہد کے فقہاء نے حکم دیا کہ اختیار رویت کے ساقط ہونے کے لیے تمام مکان کا دیکھ لینا ضروری ہے اس کے بغیر اختیار رویت

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۰ / درر الحکام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۴۷

ساقط نہ ہوگا چنانچہ یہ حکم کا اختلاف دراصل کسی دلیل و حجت کے اختلاف سے نہیں واقع ہوا بلکہ اس کی وجہ زمانے اور عہد کے عرف کا اختلاف قرار پایا:

أثبت الشرع خيار الرؤية لمن اشترى شيئاً ولم يره، فالفقهاء المتقدمون كان في عصرهم اعتياد الناس على بناء الدور على نسق واحد لا تفاوت بين بيوتها، فقالوا ان رؤية بيت واحد من الدار، يغني عن رؤية الجميع في اسقاط الخيار، وأخيراً لما اختلف طرز الانشآت، وكان الدار يختلف بعض بيوتها عن بعض بحسب عادتهم أفتى المتأخرون بأنه لا بد من رؤية جميعها، فهذا ليس اختلاف حجة وبرهان، بل اختلاف عصر زمان- (۱)

۲..... یا یہ کہ ہمارے زمانے میں حکم دیا گیا ہے کہ نماز کے اوقات کے علاوہ مساجد کے دروازوں کو مقفل کر دینا جائز ہے، حالانکہ مسجد عبادت گاہ ہے جس کے لیے بند کیا جانا غیر مناسب ہے لیکن مسجد کا سامان چوری ہو جانے کے پیش نظر بند رکھنے کا حکم دے دیا گیا ہے:

وكغلق باب المسجد في غير وقت الصلوة في زماننا، مع انه مكان معد للعبادة ينبغي ان لا يغلق جوزوا ذلك صيانة عن السرقة- (۲)  
لا بأس بالغلق في زماننا في غير اوان الصلاة صيانة لمتاع المسجد وهذا هو الصحيح لأن الحكم قد يختلف باختلاف الزمان- (۳)

۳..... عہد رسالت، عہد صحابہ اور عہد ائمہ میں مختلف ممالک میں آنے جانے کے لیے پاسپورٹ اور ویزا کی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی غیر ملکوں کے لیے غیر منقولہ جائیداد کی خرید و فروخت پر پابندی عائد تھی جبکہ آج کل یہ پابندیاں موجود ہیں اس لیے کہ اب جائیداد کی

(۲) شرح المجلة: ص ۹۲

(۱) شرح المجلة: ص ۹۱

(۳) تبیین الحقائق: کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، ج ۱ ص ۱۶۸

منتقلی برائے غیر ملکیاں اور تجارت و سیاحت کے قوانین بدل گئے ہیں۔  
اس طرح سائنسی، تکنیکی، موصلاتی، تہذیبی، تمدنی، علمی، معاشی، ادبی اور فکری لحاظ سے تبدیلیاں واقع ہونے پر قانون کے تقاضے بدل جاتے ہیں اس لیے قوانین میں تبدیلی آتی ہے۔

## قاعدہ نمبر (۳۹)

الْحَقِيقَةُ تُتْرَكُ بِدَلَالَةِ الْعَادَةِ۔<sup>(۱)</sup>

عادت کی دلالت کرنے پر حقیقت کو ترک کر دیا جائے گا۔

### تشریح

عادت اس بات کے لیے کافی دلیل ہے کہ حقیقت مراد نہیں بلکہ مجاز مراد ہے، اگرچہ بنیادی اصول یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو الفاظ کا حقیقی معنی مراد لیا جائے گا مگر جب قرآن اور دلائل موجود ہوں کہ صاحب کلام کی مراد حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی معنی ہے تو ان قرآن اور دلائل کی روشنی میں مجازی معنی مراد لیا جاسکتا ہے، یہ قرآن کبھی تو لفظی ہوتے ہیں کہ نفس کلام میں ایسے لفظ موجود ہوں جن سے پتہ چلتا ہو کہ حقیقی معنی نہیں مجازی معنی مراد ہے اور کبھی یہ قرآن خالی ہوتے ہیں یعنی حالات بتلا دیتے ہیں کہ مجازی معنی مراد ہے۔

### تفریعات

..... ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ فلاں شخص کے مکان میں قدم نہ رکھے گا تو اس سے مکان میں داخل ہونا مراد لیا جائے گا خواہ سوار ہو کر داخل ہو یا پیادہ چل کر، خواہ جوتے کے ساتھ ہو یا برہنہ پا اس لیے کہ (ایسے کلام سے) متعارف معنی یہی ہے حقیقی معنی یعنی

(۱) البحر الرائق: کتاب الأیمان، باب الیمین فی الأکل والشرب، ج ۳ ص ۳۲۸ / رد المحتار: کتاب الأیمان، باب الیمین فی الأکل والشرب، ج ۳ ص ۷۷۲

پاؤں کا رکھنا مراد نہیں ہوتا یہ معنی عرف نے ترک کر دیا ہے اور عرف لفظ کی وضع پر بھی حاکم ہوا کرتا ہے:

وقد لا يتعذر المعنى الحقيقي، لكنه مهجور عرفاً وعادةً فالحكم في ذلك أنه كالمتعذر، وهذا صريح المادة، كما لو حلف لا يضع قدمه في دار فلان، ينصرف الى الدخول بأى وجه كان راكباً أو ماشياً، حافياً أو منتعلاً، لأنه هو المتعارف، لا المعنى الحقيقي وهو مباشرة القدم، دخل أولم يدخل، لأنه مهجور عرفاً، والعرف قاض على الوضع۔ (۱)

۲..... اقرار کا شرط پر معلق کر دینا صحیح نہیں ہوتا لیکن اگر کوئی ایسی شرط ہے جو انسانوں کے عرف میں کسی عقد کی مقررہ میعاد کے تعین اور پورا ہو جانے کی وضاحت کی صلاحیت رکھتی ہے تو ایسی صورت میں اس پر معلق کر دینا جائز ہوگا۔

مثلاً یہ کہہ دے کہ جب فلاں ماہ شروع ہو تو میں تمہارا اتنے مال کا مقروض رہوں گا، تو پھر یہ اقرار اس کا دین مؤجل پر محمول ہوگا اور اس ماہ کے آنے پر اس کو اقرار کے مطابق وہ مال ادا کرنا ہوگا:

ان الإقرار لا يصح تعليقه بالشرط، لكن إذا كان معلقاً بشرطٍ صالح لحلول الأجل في عرف الناس نحو ان أتى شهر كذا فاني مديون لك بكذا، يحمل على الاقرار بالدين المؤجل، ويلزم تأدية المبلغ عند حلول ذلك الوقت۔ (۲)

۳..... ایک شخص نے دوسرے سے کہا اس درخت میں سے جو مرضی آئے کھا لو اور پھر اس شخص نے اس درخت میں سے پھل توڑ کر کھائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ درخت کھانے کی اجازت تھی پھل کھانے کی اجازت نہ تھی، کیونکہ عام استعمال عرف اور عادت یہی ہے

(۲) شرح المجلة: ص ۹۴، ۹۵

(۱) شرح المجلة ص ۹۴



کہ درخت سے مراد پھل ہوتا ہے کیونکہ درخت تو کھایا نہیں جاتا۔

۴..... شادی کے لغوی معنی خوشی کے ہیں لیکن آج کل اس سے مراد نکاح کے لیے جاتے ہیں لہذا آج کل جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے شادی کی تو اس کا صرف یہی مطلب لیا جائے گا کہ اس شخص نے نکاح کیا۔

۵..... آج کل ہمارے عرف میں اولاد کے مفہوم میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہوتے ہیں جبکہ اس (کے ولد) لغوی معنی صرف لڑکے کے ہیں، چنانچہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی اولاد کے نام فلاں جائیداد وقف کرتا ہوں تو اس میں لڑکیاں بھی شامل ہوں گی۔

## قاعدہ نمبر (۴۰)

إِنَّمَا تُعْتَبَرُ الْعَادَةُ إِذَا اطَّرَدَتْ أَوْ غَلَبَتْ۔<sup>(۱)</sup>

عادت کا اعتبار اس وقت ہوگا جب وہ پھیل چکی ہو یا غالب اکثریت پر چھا چکی ہو۔

## تفریعات

۱..... اگر کسی شخص نے بازار میں کوئی شئی کسی شخص کے ہاتھ قیمت کی کیفیت کی تصریح کے بغیر فروخت کی یہ نہ بیان کیا کہ قیمت نقد ہوگی یا وقت معین پر ادھار ہوگی اور اہل شہر کا عرف یہ تھا کہ ہر ہفتہ قیمت کی ایک خاص مقدار مشتری کو ادا کرنا ہوتی تھی تو اب یہ بیج اسی عرف پر محمول ہوگی بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس لیے کہ عرف میں جو مروج ہو جاتا ہے وہ مشروط کے بمنزلہ ہوتا ہے:

حتى لو باع التاجر في السوق شيئاً بثمن، ولم يصرح بحلول ولا تأجيل، وكان المتعارف فيما بينهم أن البائع يأخذ من الثمن كل

(۱) الأشباه والنظائر: القاعدة السادسة، ص ۹۵. رد المحتار: كتاب النكاح، باب المهر، مطلب انفق على معتدة الغير، ج ۳ ص ۱۵۶

جمعة قدرًا معلومًا، انصرف البيع اليه بلا بيان، لأن المعروف

عرفًا كالشروط شرطًا۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر باپ اپنی بیٹی کو (رخصت کرتے وقت) جہیز دے اور پھر دعویٰ کرے کہ وہ جہیز عاریت تھا اور گواہ موجود نہ ہوں تو اس صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، فتویٰ اس قول پر ہے کہ اگر عرف میں باپ کا جہیز دینا بطور ملکیت ہوتا ہونہ کہ بطور عاریت تو باپ کا یہ دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا، اور اگر عرف میں دونوں عمل جاری ہوں تو باپ کا قول قابل سماعت ہوگا، علامہ قاضی خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اگر لڑکی کا باپ قوم کے معزز اور اشراف میں سے ہے تو اس کا دعویٰ ناقابل سماعت ہوگا، اور اگر درمیانی طبقہ سے ہو تو اس کا قول قبول کیا جائے گا، بہر حال دونوں قولوں میں عرف کا لحاظ کیا گیا ہے مفتی بہ قول میں شہر کے لوگوں کے عرف کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اور علامہ قاضی خان رحمہ اللہ نے باپ کی جانب کے عرف کا اعتبار کیا ہے:

لوجهز الأب ابنته جهازًا ودفعه لها، ثم ادعى أنه عارية ولا بينة، ففيه اختلاف: والفتوى أنه ان كان العرف مستمرًا أن الأب يدفع ذلك الجهاز ملكًا لا عارية، لم يقبل قوله، وان كان العرف مشتركًا، فالقول للأب، وقال قاضيخان: وعندى أن الأب ان كان من كرام الناس وأشرافهم لم يقبل قوله، وان كان من أوساط الناس كان القول قوله، وعلى كل قول فالمنظور اليه العرف، فالقول المفتى به نظر الي عرف بلدها، وقاضيخان نظر الي جانب

الأب في العرف۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اگر کسی نے کوئی چیز دراہم یا دانانیر کے عوض خریدی یا فروخت کی اور اس شہر میں مختلف قسم کے نقد درانج تھے اور ہر ایک کی مالیت میں بھی اختلاف تھا تو اس صورت میں شہر

(۲) شرح المجلة: ص ۹۵

(۱) شرح المجلة: ص ۹۵

کے اندر جو نقد زیادہ رائج ہیں اسی کا اعتبار ہوگا:

إنما تعتبر العادة إذا اطردت أو غلبت، ولذا قالوا في البيع: لو باع  
بدرهم أو دنانير وكان في بلد اختلف فيه النقود مع الاختلاف في  
المالية والرواج انصرف البيع إلى الأغلب۔<sup>(۱)</sup>

۴..... اگر کسی شخص نے کاتب کو اجرت پر لایا کتابت کے لیے تو سیاہی اور قلموں کا لانا  
کاتب کی ذمہ داری ہوگی۔

۵..... اگر کسی شخص نے درزی کو اجرت پر کپڑوں کی سلائی کے لیے لایا تو سوئی اور  
دھاگہ لانے کی ذمہ داری درزی پر ہوگی نہ کہ مستاجر پر کیونکہ عرف میں یہی بات رائج ہے:

في استئجار الكاتب قالوا: الحبر عليه والأقلام، والخياط قالوا  
الخيط والإبرة عليه عملاً بالعرف۔<sup>(۲)</sup>

## قاعدہ نمبر (۴۱)

الْعِبْرَةُ لِلْغَالِبِ الشَّائِعِ لَا لِلنَّادِرِ۔<sup>(۳)</sup>

اعتبار اسی عادت کا ہوگا جو عام ہو چکی ہو نا در اور کم واقع ہونے والی صورت  
قابل اعتبار نہ ہوگی۔

## تفریعات

۱..... سفر میں نماز کے قصر کرنے کا حکم شریعت کی مقرر کردہ رخصت ہے اس کی علت  
(حالت سفر کی) مشقت ہے لیکن یہ علت منضبط نہیں، اس لیے کہ انسان کے حالات اور  
زمانے کے اختلاف سے اس کی مختلف صورتیں وجود میں آتی ہیں اور نہیں بھی آتیں، لہذا  
سفر ہی کو قصر کی (مستقل) علت قرار دے دیا گیا کہ جب سفر کا وجود ہوگا قصر کا حکم ثابت ہوگا

(۱) الأشباه والنظائر: ص ۹۵ (۲) الأشباه والنظائر: ص ۹۶

(۳) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۰ شرح القواعد الفقهية: القاعدة الحادية والأربعون، ص ۲۳۵

کیونکہ اکثر حالات میں سفر مشقت کا سبب ہی ہوتا ہے اور بعض حالات میں مشقت کا موجود نہیں ہوتا جیسا کہ بادشاہان اور دیگر امراء و سرمایہ دار لوگوں کے سفر میں پایا جاتا ہے اس کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا، اس لیے کہ حکم جیسا کہ ”مجمع الحقائق“ میں ہے جنس شئی پر عائد کیا جاتا ہے افراد پر نہیں، لہذا ایسے مذکورہ حضرات کے حق میں بھی قصر ہی کا حکم ہوگا کیونکہ اعتبار اکثر اور غالب کا ہوا کرتا ہے، شاذ و نادر کا نہیں:

كقصر الصلوة في السفر، هو رخصة مشروعة و العلة في ذلك المشقة، لكنها لم تنضبط لاختلافها بحسب الأشخاص والأحوال والأزمان، أقيم السفر مقامها، بحيث متى وجد السفر وجد القصر، لأن السفر يلزم المشقة غالباً، تخلفها في البعض كسفر الملوك والأمراء المترفين لا عبرة له، لأن الحكم كما في مجمع الحقائق، يراعى في الجنس لا في الأفراد فيجوز قصر الصلوة في حقهم لأن العبرة للغالب الشائع لا للنادر۔<sup>(۱)</sup>

ان السفر علة القصر و حکمته المشقة ثم السفر يثبت القصر و ان لم يلحقه مشقة و عدم الحكمة لا يوجب عدم الحكم و وجود العلة اوجب وجود الحكم۔<sup>(۲)</sup>

۲..... جس عورت کو حیض آنے کی عمر میں حیض آتے آتے بند ہو جائے وہ مہینوں کے اعتبار سے عدت پوری نہیں کر سکتی، اس کے (عارضی طور پر) حیض بند ہو جانے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا کیونکہ وجوب عدت کی علت یہ معلوم کرنا ہے کہ عورت کا رحم حمل سے پاک ہے یا نہیں اور حیض آنے والی عورت میں یہ امر تین حیض آنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ یہ عورت اگر اس کا حیض چند سال تک بھی بند رہے اس کو شریعت آئسہ یا صغیرہ کا حکم نہیں دیتی، اس کی عدت مہینوں کے شمار سے پوری نہ ہوگی اس لیے کہ حیض آنے کی عمر والی عورت کا اس طرح

(۱) شرح المجلة: ص ۹۸، ۹۹ (۲) اصول البزدوی: ص ۳۷۵، ناشر: جاوید پریس کراچی

حیض رُک جانا ایک نادر الوجود امر ہے اور اعتبار غالب و شائع کا ہوتا ہے نادر کا نہیں ہوتا:

كذلك نصوا على أن الممتد طهرها، وهي المرأة التي كانت  
تحيض، ثم ارتفع حيضها ولم تدخل في سن الأياس فلا تعد  
بالأشهر، ولا عبرة لا نقطاع حيضها وذلك لأن العلة في وجوب  
العدة هو التوصل لظهور برآءة الرحم، وظهوره في ذوات الحيض  
بحيض ثلاث، فهي وإن انقطع حيضها سنين، لكن لما كانت مظنة  
الحيض لم يجعلها الشرع في حكم الآية والصغيرة حتى تعد  
بالأشهر لأن انقطاع الحيض ممن تحيض نادر، والعبرة للشائع لا

للنادر۔ (۱)

۳..... فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ جو لڑکا بے عقلی کی حالت میں بالغ ہوا ہو اس کو  
اس وقت تک اس کا مال سپرد نہیں کیا جائے گا جس وقت تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ  
دانشمندی کی حد میں داخل ہو گیا، لیکن جب اس کی عمر ۲۵ سال کی مکمل ہو جائے تو امام  
ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا مال ہر حالت میں اس کے حوالے کر دیا جائے گا، اور امام  
ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جب تک رُشد ثابت نہ ہو نہیں دیا جائے گا۔  
یہ وہ مسائل ہیں کہ جن میں یہ قاعدہ صادق آتا ہے کہ اعتبار شائع اور غالب کا ہوتا  
ہے نہ کہ نادر الوجود کا:

كذلك صرحوا بأن من بلغ سفيها غير رشيد، لا يسلم اليه ماله  
حتى يتحقق رشده، لكن إذا بلغ خمسا وعشرين سنة، يسلم اليه  
مطلقاً، سفيهاً كان أم رشيداً، في قول الإمام الأعظم وعندهما لا  
يدفع ما لم يتحقق منه الرشد، فهذه المسائل يصدق عليها قاعدة

أن الاعتبار للشائع الغالب لا للنادر۔ (۲)

(۲) شرح المجلة: ص ۹۹

(۱) شرح المجلة: ص ۹۹

۴..... عورت کے لیے مدت ایس کا اندازہ پچپن (۵۵) سال کی عمر سے لگایا جائے گا اس لیے کہ عورت جب اس عمر کو پہنچ جائے تو غالب یہی ہے کہ حیض کا خون منقطع ہو جاتا ہے:

وقدروا مدة الإياس من الحيض للمرأة بخمس وخمسين سنة  
لأجل أن تعتد لأن المرأة إذا بلغت هذه السن ففي الغالب ينقطع  
حيضها۔ (۱)

## قاعدہ نمبر (۴۲)

المَعْرُوفُ عُرْفًا كَالْمَشْرُوطِ شَرْطًا۔ (۲)

جو بات عرف عام میں مشہور و معروف ہو وہ ایسی ہے جیسے کوئی طے شدہ شرط ہوتی ہے۔

## تشریح

عرف چونکہ اسلامی قانون کا ایک ماخذ ہے اور اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہے اس لیے فقہاء کرام نے اس کی حد بندی کرنے اور اس کے قانونی حدود کو متعین کرنے کے لیے کچھ اصول بنائے جن کا بیان گذر چکا ہے، اور اب ضرورت تھی کہ عرف کی قانونی حیثیت اور طاقت کی وضاحت کر دی جائے تاکہ عرف کی بناء پر فیصلہ شدہ امور کی قانونی حیثیت معلوم ہو سکے، اس ضمن میں پہلا اصول یہی ہے کہ جو چیز عرفاً معروف ہوگی اس کی حیثیت وہی ہوگی جو کسی شرط کے مشروط چیز کے ساتھ ہوتی ہے یعنی شرط و مشروط لازم و ملزوم ہوتے ہیں کہ شرط موجود تو مشروط بھی موجود اور شرط مفقود تو مشروط بھی مفقود، اس طرح سے عرف اور معروف لازم و ملزوم ہیں، عرف موجود تو معروف بھی موجود، اور اگر عرف ختم ہو گیا تو معروف بھی اپنی قانونی حیثیت کھو دے گا۔

(۱) شرح القواعد الفقہیة: ص ۲۳۶

(۲) رد المہتار: کتاب الوقوف، مطلب متی ذکر الواقف شرطین متعارضین، ج ۴ ص ۲۵۰ شرح

القواعد الفقہیة: القاعدة الثانية والأربعون، ص ۲۳۷



## تفریعات

..... جب کوئی شخص کسی مزدور کو اینٹیں بنانے کے لیے مزدوری پر حاصل کرے  
بوریاں اور سانچہ اینٹ بنانے کے آلات بنوانے والے کے ذمہ ہوں گے اور یہ حکم ان کی  
عادت پر مبنی ہوگا:

استأجر رجلاً يضرب له لبنا ان الزنبيل والملين على صاحب  
اللبن و هذا على عادتهم۔ (۱)

يعتبر العرف في كل بلدة حتى قال في استئجار اللبان ان الزنبيل  
والملين على صاحب اللبن بناء على عرفهم۔ (۲)

۲..... اگر گورکن کو قبر کھودنے کے لیے مزدوری پر لیا گیا تو مٹی کا ڈالنا اسی کے ذمہ ہوگا:

وقالوا فيمن استوَجِرَ على حفر قبر ان حثى التراب عليه۔ (۳)

وحثى التراب على الحفار في القبر باعتبار العرف۔ (۴)

(۳) تنور سے روٹی کا باہر نکالنا تنور والے کے ذمہ ہوگا اس لیے کہ ان کے عمل کی

تکمیل اسی صورت سے ہوتی ہے:

اخراج الخبز من التنور على الخباز لأن ذلك من تمام العمل۔ (۵)

۳..... دھاگہ درزی کے ذمہ ہوگا کیونکہ عادت یہی جاری ہے، اور وہ کنگھی جس سے

جو لاپا کپڑا درست کرتا ہے کپڑے والے کے ذمہ ہوگی، اب اگر کسی شہر کے رہنے والوں کا

تعالل اس کے خلاف ہو تو پھر اس تعالل کے مطابق حکم دیا جائے گا:

وقالوا في الخياط، ان السلوك عليه لأن عادتهم جرت بذلك،

وقالوا في الدقيق الذي يصلح به الحائك الثوب أنه على صاحب

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۰ (۲) المبسوط: كتاب الاجارات، باب اجارة الظئر، ج ۱۵ ص ۱۲۱

(۳) شرح المجلة: ص ۱۰۰ (۴) المبسوط: كتاب الاجارات، باب اجارة الظئر، ج ۱۵ ص ۱۲۱

(۵) بدائع الصنائع: كتاب الاجارة، فصل في حكم الاجارة، ج ۴ ص ۲۰۹

الثوب، فان كان اهل بلد تعاملوا على خلاف ذلك فهو على ما يتعاملون۔<sup>(۱)</sup>

۵..... اگر شادی کے موقع پر کھانا پکانے کے لیے باورچی کو اجرت پر لیا گیا تو دیگچوں سے کھانا نکالنا باورچی کے ذمہ ہوگا، لیکن اگر کوئی مخصوص (قلیل) مقدار میں کھانا تیار کرایا گیا تو اس وقت کھانا ہانڈی سے نکالنا اس کے ذمہ نہ ہوگا، یہ سب اس وقت ہوگا جبکہ اہل شہر میں یہ امر معروف اور شائع ہو چکا ہو، ورنہ ان کے عرف کے اختلاف پر حکم بھی مختلف ہوگا:

وقالوا في الطباخ إذا استوجر في عرس، ان اخراج المرق عليه،

ولو طبخ قدرًا خاصةً ففرغ منها فله الأجر، وليس عليه من اخراج

المرق شيء وهو مبني على العادة، يختلف باختلاف العادة۔<sup>(۲)</sup>

۶..... کسی شخص نے اپنے مکان تک غلہ لے جانے کے لیے جانور کرایہ پر لیا جب غلہ مکان پر پہنچا تو غلہ کے مالک نے مزدور سے کہا کہ یہ غلہ مکان کے اندر پہنچا دو اور مزدور نے اس سے انکار کیا، تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان جیسا تعامل ہوگا اس کے مطابق عمل کیا جائے:

وقالوا فيمن تكارى دابة يحمل عليها حنطة الى منزلة، فلما انتهى

اليه اراد صاحب الحنطة عليه ان يحمل المكارى ذلك فيدخله في

منزله وابتى المكارى، قال ابوحنيفة: عليه ما يفعله الناس

ويتعاملون عليه۔<sup>(۳)</sup>

۷..... اگر گھوڑا (سواری کے لیے) کرایہ پر لیا گیا تو اس کی زین گھوڑے والے کے ذمہ ہوگی اور رسیاں وغیرہ عرف کے مطابق اسی شخص کے ذمہ ہوں گی جو عرف میں مروج ہوگا:

وإذا تكارى دابة فلاكاف على صاحب الدابة، فأما الحبال

(۱) بدائع الصنائع: كتاب الاجارة، فصل في حكم الاجارة، ج ۴ ص ۲۰۹

(۲) بدائع الصنائع: كتاب الاجارة، فصل في حكم الاجارة، ج ۴ ص ۲۰۹

(۳) بدائع الصنائع: كتاب الاجارة، فصل في حكم الاجارة، ج ۴ ص ۲۰۹

والجوالق، فعلى ما تعرفه أهل الصنعة وكذلك اللجام، وأما السرج،

فعلى رب الدابة۔<sup>(۱)</sup>

۸..... کسی مقام پر یہ رواج ہو کہ خریدار خرید کردہ شئی کی بار برداری کا کرایہ خود ادا کرے تو خریدتے وقت معاہدہ میں اس قسم کی تصریح نہ ہو تب بھی یہ رواج ایک ایسی شرط شمار ہوگا جیسا کہ اس معاہدہ میں شامل ہو۔

۹..... اجارات کے معاملہ میں یہ اصول بہت کام آتا ہے مثلاً سلائی کے لیے یارنگنے کے لیے کپڑا دیا جائے اور اجرت مقرر نہ کی جائے تو عرف کے مطابق اجرت مقرر کی جائے گی۔  
۱۰..... مہر بوقت نکاح متعین نہ کیا گیا ہو تو عرف کے مطابق تصور کیا جائے گا۔

## قاعدہ نمبر (۲۳)

المَعْرُوفُ بَيْنَ التُّجَّارِ كَالْمَشْرُوطِ بَيْنَهُمْ۔<sup>(۲)</sup>

تاجروں میں جو بات معروف ہو چکی ہو وہ بمنزلہ شرط تصور ہوگی۔

تشریح

تاجروں میں عموماً تحریری معاہدات کم ہوتے ہیں زیادہ تر کاروبار مخصوص کاروباری رواجات، معروفات اور روایات کے تحت انجام پاتا ہے، خرید و فروخت کے معاہدات میں یہ رواجات، معروفات مذکور نہیں ہوتے، لیکن معاہدات کی ضروری شرائط کے طور پر تسلیم کیے جاتے اور قابل نفاذ تصور کیے جاتے ہیں مثلاً قیمت کی ادائیگی کا طریق کار اور وقت بار برداری کے ذرائع و طریقے، مال میں عیب نکلنے پر اس کی واپسی کا طریق کار، مال دیکھنے اور پسند کرنے کے موقع کی فراہمی، مال کی درجہ بندی، نمونہ، قسم اور درجہ کے لحاظ سے مال کی فراہمی، مشینوں کے ضروری پرزہ جات اور فاضل پرزہ جات کا تعین وغیرہ۔

(۱) بدائع الصنائع: کتاب الاجارة، فصل فی حکم الاجارة، ج ۳ ص ۲۰۹

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۱ شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثالثة والأربعون، ص ۲۳۹

## تفریعات

۱..... دو تاجروں نے باہم خرید و فروخت کا عقد کیا اور انعقاد کے وقت بیع کی قیمت کے نقد یا معیاری ہونے کی کوئی صراحت نہ کی تو اگرچہ عقد بیع یہ چاہتا ہے کہ قیمت کی ادائیگی نقد کی جائے لیکن اگر تاجروں کی عرف میں یہ مقرر ہو گیا ہو کہ اس قسم کے بیع میں قیمت کی ادائیگی ہفتہ وار قسط پر ہوا کرتی ہو یا ماہانہ ادائیگی پر ہوتی ہو تو اب خریدار پر فوری ادائیگی لازم نہ ہوگی بلکہ ان لوگوں کے عرف و عادت کے مطابق عمل ہوگا اس لیے کہ معروف مشروط کا درجہ رکھتا ہے:

فلو تبایع تاجر ان شیئاً ولم یصرحافی صلب العقد ان الثمن نقد  
 او نسیئة، فعقد البیع وان كان مقتضاه نقد الثمن حالاً، الا انه اذا  
 تعارفوا علی ان ذلك الشیء یودی ثمنه بعد اسبوع او شهر، لا  
 یلزم المشتري اداء الثمن حالاً، وینصرف الی عرفهم وعاداتهم فی  
 الأجل، لأن المعروف بینهم کالمشروط۔<sup>(۱)</sup>

۲..... ایسے تمام معاملات جو تجارت سے متعلق ہوں جب ان میں کوئی صراحت موجود نہ ہو تو اس کا فیصلہ بھی تاجروں کے عرف و عادت ہی پر مبنی ہوگا مثلاً دو شخص کھیتی باڑی کا پیشہ کرتے ہوں ان میں سے ایک شخص دوسرے سے مضاربت کا عقد کرے اور دوسرے کو خرید و فروخت کے لیے نقد رقم سپرد کر دے یا شرکت عنان وغیرہ کا عقد کریں جو کہ ایک تجارتی لین دین ہی ہے تو ان میں بھی اگر کسی امر کی صراحت نہ کی گئی ہو تو مضاربت یا شریک کو مال میں ایسے تصرف کا حق حاصل ہوگا جو تاجروں کے مابین متعارف ہوں مثلاً قرض کا لین دین، تجارت کے لیے سفر کرنا، بضاعت یا ودیعت کے طور پر کسی کو مال دینا یا اجارے پر دینا وغیرہ (یہ سب تاجروں کے عرف پر مبنی ہوں گے) کیونکہ شرکت بھی تجارت

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۱

کے متعلقات میں سے ہے لہذا اس میں وہی عرف جاری ہوگا جو تجارت کے درمیان قرار پایا گیا ہو:

فلو كان رجلا ن صنعتها الزراعة، ضارب أحدهما الآخر، و دفع له نقداً لبيع ويشترى، أو عقدا شركة عنان أو غيرها، فيما أن هذا الصنيع من نوع التجارة، فللمضارب أو الشريك عند عدم التقييد بشيء التصرف في المال اذانة أو سفر به أو ابضاع أو ايداع أو استئجار على حسب ما هو المتعارف بين التجار لأن الشركة من أعمال التجارة، فتنعقد على عادة التجار، وهذه الأمور من عاداتهم۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اگر کسی شخص کو اس کے لیے وکیل مقرر کیا گیا ہو اور کوئی قید وکالت اس میں مذکور نہ ہو تو مطلق وکالت ہوگی، وکیل کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے مؤکل کے مال کو نقد و ادھار ایک معین مدت پر فروخت کر دے لیکن یہ مدت اس عرف کے خلاف ایسی (طویل) نہ ہو جو وہاں کے تاجروں میں معروف ہے:

فللو كيل المطلق بالبيع أن يبيع مال موكله نقداً ونسيئة لمدة معروفة بين التجار في حق ذلك المال، وليس أن يبيعه لمدة الطويلة مخالف للعرف والعادة۔<sup>(۲)</sup>

۴..... اسی طرح شرکت کا عقد بھی تجارت کے معاملات کا ایک شعبہ ہے اس میں یہ شرط ہے کہ رأس المال (اصل مال) نقد ہو کسی قسم کا سامان نہ ہو، لہذا اگر سونا چاندی کے ٹکڑے جو سکہ کی شکل نہ رکھتے ہوں اگر عرف میں شرکت کے عقد میں ان کو رأس المال بنایا جاتا ہو تو ان کا رأس المال ہونا صحیح ہوگا، اس کے برعکس سامان کا درجہ رکھیں گے نقد و متصور نہ ہوں گے اور شرکت صحیح نہ ہوگی:

كذلك الشركة لما كانت من أعمال 'تجارة، ويشترط فيها أن

(۲) شرح المجلة: ص ۱۰۲

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۱، ۱۰۲

يكون رأس المال من النقود، ولا يصح أن يكون عروضاً فغير  
المسكوك من الذهب والفضة ان جرى العرف باستعماله كالنقود،  
يصح ان يكون رأس مال في الشركة، والا فيكون في حكم  
العروض فلا يصح۔<sup>(۱)</sup>

## قاعدہ نمبر (۴۴)

التَّعِينُ بِالْعُرْفِ كَالْتَّعِينِ بِالنَّصِّ۔<sup>(۲)</sup>

عرف عام کے ذریعے کسی قسم کا تعین ایسا ہی متصور ہوگا جیسا کہ صراحت کے  
ساتھ تعین کیا گیا ہو۔

نص کا لغوی، اصطلاحی معنی

لغت میں کسی امر کے اظہار کو نص کہتے ہیں، اور اصطلاح شرع میں اس لفظ کو قرآن و

حدیث کی عبارت پر بولا جاتا ہے:

يطلق النص لغةً على معنى الاظهار وفي اصطلاح الشرع على

النص الشرعي وهو القرآن والحديث۔<sup>(۳)</sup>

تشریح

یہ قاعدہ بھی عرف کے شرعی و قانونی حکم کی وضاحت کرتا ہے نص شرعی کے ذریعے  
طے شدہ بات قطعی الثبوت اور اس پر عمل ضروری ہوتا ہے، اور فقہاء کا فیصلہ ہے کہ عرف کے  
ذریعے طے شدہ بات بھی اس طرح واجب العمل ہے جس طرح نص کے ذریعے طے شدہ  
بات ہو۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۲

(۲) المبسوط: کتاب البيوع، السلم في المسابق والفراء، ج ۱۲ ص ۱۶۰ مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۱

(۳) شرح المجلة: ص ۱۰۲



## تفریعات

..... مثلاً ایک شخص نے سواری کے لیے گھوڑا عاریتاً لیا اب عاریت پر لینے والے کو یہ حق ہوگا کہ اس پر جس وقت جہاں چاہے سوار ہو کر جائے، لیکن یہ حق نہ ہوگا کہ جو مسافت دو گھنٹہ میں طے کی جاتی ہو اس کو ایک گھنٹے میں طے کرنے کی کوشش کرے کیونکہ یہ عاریت کا عقد اگرچہ مطلق تھا لیکن عرف و عادت کی دلالت اس کو مقید کر دے گی:

مثلاً إذا أعار رجل دابة على الوجه المذكور، اعادة مطلقاً، فالمستعير له أن يركبها الى حيث شاء في الوقف الذي يريده وانما ليس له أن يذهب بها الى المحل الذي مسافة الذهاب اليه ساعتان في ساعة واحدة، فان العقد وان خرج مخرج الإطلاق لكن كما في البدائع المطلق يتقيد بالعرف والعادة دلالة (۱)

۲..... اگر کسی چیز کی قیمت میں رواجاً بار برداری کا خرچہ شامل کیا جاتا ہو تو ایسا ہی نافذ کیا جائے گا، رواج اگر وہ قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو تو نص کا درجہ رکھتا ہے۔

۳..... اگر کسی جگہ مختلف کرنسیاں رائج ہوں اور ان کی مالیت اور رواج مختلف ہو اور کوئی شخص دراهم اور دنانیر کے بدلے کوئی چیز خریدے تو اس معاملے کو اس کرنسی کی طرف پھیر دیا جائے گا جس کا رواج وہاں ہوگا:

التعین بالعرف كالتعین بالنص كمن اشترى بدراهم مطلقاً  
ينصرف الى نقد البلد۔ (۲)

## قاعدہ نمبر (۴۵)

إِذَا تَعَارَضَ الْمَانِعُ وَالْمُقْتَضَى يُقَدَّمُ الْمَانِعُ۔ (۳)  
جب مانع اور مقتضی میں تعارض ہو تو مانع کو مقدم کیا جائے گا۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۳

(۲) المبسوط: كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره، ج ۴ ص ۱۵۲

(۳) الأشباه و النظائر: النوع الثاني من القواعد، ص ۱۱۷ مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۱

## تشریح

کسی ایک ہی کام کے سلسلے میں دو باتیں اس طرح ٹکرا جائیں کہ ایک بات اس کام سے روکتی ہو اور دوسری بات اس کا تقاضہ کرتی ہو تو روکنے والی بات کو اہمیت دی جائے گی ہاں اگر کسی اور دلیل سے مقتضی کی تائید ہو جائے تو پھر اس کی اہمیت بڑھ جائے گی۔

## تفریحات

۱..... ہمارے زمانے میں عورتوں کو جماعت کی نماز میں شرکت کے لیے مساجد میں جانے سے منع کر دینا اسی قاعدے کے پیش نظر واقع ہوا ہے اس لیے کہ فساد زمانہ منع کرنے کا مقتضی ہے، اور (ایک مسلمہ عورت کا) مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اس امر کا مقتضی ہے کہ عورتیں مساجد میں جائیں چنانچہ مانع کو مقدم کر دیا گیا:

وهذه القاعدة قد تجرى في العبادات، ويخرج عليها منع النساء  
عن المساجد لصلوة الجماعة في زماننا، فان المانع وهو فساد  
الزمان يقتضي المنع، وأداء الصلوة في المسجد مع الجماعة  
يقتضي الفعل، فيقدم المانع۔<sup>(۱)</sup>

۲..... جب زوجہ حیض کی حالت میں ہو تو اس کی مجامعت کا اذیت ہونا منصوص علیہ ہے جو ممانعت کو چاہتا ہے اور موجودہ زوجیت کا تعلق مجامعت کا مقتضی ہے، چنانچہ مانع کو مقدم کیا گیا یہی صورت اس وقت بھی ہوگی جب شوہر اور زوجہ دونوں حالت احرام میں یا ان میں سے کوئی ایک حالت احرام میں ہو:

والزوجة إذا كانت حائضاً فالأذى المنصوص عليه يقتضي المنع،  
والزوجية القائمة تقتضي الاتيان، فيقدم المانع، وكذا لو كان  
أحدهما أو كلاهما في حالة الإحرام۔<sup>(۲)</sup>

(۲) شرح المجلة: ص ۱۰۴

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۴

۳..... ہر مالک اپنی مملوکہ شئی میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے لیکن جب غیر کا حق اس سے متعلق ہو تو پھر مالک کو مستقل طور پر تصرف کرنے سے روک دیا جائے گا، مثلاً ایک شخص کسی مکان کی تحتانی منزل کا مالک ہو اور دوسرا شخص فوقانی منزل کا، لہذا اس صورت میں ہر شخص کا حق اس مکان سے متعلق ہے چھت کا محفوظ رہنا تحتانی منزل والے کا حق ہے اور استقرار فوقانی منزل والے کا حق ہے اب ان دونوں میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ ایک دوسرے کی بغیر اجازت کوئی ایسا تصرف کریں جو دوسرے کے لیے مضر ہو، نہ یہ کر سکتا ہے کہ قصداً عمارت کو منہدم کرے، اب یہاں دونوں شخصوں کا مالک ہونا یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی اپنی ملک میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، لیکن ہر ایک کے حق کو دوسرے کی ملکیت سے متعلق ہونا بلا اجازت ہر قسم کے تصرف سے مانع ہے اس لیے مانع کو مقدم کیا جائے گا:

ان کلا يتصرف في ملكه كيف شاء، لكن إذا تعلق حق الغير،  
يمنع المالك من تصرفه على وجه الاستقلال، كسفل لرجل  
وفوقانية لآخر، فلصاحب فوقانية حق القرار في التحتانی،  
ولصاحب التحتانی حق السقف في فوقانية بتستره من الشمس  
وتحفظه من المطر، وليس لأحدهما أن يفعل شيئاً مضرًا إلا باذن  
الآخر، ولا أن يهدم بناء نفسه تكل منهما وان كان اعتبار كونه  
مالكا يقتضى التصرف كيف يشاء، الا فعلق حق كل بما في ملك  
الآخر مانعٌ فيقدم۔<sup>(۱)</sup>

۴..... عدالت میں پیش ہونے والے شاہدوں کے حق میں ان کے حالات کا جائزہ لینے والوں میں سے بعض نے شاہدوں کو عادل بیان کیا اور بعض نے ان کو مجروح ظاہر کیا، اس وقت حاکم ان کی شہادت پر فیصلہ نہ دے گا، چنانچہ اظہار عدالت کا اقتضاء یہ ہے کہ ان کی شہادت مقبول ہو اور جرح اس سے مانع آتی ہے، چنانچہ جرح کو تعدیل پر مقدم کیا جائے گا:

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۴

إذا عدل بعض المزكين الشهود، وجرحهم بعضهم، يرجح طرف  
الجرح فلا يحكم الحاكم بشهادتهم، فالتعديل يقتضى القبول،  
والجرح يمنع، فيقدم المانع۔<sup>(۱)</sup>

۵..... اگر کوئی شخص اپنی زمین سے گھاس کاٹنے کے لیے کسی دوسرے کی زمین سے  
گذرنا چاہے اور اس گزرنے والے کے لیے اپنی زمین میں داخل ہونے کا دوسرا راستہ  
موجود و ممکن ہے تو دوسرا شخص اس کو اپنی مملو کہ زمین میں گزرنے سے روک سکتا ہے جس  
طرح چشمہ یا کنویں سے پانی لانے کی صورت میں، اس لیے کہ پانی اور گھاس چارے کی  
ضرورت، ایک امر مباح کی ضرورت ہے جو یہ چاہتی ہے کہ اس کے حصول میں کسی شخص کی  
زمین سے گذرنا جائز ہو، لیکن جب جانے والوں کے لیے کسی شخص کی مملو کہ زمین سے  
گزرنے کے ماسوا کوئی دوسرا راستہ بھی ممکن ہو تو اب اس زمین سے گزرنے کی ضرورت  
باقی نہیں رہتی جب تک زمین کا مالک اجازت نہ دے دے اس سے گذرنا جائز نہ ہوگا اور  
مانع کو مقدم کیا جائے گا:

كذلك صرحوا بأنه إذا أراد أحد دخول أرض مملوكة لا احتشاش  
الكلافان كان يجده في مكان آخر، يمنعه صاحبها من الدخول  
كالماء في الآبار، لأن الضرورة إلى الماء أو الكلام المباح، يقتضى  
الدخول، لكن وجوده في مكان آخر لا يحوجه إلى الدخول في  
أرض الغير بدون اذنه يقتضى المنع، فيقدم المانع۔<sup>(۲)</sup>

۶..... باپ کو بیٹے کے قرض میں قید کرنا جائز نہیں اگرچہ قرض کی ادائیگی باپ کے  
ذمہ لازم ہے جو اس فعل کے جواز کو چاہتی ہے، لیکن ابوت کا حق اور والدین کے ساتھ  
احسان سے پیش آنا اور صلہ رحمی اس فعل (قید کر دینے) سے مانع ہے اس کو جواز پر تقدم  
حاصل ہوگا:

(۲) شرح المجلة: ص ۱۰۷

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۵

والأب لا يحبس بدين ابنه، لأن الحق اللازم أداءه شرعاً وان  
اقتضاء، لكن حق الأبوة في لزوم البر واجتناب العقوق مانع فيقدم  
المانع۔ (۱)

..... اگر دو آدمیوں نے مل کر کاروبار شروع کیا تو ایک شریک اپنے دوسرے ساتھی  
کی مرضی کے خلاف مالِ مشترک میں کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتا اگرچہ اس کا حصہ دار ہونا  
اس بات کا مقتضی یہ ہے کہ وہ تصرف کرے مگر ساتھی کا راضی نہ ہونا یا اس کا نقصان ہو جانا  
اس کے لیے مانع ہے اس لیے مانع کو اولیت حاصل ہوگی۔

### قاعدہ نمبر (۴۶)

التَّابِعُ تَابِعٌ۔ (۲)

تابع تابع ہی شمار ہوگا۔

### تشریح

جب کسی چیز کو کسی اور چیز کا تابع بنا دیا جائے یعنی اس چیز کے ساتھ شامل کر لیا جائے تو  
یہ تابع اپنے متبوع سے جدا نہیں ہو سکتا بلکہ ساتھ ساتھ ہی رہتا ہے، اس اصل سے ایک اور  
اصول واضح ہوتا ہے اگر متبوع نہ رہے گا تو تابع بھی نہیں رہے گا اس اصول کے پیش نظر  
فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر اصل باقی نہ رہے تو فرع بھی باقی نہیں رہے گی اور جب اصل  
ذمہ دار شخص بری ہو گیا تو اس کا ضامن (کفیل) بھی بری ہو جائے گا اس سے یہ کلیہ بھی  
ثابت ہوتا ہے کہ تابع اپنے متبوع سے مقدم نہیں ہوگا بلکہ تابع ہی شمار ہوگا یہی وجہ ہے کہ  
نماز میں مقتدی کے لیے ضروری ہے کہ امام کی اتباع کرے اگر رکوع و سجود میں یا کسی اور  
معاملے میں مقتدی نے امام سے پہلے کی تو جائز نہ ہوگا۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۱

(۲) الأشباه والنظائر: النوع الثانی من القواعد، ص ۱۲۰ مجلة الأحكام العدلیة: ص ۲۱

## تفریعات

۱..... اگر کوئی ایسا جانور فروخت کیا گیا جس کے پیٹ میں بچہ تھا تو یہ بچہ اس جانور کی بیع میں شامل ہوگا یعنی اپنی ماں کی بیع میں اس کا تابع ہوگا بیع کا عقد مستقلاً بچہ کے حق میں ضروری نہ ہوگا۔

فاذا بیعت الدابة وفي بطنها حمل، يدخل في البيع تبعاً لأمه، ولا يجوز افراده بالبيع۔<sup>(۱)</sup>

۲..... حق سیرابی زمین یا حق مرور، زمین کی بیع میں تبعاً داخل ہو جاتے ہیں ظاہر مذہب یہ ہے کہ بیع میں ان کا وجود مستقلاً تصور نہیں کیا جاتا:

الشرب والطريق، أعنى حق المرور فيه لا رقبتة، يدخلان في بيع الأرض تبعاً ولا يفردان بالبيع على الأظهر۔<sup>(۲)</sup>

۳..... حمل کے قتل کرنے میں کفارہ نہیں ہوتا اسی طرح اس کی نفی کر دینے سے لعان کا حکم نہیں ہوتا:

ولا كفارة في قتل الحمل، ولا لعان بنفيه۔<sup>(۳)</sup>

۴..... ہر وہ شئی جو کسی شہر کے عرف میں بیع کے مشتملات میں سمجھی جاتی ہے وہ بغیر ذکر کے بیع میں داخل ہو جائے گی، چنانچہ مکان کی بیع میں بیت الخلاء اور باورچی خانہ وغیرہ داخل ہوں گے، اسی طرح زیتون کے باغیچے کی بیع میں تمام زیتون کے درخت داخل ہوں گے:

ان كل شيء جرى في عرف البلدة على أنه من مشتملات البيع، يدخل في البيع من غير ذكر، مثلاً في بيع الدار يدخل المطبخ والكلار، وفي بيع حديقة زيتون تدخل اشجار الزيتون۔<sup>(۴)</sup>

(۲) شرح المجلة: ص ۱۰۷

(۳) شرح المجلة: ص ۱۰۷

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۷

(۴) شرح المجلة: ص ۱۰۷



۵..... جو چیز بیع کا جزء متصور ہوتی ہو یعنی بیع سے اس کا جدا ہونا قابل قبول نہ ہوتا ہو وہ بھی بیع کی بیع میں داخل متصور ہوگی جیسا کہ قفل کی بیع میں کنجیاں یا شیر خوار بچے والی گائے کا بچہ جو دودھ کی غرض سے خریدی جائے قفل اور گائے کی بیع میں بغیر ذکر کے داخل ہوں گے، جیسا کہ قائم رہنے والی الماریاں یا کواڑوں میں فٹ کیے ہوئے قفل وغیرہ اور مکان کے فرش میں لگی ہوئی چیزیں مکان کی بیع میں داخل ہوں گے۔

ما كان في حكم جزء من أجزاء المبيع أي ما لا يقبل الانفكاك  
عن المبيع نظرًا إلى غرض المشتري، يدخل في البيع بدون  
ذكرة كالقفل يدخل مفتاحه، والبقرة الحلوب لأجل اللبن يدخل  
فلوها الرضيع وكذا توابع المبيع المتصلة المستقرة كالأقفال  
المسورة والدفوف المسورة المعدة لوضع الفرش۔<sup>(۱)</sup>

۶..... ہر وہ شئی جو زمین سے جوڑ دی گئی ہو وہ بیع میں (بغیر ذکر) کے داخل ہوگی اور جو چیز اگرچہ جوڑی گئی ہو لیکن صرف ایک وقت معین تک کے لیے اس کا دوام اور باقی رکھنا مقصود نہ ہو تو وہ بیع میں داخل نہ ہوگی:

والأصل في هذا كما في البدائع: ان كل ما ركب في الأرض  
يدخل، وما لم يركب فيها أو ركب للبقاء بل لوقت معلوم، لا  
يدخل۔<sup>(۲)</sup>

۷..... اگر کسی شخص نے کوئی چیز فروخت کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنایا تو وکیل کے لئے جائز نہ ہوگا کہ اصل مالک کی اجازت کے بغیر آگے کسی اور کو وکیل بنائے اس لیے کہ یہ تابع ہے۔

۸..... اگر کسی نے کسی کی بھیڑیں غصب کر لیں پھر ان سے اون اتار لی اور دودھ بھی حاصل کیا تو وہ نہ صرف بھیڑیں واپس کرے گا بلکہ ساتھ ہی حاصل کردہ منافع بھی لوٹائے گا۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۸ (۲) شرح المجلة: ص ۱۰۸

- ۹..... رہن قرض کا تابع ہے جب قرض ادا ہو جائے تو رہن ختم ہو جائے گا۔
- ۱۰..... مشین یا گاڑی یا موبائل خریدتے وقت اس کے جو لازمی پرزے ہیں وہ بیچ میں شامل رہیں گے اس لیے کہ وہ تابع ہیں۔

## قاعدہ نمبر (۷۷)

التَّابِعُ لَا يَفْرَدُ بِالْحُكْمِ - (۱)

تابع کا فیصلہ متبوع سے الگ نہیں کیا جائے گا۔

## تشریح

تابع ہمیشہ اپنے متبوع کے حکم میں شامل ہوتا ہے اس لیے ایسا نہیں ہو سکتا کہ متبوع سے جدا کر کے انفرادی طور پر تابع پر کوئی حکم لگایا جائے۔

## تفریعات

۱..... کسی غلام کا کاتب ہونا یا کھانا پکانا جیسی صفات کے مقابلے میں غلام کی قیمت میں سے کوئی حصہ قیمت کا شمار نہ کیا جائے گا حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے اس شرط پر غلام خریدا کہ وہ کاتب یا باورچی ہے اس کے بعد اس کے خلاف ثابت ہوا تو اب مشتری پوری قیمت ادا کرے گا یا یہ کہ اس کو واپس کر دے گا (یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی قیمت میں کچھ کمی کر سکے):

كذلك الصفات مثل الخبز والكتابة في العبد لما كانت تابعة للمبيع، غير مستقلة بنفسها، لا يقابلها شيء من الثمن، حتى لو اشترى عبداً بشرط انه خباز أو كاتب، فظهر بخلافه، اخذه بكل الثمن أو تركه۔ (۲)

۲..... گھوڑے کی بیچ میں اس کی زین و گام وغیرہ یا غلام کے جسم کا مستعمل لباس یا

(۱) الأشباه والنظائر: النوع الثاني من القواعد، ص ۱۲۰ مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۱

(۲) شرح المجلة: ص ۱۰۹

زمین کی بیع میں اس میں قائم شدہ درخت کیونکہ یہ تمام چیزیں بغیر ذکر کے ان اشیاء کی بیع میں داخل ہوتی ہیں، اور ان اشیاء کی قیمت کا کوئی جزء ان کے مقابلے میں کم و بیش نہیں سمجھا جاتا، چنانچہ اگر بیع کے سپرد کرنے سے قبل ان میں سے کوئی چیز ضائع ہو جائے تو بیع کی قیمت بدستور قائم رہے گی:

كأكاف الحمير وثياب العبد والشجر في الأرض، في أنها تدخل في  
البيع من غير ذكر، فلا يقابلها شيء من الثمن لو هلكت أو سرقت  
قبل تسليم المبيع۔<sup>(۱)</sup>

۳..... کسی کنویں سے پانی پینے کا حق نہیں بیچا جاسکتا کیونکہ یہ اس کنویں کے تابع ہے اگر بکے تو کنویں کے ساتھ ہی بکے گا، اس طرح راستے پر گزرنے کا حق جدا طور پر نہیں فروخت کیا جاسکتا۔

۴..... ماں جبکہ لونڈی ہو تو پیٹ میں بچے کی جدا طور پر خرید و فروخت نہیں کی جاسکتی نہ ہی اس کو ہبہ کیا جاسکتا ہے۔

۵..... اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ میری گائے یا بکری جو بچہ دے وہ تمہارا ہوگا تو یہ ہبہ نہیں کہلائے گا بلکہ ہبہ کا وعدہ کہلائے گا جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے اور دوسرا شخص اس پر قبضہ نہ کرے ہبہ مکمل نہیں ہوگا۔

۶..... اگر کوئی مشین یا گاڑی وغیرہ فروخت کی جائے تو اس کے لازمی پرزوں کو اس میں شامل سمجھا جائے گا اور ان کا معاملہ الگ الگ طے نہیں کیا جائے گا۔

## قاعدہ نمبر (۴۸)

مَنْ مَلَكَ شَيْئًا مَلَكَ مَا هُوَ مِنْ ضَرُورَاتِهِ۔<sup>(۲)</sup>

جو شخص کسی چیز کا مالک ہو وہ اس چیز کی ضروریات کا بھی مالک ہو جائے گا۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۱۰

(۲) البحر الرائق: کتاب المکاتب، باب ما يجوز للمکاتب أن يفعلہ وما لا يجوز، ج ۸ ص ۵۴، تبیین الحقائق: کتاب المکاتب، باب ما يجوز للمکاتب أن يفعلہ، ج ۵ ص ۱۵۸

## تشریح

کسی چیز کی ضرورت وہ چیزیں کہلاتی ہیں جن کے بغیر مملوکہ چیز سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو، لہذا جو شخص کسی چیز کا مالک ہوگا تو وہ اس کی ضروریات کا بھی مالک ہوگا تاکہ اس چیز سے فائدہ اٹھایا جاسکے کیونکہ کسی چیز کی ملکیت سے مقصود ہی انتفاع ہے۔

## تفریعات

۱..... اگر کسی شخص نے کسی سے تالا خریدتا تو اس میں اس کی چابیاں بھی داخل ہوں گی اسی قاعدے کے پیش نظر۔

۲..... اگر کسی نے دودھ کے لیے گائے خریدی تو بیع میں اس کا رضیع بھی داخل ہوگا اگرچہ بیع میں اس کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو آدمی کسی چیز کا مالک ہوتا ہے وہ اس چیز کی ضروریات کا بھی مالک ہوتا ہے۔

۳..... اگر کوئی زمین خریدتا ہے تو اس زمین کے اندر جو بھی اشیاء ہوں اس طور پر کہ انہیں اس زمین سے جدا نہ کیا جاتا ہو تو خریدار ان سب کا بھی مالک ہوگا۔

۴..... ایک شخص ایک مکان خریدتا ہے تو وہ اس راستہ کا بھی مالک ہوگا جو اس مکان تک جاتا ہو۔

۵..... جب کوئی شخص ایک مشین یا آلہ کا مالک ہو تو وہ اس کے اندر کے لازمی پرزوں کا بھی مالک ہوگا۔

## قاعدہ نمبر (۴۹)

إِذَا سَقَطَ الْأَصْلُ سَقَطَ الْفَرْعُ<sup>(۱)</sup>

اصل کے ساقط ہونے سے اس کی فرع ساقط ہو جاتی ہے۔

(۱) الأشباه والنظائر: النوع الثانی من القواعد، ص ۱۲۱ مجلة الأحكام العدلیة: ص ۲۱

## تشریح

فرع وہ چیز ہوتی ہے جس کا اپنا ذاتی کوئی وجود نہیں ہوتا یا اس کے ذاتی وجود کو قانونی اہمیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ اصل پر مبنی ہوتا ہے، تو جس چیز پر اس کی بنیاد ہوتی ہے جب وہ ہی باقی نہ رہے تو فرع کا وجود کس طرح باقی رہ سکتا ہے، لیکن اس کے برعکس ہو سکتا ہے کہ فرع باقی نہ رہے اور اصل باقی رہ جائے اس لیے کہ اصل کا وجود فرع کا محتاج نہیں ہوتا۔

## تفریحات

۱..... اصیل کے ذمہ کی براءت سے کفیل کے ذمہ کی براءت لازمی ہو جائے گی، چنانچہ اگر دائن نے اپنے مدیون کو دین سے بری الذمہ کر دیا تو کفیل بھی بری الذمہ ہو جائے گا لیکن اگر کفیل کو بری کر دیا گیا تو اصیل بری نہ ہوگا اس کے ذمہ دین بدستور باقی رہے گا:

براءة الأصيل توجب براءة الكفيل، فلو أبرأ ذمة مدیونه

تبرأ ذمة كفيله تبعاً فلا حق له في مطالبة الكفيل ولو أبرأ الكفيل

لا يبرأ الأصيل لأن الكفيل متفرع على الأصيل في الوجود، والا

لا نقلب الفرع أصلاً، وهذا لا يجوز۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر اصل شاہد کے لیے شہادت حاضر ہونے سے کوئی عذر لاحق ہو جائے اور وہ کسی دوسرے شخص سے یہ کہے کہ تم میری اس شہادت پر شہادت ادا کر دو، اس کے بعد کسی وجہ سے اصل شاہد فاسق ہو جائے یا مثلاً گونگا ہو جائے تو اب فرع کی شہادت قبول نہ کی جائے گی اس لیے کہ اس کی شہادت اصل کی شہادت کی فرع ہے، اور جب اصل ساقط الاعتبار ہو گیا تو اب فرع بھی ساقط الاعتبار ہو جائی گی:

في باب الشهادة على الشهادة، ما لو كان للشاهد الأصل عذر فحمل

غيره شهادته بأن قال الأصل للفرع: اشهد على شهادتي بكذا،

(۱) شرح المجلة: ص ۱۱۵

فخرج الأصل عن أهلية الشهادة لفسق أو خرس مثلاً ، تبطل شهادة الفرع ، لأنها فرع من شهادة الأصل وبسقوط الأصل يسقط الفرع۔ (۱)

۳..... اسی طرح وکیل اپنے مؤکل کی موت یا دیوانگی سے معزول ہو جائے گا بشرطیکہ اس کی وکالت سے کسی غیر کا حق متعلق نہ ہو، چنانچہ (معزولی کے بعد) اب وکیل کو تصرف کا حق نہ رہے گا بخلاف وکیل کی موت یا دیوانگی کے کہ اس صورت میں مؤکل کے تصرف کا حق باطل نہ ہوگا:

كذلك الوكيل ينعزل بموت موكله أو جنونه إذا لم يتعلق بوكالته حق الغير، فلا يبقى له حق التصرف بخلاف موت الوكيل أو جنونه فإنه لا يسقط حق تصرف الموكل فيما وكل به۔ (۲)

۴..... اسی طرح قتلِ عمد کے مقتول کے ولی کو محض قصاص کے مطالبہ کا حق حاصل ہے اور جب تک خود قاتل دیت دینے پر راضی نہ ہو ولی قصاص کے بدلے دیت کا مطالبہ نہیں کر سکتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ قصاص کا دیت کی طرف منتقل ہو جانا دونوں فریق کی رضامندی پر مبنی ہے لہذا اگر قاتل (جس سے قصاص لیا جانا تھا) اس تراضی سے قبل فوت ہو گیا تو محل قصاص فوت ہو جانے کی بناء پر قصاص ساقط ہو جائے گا، اور اب دیت کا امکان بھی ہمارے نزدیک باقی نہ رہے گا اور اگر زندہ رہا تو تراضی کا امکان موجود رہے گا، خلاصہ یہ کہ اصل (قصاص کے) ساقط ہونے سے اس کی فرع (دیت) ساقط ہو جائے گی:

كذلك ولي المقتول عمداً له على القاتل حق القصاص عيناً لا غير، وليس له طلب الدية بدل القصاص من القاتل بدون رضاء عندنا اذ العفو عن القصاص الى الدية لا يكون الا بالتراضى، فلو مات من عليه القصاص قبل اجراء شيء من ذلك سقط القصاص

(۲) شرح المجلة: ص ۱۱۵

(۱) شرح المجلة: ص ۱۱۵



لفوات المحل، ولا يبقى امكانٌ للدية عندنا، ولو لم يمت كان من الممكن التراضي عليها، فسقوط الأصل وهو القصاص

لفوات المحل، سقط الفرع وهو الدية۔ (۱)

۵..... اسی طرح اگر کسی شخص کا غلام غلطی سے کسی پر دست اندازی کر بیٹھے تو تمام کتب مذہب میں متفقاً علیہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس صورت میں آقا کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ اس جرم کے معاوضہ میں یا تو اس غلام کو دے ڈالے یا یہ کہ اس جرم کی سزا میں جو مال دیا جانا ہو اس وقت کے مطابق وہ مال ادا کر دے، اب اگر اس معاملے سے قبل غلام فوت ہو جائے گا تو آقا سے وہ ضمان ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ ضمان فرع ہے جو اصل کے ساقط ہونے سے ساقط ہو گئی:

كذلك العبد إذا جنى على أحد نطاء فكتب المذهب طافحةً بأن الحكم في ذلك هو الخيار للمولى ان شاء دفعه بالجنایة، وهذا هو الأصل على الصحيح كما في الدر المختار، وان شاء فداه بارش الجنایة حالاً، فلو مات العبد قبل ذلك، سقط الأرش عن المولى لأنه فرع وقد سقط بسقوط الأصل۔ (۲)

(۶) کسی فوجداری جرم میں ماخوذ ملزم دوران سماعت ضمانت پر رہا ہو تو مقدمہ میں بری ہونے پر اس کا ضامن بھی بری الذمہ ہو جائے گا۔

## قاعدہ نمبر (۵۰)

السَّاقِطُ لَا يَعُودُ كَمَا أَنَّ الْمَعْدُومَ لَا يَعُودُ (۳)

جس طرح معدوم کا اعادہ نہیں ہوتا اس طرح ساقط شدہ کا اعادہ نہ ہو سکے گا۔

(۲) شرح المجلة: ص ۱۱۷

(۱) شرح المجلة: ص ۱۱۶

(۳) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۱ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الخمسون، ص ۲۶۵

## تشریح

وہ حقوق جو سقوط کو قبول کرتے ہیں جب ساقط ہو جائیں تو دوبارہ نہیں لوٹتے یعنی پھر ان کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا البتہ ایسے حقوق جو سقوط کو قبول نہیں کرتے وہ ساقط کرنے سے بھی ساقط نہیں ہوتے، مثلاً والد کا ولایت نکاح کا حق، وارث کا حق وراثت، اگر وارث خود اپنا حق وراثت ساقط کر دے تو بھی ساقط نہیں ہوتا۔

## تفریعات

۱..... اگر کسی شخص نے نقد قیمت پر کوئی شئی کسی دوسرے کو فروخت کی تو قیمت کی وصولی تک اس کو بیع کے روکنے کا حق حاصل ہوگا، لیکن اگر بائع نے بیع کو مشتری کے قبضہ میں دے دیا تو اب اس کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ بیع کو مشتری سے واپس لے کر قیمت کی وصولی کے لیے اپنے قبضہ میں رکھے:

فلو باع بثمان حال فللبائع حق حبس المبيع حتى يقبض جميع

الثمان لكن لو سلمه للمشتري قبل قبض الثمن سقط حق حبسه،

فليس له ان يسترده من المشتري ليحبسه حتى يقبض الثمن۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر کسی شخص نے دیکھے بغیر کوئی چیز خریدی اور پھر اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ

قطعاً فروخت کر دیا یا رہن رکھ دیا یا کرایہ پر دے دیا تو اس کا اختیار ساقط ہو جانا چاہیے، اب

اگر (اس کی اپنی بیع میں) اختیار عیب کی بناء پر وہ شئی واپس کی گئی یا اس نے رہن سے اس شئی

کو چھڑا لیا یا کرایہ کی مدت ختم ہو گئی تو اس کا ساقط شدہ اختیار واپس نہ لوٹے گا، اس لیے کہ

”الساقط لا يعود“ اسی طرح ہر وہ اختیار جو کسی شرعی اسقاط کے ذریعہ ساقط ہوا ہو، خواہ عقد

بیع ہو یا عقد نکاح یا عقد شفعہ یا اور کوئی عقد تو سقوط کے بعد واپس نہ لوٹے گا:

كذلك من اشترى شيئاً قبل ان يراه اذا باعه بانا او رهنه او آجره

(۱) شرح المجلة: ص ۱۱۸

سقط خياره فلو حكم عليه بالرد بخيار عيب أو هو افتكه من  
المرتهن أو انقضت مدة الإجارة لا يعود خياره لأن الساقط لا  
يعود وهكذا كل خيار إذا سقط بمسقطه الشرعي سواء كان في  
بيع أو نكاح أو شفعة أو غيرها، لا يعود بعد السقوط۔<sup>(۱)</sup>

۳..... ایک شخص اپنے مدیون سے اپنے دین کے بعض حصہ پر قبضہ کر کے باقی کے  
حق میں صلح کر لی تو یہاں بعض حق کے وصول کے بعد باقی بعض حصہ سے بری کر دینا تصور  
کیا جائے گا یا یہ کہ ایک پورے مکان کا دعویٰ کرنے کے بعد مکان کے نصف حصہ کو لے کر  
باقی کو چھوڑ دینے پر صلح کرے تو یہ بعض جز دعویٰ کو وصول کرنے کے بعد باقی بعض حصہ کا  
ساقط کر دینا متصور ہوگا، چنانچہ ان دونوں صورتوں میں اسقاط کے بعد اب (باقی میں دعویٰ  
کا) حق واپس نہ لوٹ سکے گا اس لیے کہ قاعدہ ہے، الساقط لا يعود۔

كذلك الصلح الذي فيه معنى الاسقاط لا المعاوضة، كما لو صالح  
على اقل من جنس حقه من الدراهم أو الدينانير أو غيرهما من  
المثليات، يعتبر استيفاء لبعض حقه وبراء عن الباقي وكما لو  
صالح عن دعوى دار على نصفها يكون استيفاء لبعضها واسقاطاً  
وابراء عن الدعوى في باقيةا فهذا النوع من الصلح ليس لأحدهما  
أو كليهما نقضه لأن الساقط لا يعود۔<sup>(۲)</sup>

۴..... اسی طرح جب طالب (مطلوب پر) ملک کا صدقہ کر دے یا ہبہ کر دے خواہ یہ  
مال کفیل کے ذمہ ہو یا اصیل کے ذمہ تو کفالہ ساقط ہو جائے گا اور مال لازم نہ رہے گا:

كذلك إذا وهب الطالب المال أو تصدق به، سواء كان على

الأصيل أو الكفيل تسقط الكفالة و يسقط المال۔<sup>(۳)</sup>

۵..... اگر کسی شخص کے پانی جاری ہونے کا یا راستہ گزرنے کا کسی دوسرے کی زمین

(۱) شرح المجلة: ص ۱۱۸ (۲) شرح المجلة: ص ۱۱۹ (۳) شرح المجلة: ص ۱۱۹

میں حق تھا اور اس شخص نے اس حق کو ساقط کر دیا یا زمین کے مالک کو اس گزرگاہ پر کسی تعمیر کی اجازت دے دی تو اب اس شخص کا حق ساقط ہو جائے گا:

كذلك لو كان لأحد حق مسيل أو مرور في أرض الآخر فاسقط  
حقه من ذلك أو أذن لصاحب الأرض أن يحدث بناء على ذلك  
الممر، سقط حقه۔ (۱)

۶..... اگر ورثاء اپنے مورث کی وصیت کے ایک تہائی مال سے زائد مقدار میں جاری ہونے کی اجازت دے دیں تو اس زائد میں ان کا حق ساقط ہو جائے گا اور اس اجازت کے بعد ان کو رجوع کرنے کا حق باقی نہ رہے گا:

ان الورثة لو أجازوا الزائد على الثلث من وصية مورثهم سقط  
حقهم المتعلق بالزائد، فلا يصح رجوعهم عن الإجازة لأن الساقط  
لا يعود۔ (۲)

۷..... ایک غلام کسی کے پاس رہن تھا اس کو کسی آزاد شخص نے عمداً قتل کر دیا، راہن اور مرتہن قصاص کے مطالبہ میں متفق نہ ہوئے یعنی ان دونوں میں سے ایک شخص نے قصاص کا مطالبہ کیا اور دوسرے نے اس کی مخالفت کی، چونکہ اس حالت میں یہ اشتباہ پیدا ہو گیا ہے کہ غلام کا ولی کون ہے آیا راہن ہے جو کہ غلام کی ذات کا مالک ہے یا مرتہن ہے جس کو ملکیت قبضہ حاصل ہے، اس لیے حاکم یہاں عدم قصاص کا فیصلہ کرے گا پھر فیصلے کے بعد اگر راہن نے دین ادا کر دیا تو اب مرتہن کا حق ساقط ہو گیا، اور قصاص کا ساقط شدہ حکم دوبارہ عود نہ کرے گا:

ومن فروعها أن العبد المرهون لو قتله حر عمداً وكان الراهن  
والمرتہن غير متفقين على طلب القصاص بأن طلب أحدهما  
القصاص وخالفه الآخر، فللاشتباه في وليه هل هو الراهن لكونه

(۲) شرح المجلة: ص ۱۱۹

(۱) شرح المجلة: ص ۱۱۹

المالك رقبة، أم المرتهن لكون ملك اليد له، فالحاكم يحكم بعدم

القصاص ثم بعد الحكم لو قضى الرهن الدين حتى زال حق

المرتهن في الرهن، لا يعود القصاص لأن الساقط لا يعود۔ (۱)

۸..... اگر کوئی مقتول کسی محلے میں پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چل سکا ہو تو قسامت اور

دیت اہل محلہ پر ہوگی، اب اگر مقتول کا ولی اہل محلہ سے دیت صراحتاً یا دلالتاً معاف کر دے

مثلاً کسی ایسے شخص پر دعویٰ کر دے جو اہل محلہ میں سے نہیں ہے، کیونکہ اس کا یہ عمل اس بات

پر دلالت کرے گا کہ اس کے نزدیک اہل محلہ کو مقتول کے قتل میں کوئی دخل نہیں ہے جس

سے اس پر دلالت ہوتی ہے کہ یہ لوگ قسامت اور دیت سے بری ہیں، تو اب اس کے بعد

مقتول کے ولی کا دعویٰ اہل محلہ پر قابل سماعت نہ ہوگا کیونکہ ”الساقط لا يعود“

ومنها ما صرحوا به في باب القسامة من أنه لو وجد قتيل في محلة

ولم يعلم قاتله أن القسامة والدية على أهل المحلة، فلو أن ولي

القتيل أبرأ أهل المحلة أبراءً أصريحاً بقوله أبرأت أو عفوت أو

أسقطت صح الدعوى يكون نفيًا للقتل عن أهل المحلة، فيتضمن

براءتهم عن القسامة والدية، فلا تسمع دعواه عليهم بعد إسقاطها،

لأن الساقط لا يعود۔ (۲)

۹..... اسی طرح اگر شفیع نے اپنا وہ مکان جس کے ذریعہ اس کو شفعہ کا حق حاصل ہو رہا

تھا کسی شخص کے ہاتھ مکان مشفوعہ کی فروخت کے بعد بیع قطعی کر دی جس سے حق شفعہ ساقط

ہو گیا، اور پھر دوسرے وقت میں شفیع کا اپنا مکان کسی عیب یا خیارِ رویت یا خیارِ شرط کی وجہ

سے اس کی طرف واپس ہوا تو اب شفیع کو اس واپسی کے بعد ساقط شدہ حق کی بناء پر شفعہ کا

حق حاصل نہ ہوگا اس لیے کہ ”الساقط لا يعود“ مگر یہ کہ کوئی جدید سبب پیدا ہو جائے:

كذلك لو باع الشفيع داره التي يشفع بها بيعاً باتاً بعد شراء

(۲) شرح المجلة: ص ۱۲۰

(۱) شرح المجلة: ص ۱۱۹

المشتری حتی سقطت شفعتہ، ثم رجعت الدار الی ملکہ بعیب بقضاء او بغير قضاء او بخيار روية او شرط للمشتری فليس له ان يأخذ بالشفعة لأن الحق قد سقط، فلا يعود الا بسبب جدید۔<sup>(۱)</sup>

۱۰..... جب ایک غلام دو شخصوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک شخص اپنا حصہ آزاد کر دے در آنحالیکہ آزاد کرنے والا مالدار شخص ہے تو اب دوسرے شریک کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ یا تو اپنے شریک سے اپنے حصے کا ضمان (تاوان) لے لے یا یہ کہ غلام سے کہے کہ وہ اپنے کسب کے ذریعہ اس کے حصہ کی قیمت ادا کر دے، ان دونوں صورتوں میں سے جس کو وہ اختیار کرے تو اس کے بعد دوسری صورت سے اس کا حق ساقط ہو جائے گا، اور پھر اس کی طرف رجوع کرنا اس کے لیے صحیح نہ ہوگا کیونکہ ”الساقط لا يعود“

ومن فروعها ان العبد المشترك بين اثنين، إذا اعتقه احدهما وهو موسر، فللشريك الساكت حق في اختيار تضمين المعتق نصفه او استنعاء العبد ومتى اختار احدهما سقط اختيار الآخر فلا يصح له الرجوع اليه لأنه حق سقط، والساقط لا يعود۔<sup>(۲)</sup>

## قاعدہ نمبر (۵۱)

إذَا بَطَلَ الشَّيْءُ بَطَلَ مَا فِي ضَمْنِهِ۔<sup>(۳)</sup>

جب کوئی چیز باطل قرار پا جائے گی تو اس کے لواحقات بھی باطل ہو جائیں گے۔

## تفریعات

۱..... اگر ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میں نے اپنا خون تمہارے ہاتھ فروخت کیا

(۲) شرح المجلة: ص ۱۲۰، ۱۲۱

(۱) شرح المجلة: ص ۱۲۰

(۳) رد المحتار: کتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر، ج ۲ ص ۵۵۷ مجلة الأحكام

العدلية: ص ۲۱



اس کا یہ قول حقیقت میں اس امر کی اجازت کا حامل ہے کہ قتل کی اجازت دی گئی ہے، لیکن چونکہ خون کی بیع جائز نہیں بلکہ باطل ہے اس وجہ سے اس کے ضمن میں اذن قتل بھی باطل ہو گیا اب (اگر قتل واقع ہوا تو) قصاص واجب ہوگا:

إن قول الرجل لغيره "بعثك دمي" متضمن حقيقة للاذن بالقتل،  
لكن لما بطل بيع الدم، بطل ما في ضمنه وهو الاذن فوجب  
القصاص۔ (۱)

۲..... ایک شخص نے دوسرے شخص کو اپنے غلام فروخت کرنے کا وکیل مقرر کیا، وکیل نے اس غلام کو فروخت کر دیا پھر یہ غلام کسی وجہ سے محکم حاکم وکیل کو واپس کیا گیا، تو اب اسی وکیل کو دوبارہ فروخت کرنے کا حق حاصل ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ وکیل کی اول بیع سے وکالت کا حکم اپنی انتہاء کو پہنچ گیا لیکن چونکہ واپسی حاکم کے حکم کی وجہ سے عمل میں آئی تو اس سے اول عقد کا حکم زائل ہو گیا یعنی اصل عقد ہی جاتا رہا اب اس کے ضمن میں وکالت کا ختم ہو جانا بھی باطل ہو گیا، اس لیے وکیل کو دوبارہ بیع کرنے کا حق حاصل رہا:

ومن فروعها مالو و كله يبيع عبده، فباعه الوكيل ثم رد عليه  
بقضاء قاض، كان له ان يبيعه ثانياً لأنه بالبيع الأول وان انتهت  
وكالته، لكن لما رد عليه بقضاء ارتفع العقد وبطل الأصل، فبطل  
ما تضمنه وهو انتهاء الوكالة، فله ان يبيعه ثانياً فلو رد عليه بغير  
قضاء ليس له ان يبيعه ثانياً إلا بتجديد الوكالة۔ (۲)

۳..... اسی طرح اگر کسی غیر مسلم پر اسلام ظاہر کرنے کا جبر کیا گیا تو اس کا اسلام قابل اعتبار نہ ہوگا، اس لیے کہ جبر اقرار کی صحت کو باطل کر دیتا ہے، چنانچہ اقرار کے ضمن میں جو چیز ہے یعنی صحت اسلام وہ بھی باطل ہو جائے گی:

ومنها لو اكره غير المسلم على ان يقر انه اسلم، لا يحكم باسلامه

(۲) شرح المجلة: ص ۱۲۵، ۱۲۶

(۱) شرح المجلة: ص ۱۲۳

لأن الاكراه يمنع صحة الاقرار، وإذا بطل الشيء بطل ما في  
ضمنه۔ (۱)

۴..... جب مرتہن راہن کو دین سے بری کر دے اور اس کے بعد مرتہن کے پاس شئی  
مرہونہ ہلاک ہو جائے تو یہ ایک امانت ہوگی جو ہلاک ہوگئی جس کا کوئی ضمان مرتہن پر عائد نہ  
ہوگا، اس لیے کہ رہن کی ضمان عائد ہونے کی یہ شرط ہے کہ دین مدیون کے ذمہ پر باقی ہو  
اور مذکورہ صورت میں دین سے بری کر دیا گیا جس کی وجہ سے دین ساقط ہو گیا، لہذا اس کے  
ضمن میں ضمان کا عائد ہونا بھی ساقط ہو گیا:

ومنها لو أبرأ المرتهن الراهن عن الدين ثم هلك الرهن في يد  
المرتهن، يهلك أمانة بغير شيء لأن شرط كون الرهن مضموناً  
عند الهلاك قيام الدين، وقد سقط بالابراء فيسقط الضمان  
المبتنى عليه۔ (۲)

۵..... جب ایک معاہدہ منسوخ ہو جائے تو اس کی تمام شرائط بھی منسوخ ہو جاتی ہیں،  
کسی دستاویز کے کالعدم قرار پانے پر اس میں شامل ہر چیز کا لعدم ہو جاتی ہے۔

## قاعدہ نمبر (۵۴)

إِذَا بَطَلَ الْأَصْلُ يُصَارُ إِلَى الْبَدَلِ۔ (۳)  
جب اصل باطل قرار پا جائے تو اس کا بدل تلاش کیا جائے۔

تشریح

مطلب یہ ہے کہ جس شئی کا ادا کرنا اصل قرار دیا گیا ہو جب اس کے فوت ہونے پر  
ادائیگی ممکن نہ رہے تو اب اس کے بدل کی طرف رجوع کیا جائے گا، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ

(۲) شرح المجلة: ص ۱۲۷

(۱) شرح المجلة: ص ۱۲۶

(۳) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۱ شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثانية والخمسون، ص ۲۸۷

اصل میں جس چیز کی ادائیگی لازم ہوتی ہے وہ ادا نہیں کی جاسکتی تو اگر کچھ بھی ادا نہ کیا جائے تو ضرر رسیدہ فریق کے ساتھ انصاف نہ ہو سکے گا اس لیے لازمی ہے کہ اصل کا کوئی بدل ادا کیا جائے۔

## تفریعات

۱..... ایک شخص نے اپنا مکان مہینے کے شروع میں ایک سال کے لیے کرایہ پر ایک مقرر مقدار ماہواری کے عوض دیا، اس وقت اس مدت کی ابتداء چاند دیکھنے سے ہوگی خواہ کچھ ایام کم ہی کیوں نہ رہ جائیں، اور اگر یہ معاملہ مہینے کے درمیان منعقد ہوا تو پھر تیس یوم کے حساب سے مہینہ شمار کیا جائے گا کیونکہ مدت کے تقرر کے لیے چاند کا دیکھنا اصل ہے، لیکن جب مہینے کے درمیان میں اجارہ کا عقد منعقد ہوا تو چاند سے ابتداء کرنا ممکن نہ رہا اس لیے اس کے بدلے ایام سے حساب لگایا جائے گا:

لو آجر دارہ سنة كل شهر بكذا وكان العقد في ابتداء الشهر  
تعتبر المدة بالأهلة وان نقص بعض الشهور، وان لم يكن في  
ابتداء الشهر يعتبر كل شهر ثلاثين يوماً لأن اعتبار الأهلة هو  
الأصل، لكنه لم يصادف العقد أول الهلال فيرجع الى اعتبار  
الأيام۔ (۱)

۲..... اسی طرح جب مہر کی مقدار میں زوجین کا اختلاف واقع ہو جائے تو وہاں مہر مثل کی طرف رجوع کیا جائے گا جو بدل ہے:

وكذا تحكيم مهر المثل للأخذ بقول احد الزوجين إذا اختلفا في  
مقدار المهر۔ (۲)

۳..... کسی شخص نے کسی کی بکری غصب کی پھر وہ مرگئی یا وہ ذبح کر کے اس کو کھا گیا تو

(۲) شرح المجلة: ص ۱۲۹

(۱) شرح المجلة: ص ۱۲۹

اس کا بدل دیا جائے گا یا تو اس جیسی دوسری بکری یا اس بکری کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔  
 ۴..... زید نے عمرو کے پاس گھڑی رہن رکھوائی عمرو کے پاس وہ گھڑی ضائع ہوگئی  
 اب اگر وہ مثلی اشیاء میں سے ہے تو مثل لازم ہوگا ورنہ قیمت لازم ہوگی۔

## قاعدہ نمبر (۵۳)

يُغْتَفَرُ فِي التَّوَابِعِ مَا لَا يُغْتَفَرُ فِي غَيْرِهَا۔<sup>(۱)</sup>

توابع میں جو امور قابل نظر انداز ہوتے ہیں وہ غیر توابع میں اس قابل نہیں ہوتے۔

## تفریعات

۱..... مسلمان شراب کا نہ تو قصداً مالک ہو سکتا ہے نہ کسی کو مالک بنا سکتا ہے، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ضمناً ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، مثلاً ایک دارالاسلام کے شہری غیر مسلم نے دوسرے اس قسم کے شخص سے شراب یا خنزیر خریدے اور اپنے لیے تین دن کا اختیار شرط رکھا، ہمارے دو اماموں کے قول پر جب مشتری نے اپنے لیے اختیار رکھا تو وہ عقد کے بعد اس بیع کا مالک ہو جاتا ہے، اب اگر ان دونوں اشیاء پر قبضہ کرنے کے بعد یہ اسلام لے آیا تو عقد بیع لازم ہو جائے گا اور یہ اشیاء اس کی ملکیت ہوں گی اور اس پر یہ واجب ہوگا کہ ان کا سرکہ بنالے، اس سے ثابت ہوا کہ ایک مسلم قصداً ان اشیاء کا مالک نہیں ہو سکتا لیکن ضمناً ملکیت حاصل ہو جاتی ہے:

كذلك المسلم لا يجوز له تملك الخمر ولا تملكها قصداً لكن  
 قد يثبت له التملك ضمناً كما لو اشترى ذمی من ذمی خمرًا أو  
 خنزيراً علی انه بالخيار ثلاثة ايام، فعلى قول الامامين بأن المبيع

(۱) رد المحتار: کتاب الطلاق، باب تفویض الطلاق، ج ۲ ص ۳۱۸: شرح القواعد الفقہیة: القاعدة الثالثة والخمسون، ص ۲۹۱

يدخل في ملك المشتري إذا كان الخيار له، لو أسلم بعد قبض  
المبيع لزم العقد والخمر ملك له وعليه أن يخلها، فقد ثبت  
الملك له ضمناً ولا يجوز قصداً- (۱)

۲..... اگر ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ اون نہیں خریدے گا پھر اس نے بھیڑ خریدی  
جس کے جسم پر اون کے بال موجود تھے تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی اس لیے کہ اون بھیڑ کی  
خریداری میں تبعاً حاصل ہوئی ہے قصداً نہیں خریدی گئی:

كذلك لو حلف لا يشتري صوفاً فاشترى شاة على ظهرها صوف لم  
يحنت لأن الصوف دخل في البيع تبعاً للشاة لا قصداً، فاغتر فيه،  
فإن دخل مقصوداً يحنت- (۲)

۳..... اگر کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ اینٹیں یا لکڑیاں نہیں خریدے گا پھر اس نے  
مکان خریدا تو حانت نہیں ہوگا اس لیے کہ بناء (یعنی اینٹیں یا لکڑیاں وغیرہ) بیع میں تبعاً  
داخل ہیں، یہ عقد بیع میں مقصوداً صلی نہیں ہیں:

ومنه لو حلف لا يشتري آجراً أو خشباً فاشترى داراً لم يحنت لأن  
البناء يدخل تبعاً بدون تسمية فلم يكن مقصوداً بالعقد- (۳)

۴..... اگر مال مسروقہ ایسی شئی ہو جس میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا لیکن اس کا تابع ایسی  
اشیاء میں سے ہو جن کی چوری میں قطعید ہوتا ہو تو اس صورت میں تابع کی وجہ سے قطعید نہ  
ہوگا اس لیے کہ وہ ایسی شئی کا تابع ہے جس میں قطع نہیں ہو سکتا لہذا یہاں تابع کا حکم معافی  
میں شمار ہوگا مثلاً ایک شخص نے مصحف چوری کیا جس کی جلد یا قوت وغیرہ سے مرصع تھی (اور  
اس کی مقدار چوری کے نصاب کو پہنچتی تھی) تو امام ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ کے نزدیک چور  
کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لیے کہ مصحف متبوع ہے اور یا قوت (یا سونا چاندی) تابع ہے،  
متبوع میں قطعید واجب نہیں، چنانچہ یا قوت اگر منفرد طور پر چوری کیا جاتا تو اس میں قطعید

(۱) شرح المجلة: ص ۱۳۲ (۲) شرح المجلة: ص ۱۳۲ (۳) شرح المجلة: ص ۱۳۲

واجب ہوتا لیکن یہاں مصحف کا تابع ہونے کی حیثیت سے قطع ید معاف کر دیا گیا:

لو كان المسروق المتبوع لا يوجب القطع، لكن معه تابع يوجب القطع، يغتفر في التابع لتبعيته لما لا يوجب القطع فلو سرق مصحفًا مرصعًا بالياقوت، لا يقطع عند الطرفين لأن المصحف متبوع وسرقته لا توجب القطع، والياقوت وان كان لو انفرد يوجب القطع لكن بتبعيته للمصحف اغتفر فيه فلا قطع۔<sup>(۱)</sup>

۵..... جب کوئی غیر مسلم اسلام لائے تو اس کے چھوٹے بچوں پر اس کی اتباع کی بناء پر اسلام کا حکم دیا جائے گا، لیکن جب وہ بالغ ہوں اور غیر مسلم ہونے کا اظہار کر دیں تو ان لوگوں پر اسلام لانے کے لیے جبر کیا جائے گا، لیکن (مرتد تصور کر کے) قتل نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ ان کا اسلام ان کے باپ کی اتباع میں ثابت ہوا تھا (مستقلانہ تھا):

كذلك غير المسلم إذا أسلم وله أولادٌ صغار حتى حكم باسلامهم تبعًا لا بيهم، ثم بلغوا غير مسلمين يجبرون على الاسلام ولا يقتلون لان اسلامهم كان بحكم التبعية لا بالاصالة۔<sup>(۲)</sup>

۶..... اسی طرح درخت اور عمارت شفعہ میں تبعاً داخل ہو جاتے ہیں لیکن مستقلانہ ان میں شفعہ نہیں ہو سکتا:

كذلك الشجر والبناء يدخلان في الشفة تبعًا لأرض، ولا شفة فيهما بالانفراد۔<sup>(۳)</sup>

## قاعدہ نمبر (۵۴)

يُغْتَفَرُ فِي الْبَقَاءِ مَا لَا يُغْتَفَرُ فِي الْإِبْتِدَاءِ۔<sup>(۴)</sup>

جو امر ابتدا میں قابل معافی نہیں وہ انتہاء میں قابل معافی ہوتا ہے۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۳۳ (۲) شرح المجلة: ص ۱۳۴ (۳) شرح المجلة: ص ۱۳۴

(۴) رد المحتار: كتاب الصلاة، باب الامامة، ج ۱ ص ۵۷۵ مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۲



## تشریح

معاملات میں جب کچھ طے کرنا ہو تو بہت سے لوازمات کا لحاظ کرنا ضروری ہوتا ہے، مگر کوئی چیز طے پا جانے کے بعد پھر اس کو باقی رکھنے کا معاملہ ہو تو کچھ نرمی برتی جائے گی تاکہ قائم شدہ چیز کو حتی الامکان باقی رکھا جاسکے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ ابتداء کرنے سے باقی رکھنا کچھ آسان ہوتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ بعض دفعہ حالت بقاء میں چشم پوشی کر لی جاتی ہے اور ابتداء میں ایسا نہیں کیا جاتا۔

## تفریعات

.....سات آدمیوں نے شریک ہو کر قربانی کے لیے اونٹ خریدا، اس کے لیے یہ شرط ہے کہ ان تمام افراد کی نیت تقرب الی اللہ کی ہو اگر ان میں کسی ایک شخص کی نیت محض گوشت حاصل کرنا ہوئی تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی، چنانچہ اس شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے جب ان اشخاص نے اونٹ خریدا اس کے بعد قربانی کرنے سے قبل ان افراد میں سے کسی کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد اس کے ورثاء نے اس قربانی کی منظوری دے کر قربانی کر دی، یہ قربانی استحساناً جائز ہوگی لیکن قیاساً جائز نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ قیاس کی وجہ یہ ہے کہ میت کی جانب سے قربانی صحیح نہیں ہوا کرتی پس جب اس کی طرف سے صحیح نہ ہوئی تو باقی شرکاء کی طرف سے بھی صحیح نہ ہوگی کیونکہ خون بہانے کا تجزیہ نہیں ہو سکتا، اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کی موت تقرب الی اللہ کے حصول کا مانع نہیں ہوتی لہذا جب اس کی جانب سے جانور کو ذبح کیا گیا یہ میت کے حق میں تقرب کا ذریعہ بنے گا، اس طرح دیگر شرکاء کے حق میں جواز کا حکم ہوگا اور جو امر ابتداءً جائز نہ تھا انتہاءً جائز قرار پایا گیا، لہذا انتہاء میں جواز قربانی کا حکم ابتدائی حکم کے مقابلے میں چشم پوشی پر مبنی ہوا، جس کے حق میں یہ قاعدہ بھی جاری ہو سکتا ہے کہ ”الذفع اسھن من الرفع“ دفع کرنا رفع (حکم) کی نسبت سہل ہوتا ہے:

لو اشترک سبعة أشخاص فی بدنة للتضحیة یشرط اشتراکهم

ایضا فی نية القربة، فلو كانت نية أحدهم الذبح لأجل اللحم لا تصح الأضحیة فی حق الجميع، فعلى هذا لو اشتروا بدنة واتفقت نیتهم على أنها للأضحیة مثلاً ثم مات أحدهم قبل الذبح، فذبح عنه ورثته جاز استحساناً لا قیاساً۔ وجه القیاس ان الأضحیة عن الميت لا تجوز فإذا لم تجز لم تجز فی حق شركائه لأن اراقة الدم لا تتجزأ، ووجه الاستحسان ان الموت لا يمنع التقرب عن الميت فإذا ذبح عنه صار نصيبه للقربة فلا يمنع جواز ذبح الباقي، فقد جاز فی البقاء ما لم يجز فی الابتداء فكان الاغتفار فی البقاء شبيها بقاعدة "الدفع أسهل من الرفع"۔<sup>(۱)</sup>

۲..... بھاگے ہوئے غلام کی بیع ابتداءً جائز نہیں ہوگی اب اس کے فاسد ہونے اور باطل ہونے کے متعلق اختلاف ہے، راجح قول یہ ہے کہ یہ بیع فاسد ہوگی، لیکن اگر ایک غلام موجود کو فروخت کیا گیا اور بیع کے انعقاد کے بعد غلام بائع کے پاس سے فرار ہو گیا، اب یہ بیع فاسد نہ ہوگی حتیٰ کہ اگر غلام واپس آ گیا اور بائع نے مشتری کے سپرد کر دیا تو بیع تام ہو جائے گی:

ومن فروعها ان بيع العبد الآبق ابتداءً لا يصح، وهل هو فاسدٌ أم باطل۔ قولان: رجح فی الفتح الفساد لكن لو طرأ عليه الإباق عند البائع بعد انعقاده صحيحاً لا يفسد ويغتفر في ذلك حتى لو عاد وسلمه تم البيع۔<sup>(۲)</sup>

۳..... جو غلام تصرفات میں پابند ہو اگر وہ اپنے نفس کو اجرت پر دے دے تو عقد اجارہ باطل ہوگا، لیکن اگر غلام (اس اجارے میں) اپنا کام مکمل کر چکا تو قیاساً اس کا یہ تصرف باطل ہونا چاہیے کیونکہ اس غلام کے تصرف سے آقا کے حق میں ضرر ہونے کی بناء پر روکا تھا،

(۲) شرح المجلة: ص ۱۳۵

(۱) شرح المجلة: ص ۱۳۵

لیکن اب چونکہ (غلام اجرت حاصل کر چکا) اور اس وقت اجرت کے حاصل کرنے میں آقا کا فائدہ مضمر ہے اس لیے اجارہ صحیح قرار دیا جائے گا:

ومنها أن العبد المحجور إذا أجز نفسه فهذا العقد باطل لكن إذا سلم من العمل فالقياس وإن كان يبطل تصرفه لكن في الاستحسان يصح لأن الحكم يبطلان تصرفه نظر للمولى، والنظر هنا في التصحيح دون الإبطال۔<sup>(۱)</sup>

### قاعدہ نمبر (۵۵)

الْبَقَاءُ أَسْهَلُ مِنَ الْإِبْتِدَاءِ۔<sup>(۲)</sup>  
بقاء ابتداء سے سہل ہوا کرتی ہے۔

### تفریعات

۱..... زوجہ ابتداء عقد نکاح میں مہر کو بالکل ختم کرنے کی مالک نہیں ہوتی لہذا اگر عورت نے عقد نکاح اس شرط پر کیا کہ میرے لیے بالکل مہر نہیں ہوگا تو یہ درست نہیں، اس صورت میں مہر مشکل واجب ہوگا، اور اگر مہر کی کسی مقدار پر عقد ہو جانے کے بعد عورت نے زوج سے مہر ساقط کر دیا تو اس کا ساقط کرنا صحیح ہے، اور زوج اس کی وجہ سے مہر سے بری ہو جائے گا۔

۲..... اگر متبایعان نے ابتداءً بغیر ثمن کے عقد بیع کیا تو بیع فاسد ہو جائے گی اور اگر عقد بالثمن کیا پھر بائع نے مشتری سے ثمن ساقط کر دیا تو یہ ساقط کرنا صحیح ہے اس صورت میں بیع فاسد نہیں ہوگی۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۲۶

(۲) المبسوط: کتاب المناسک، باب المحصر، ج ۲ ص ۱۱۶ البحر الرائق: کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، ج ۳ ص ۲۳۳

۳..... دو بکریوں کی مجموعی قیمت چھ ہزار روپے رکھی گئی اور ان کی جدا جدا قیمت کا تعین نہیں کیا گیا تو کوئی شخص کہے کہ میں ایک بکری خریدتا ہوں اور جو قیمت بنے گی دوں گا اس کا یہ کہنا عقد بیع کی بنیاد نہیں بن سکتا جب تک کہ پہلے ہر بکری کی جدا گانہ قیمت کا تعین نہ کر لیا جائے لیکن اگر صورت حال یہ ہو کہ کسی نے دو بکریاں مجموعی قیمت دے کر خرید لیں مگر بعد میں ان میں سے ایک بکری کا کوئی اور اصل حق دار نکل آیا تو چوں کہ طے شدہ عقد بیع کو باقی رکھنے کا معاملہ ہے اس لیے شرعی طور پر اجازت ہے کہ مشتری واپس کی جانے والی بکری کی قیمت لے لے اور بکری دے دے تاکہ عقد بیع کو فسخ نہ کرنا پڑے۔

## قاعدہ نمبر (۵۶)

لَا يَتِمُّ التَّبَرُّعُ إِلَّا بِقَبْضٍ - (۱)

کوئی تبرع (بلا معاوضہ بطور احسان دینا) بغیر قبضہ کے مکمل نہیں ہوتا۔

## تشریح

مثلاً یہ کہا جائے کہ آئندہ روز میں نے تم کو اس شے کا مالک بنایا یا فلاں مہینے کی پہلی تاریخ سے تم کو اس کا مالک بنایا، چنانچہ یہ تبرع کا فعل اپنی تمام اقسام ہبہ، صدقہ، ہدیہ کی شکلوں میں اس وقت مکمل ہوگا جبکہ قبضہ کر لیا جائے محض ایجاب و قبول سے عقد تام نہ ہوگا۔

## ماخذ

اس قاعدے کا ثبوت اس روایت سے ہوتا ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ میں نے تم کو بیس (۲۰) وسق کھجوریں ہبہ کی تھیں اپنے مقام غابہ کے مال میں سے لیکن تم نے ان کو جمع کیا اور نہ ان پر قبضہ کیا اب وہ وارثوں کا مال ہے، معلوم ہوا کہ اگر قبضہ سے قبل مالک ہوگئی ہوتیں تو یہ کھجوریں خاص ان کی ملکیت ہو جاتیں۔

(۱) مجلة الأحكام العدلیة: ص ۲۲ شرح القواعد الفقہیة: القاعدة السادسة والخمسون، ص ۲۹۹

ان ابابکر الصدیق کان نحلها جاد عشرين وسقا من ماله  
بالغابة- وانی كنت نحلتك جاد عشرين وسقا فلو كنت جددتیه و

أحتزتیة كان لك و إنما هو الیوم مال وارث- (۱)

نیز خلفائے راشدین کا اتفاق ہے کہ ہبہ بغیر قبضہ کے جائز نہیں ہے:

وقد اتفق ابوبکر و عمر و عثمان و علی علی أن الهبة لا تجوز

إلا مقبوضة- (۲)

فائدہ

لا تجوز الهبة الا مقبوضة-

ہبہ بغیر قبضہ کے جائز نہیں ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے، بلکہ حضرت  
ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے:

لا تجوز الهبة إلا مقبوضة قلت هذا حدیث منکر لا أصل له بل

هو من قول ابراهیم النخعی- (۳)

لا تجوز الهبة إلا مقبوضة قلت غریب ورواه عبد الرزاق من قول

النخعی- (۴)

صحت قبضہ کی چند شرائط

۱..... تبرع مالک کی صریح اجازت سے ہو مثلاً ”أقبضه یا اذنت لك بالقبض“ اور

کبھی اذن بالقبضہ دلالت ہوتا ہے بایں طور کہ متبرع علیہ مجلس عقد میں متبرع پر قبضہ کرے  
اور متبرع منع نہ کرے۔

۲..... بوقت قبضہ ملک غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو لہذا اگر کسی نے دابہ ہبہ کیا جس پر

(۱) موطا مالک: کتاب الأفضیة، باب مالا یجوز من النحل، ج ۲ ص ۱۰۸۹، رقم الحدیث: ۲۷۸۳

(۲) التمهید لما فی الموطا من المعانی والأسانید: حرف المیم، الحدیث الحادی والثلاثون، ج ۷ ص ۲۳۹

(۳) عمدة القاری: کتاب العتق، باب من لم یقبل الهدیة لعلة، ج ۱۳، ص ۱۵۶

(۴) نصب الرایة: کتاب الهبة، ج ۲ ص ۱۲۱

بوجھ لدا ہو یا ایسا دارہبہ کیا جس میں سامان ہو اور اس نے اس مشغولیت کے ساتھ متبرع لہ کے سپرد کر دیا تو ”لم یجز القبض“ البتہ اگر وہ سامان متبرع کا ہو تو صحت قبضہ کے لیے مانع نہیں ہے۔

۳..... مقبوض محل قبضہ ہو لہذا اگر بکری کے پیٹ میں جو ہے اس کو ہبہ کیا تو یہ جائز نہیں اگرچہ وہ ولادت کے وقت بچہ اس کے حوالے کرے قبضے کے لئے۔

۴..... مقبوض اپنے غیر کے ساتھ مثل جز کے متصل نہ ہو کیونکہ اس صورت میں یہ مشاع کے معنی میں ہو جاتا ہے، لہذا کھیتی بغیر زمین کے اور زمین بغیر کھیتی کے، پھل بغیر درخت کے اور درخت بغیر پھل کے اگر ہبہ کیا و سلمہا جمیعاً لا یجوز القبض۔

۵..... قابض قبضہ کا اہل ہو لہذا مجنون اور صغیر غیر عاقل کا قبضہ جائز نہیں۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... جب کسی شخص نے دوسرے کو گاڑی ہبہ کی تو جب تک وہ اس گاڑی پر عملاً قبضہ نہ کرے اس وقت تک مالک نہ سمجھا جائے گا، اگر قبضہ سے قبل فوت ہو گیا تو ہبہ کا معدوم ہو جائے گا، باقی رہا یہ امر کہ کس طرح طے کیا جائے گا کہ اب قبضہ ہو چکا ہے تو اس مقصد کے لیے عرف عام کا لحاظ کیا جائے گا۔

۲..... عاریتاً جانے والی چیز کا قبضہ جب تک اصل مالک نہ دے عاریتاً لینے والا اس چیز سے فائدہ اٹھانے کا حق دار نہیں ہوتا۔

۳..... کسی نے دوسرے شخص کو رقم دے دی کہ میری طرف سے فلاں شخص کو بطور صدقہ دے دو تو جب تک وہ معین شخص اس رقم کو اپنے قبضے میں نہیں لے گا تو اس کا مالک نہیں بنے گا۔

۴..... ایک شخص کسی کو اپنا مکان ہبہ کرے لیکن ہبہ شدہ مکان کا قبضہ نہ دے تو ہبہ تام نہیں ہوگا اس لیے کہ ہبہ کے تام ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس پر قبضہ دیا جائے۔

(۱) شرح القواعد الفقہیة: القاعدة السادسة والخمسون، ص ۳۰۰



## قاعدہ نمبر (۵۷)

التَّصَرُّفُ عَلَى الرَّعِيَّةِ مَنْوُوطٌ بِالصُّلْحَةِ۔ (۱)

رعیت پر تصرف مصلحت عامہ پر مبنی ہوگا۔

ماخذ

اس قاعدے کا ماخذ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے جس کو سعید بن منصور نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے اس مال و دولت کا اپنے آپ کو ایسا ہی ذمہ دار سمجھتا ہوں جس طرح یتیم کا سرپرست ہوتا ہے، جب مجھے ضرورت ہوتی ہے تو اس قدر لے لیتا ہوں اور جب خوش حالی ہوتی ہے تو اس کو واپس کر دیتا ہوں، اور جب غنی ہوتا ہوں تو اس سے پرہیز کرتا ہوں:

قال عمر رضی اللہ عنہ انی انزلت نفسی من مال اللہ بمنزلة والی

الیتیم و ان احتجت أخذت منه فاذا ایسرت رددته و ان استغنیت

استعفت۔ (۲)

تشریح

حکمران کو یا انتظامیہ کو عوام پر تصرفات کرنے کا حق ہوتا ہے کیونکہ اگر یہ حق نہ ہو تو زندگی کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جائے، مگر اسلامی نظام قانون کے مطابق نہ تو یہ حق ذاتی ہے کہ کوئی حکمران اس سے محروم نہ کیا جاسکے اور نہ ہی اس میں اتنی وسعت ہے کہ حکمران جو چاہے کرے قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ (۳)

(۱) الأشباه والنظائر: النوع الثانی من القواعد، ص ۱۲۳ مجلة الأحكام العدلیة: ص ۲۲  
(۲) السنن الكبرى للبیہقی: کتاب البیوع، باب من قال اذا یقضیه اذا ایسر، ج ۶ ص ۷، رقم الحدیث: ۱۱۰۰۱  
(۳) النساء: ۵۹

یہ آیت بنیادی اصول بیان کرنے میں جامعیت کی حامل ہے، اس طرح کہ اس میں حکمران کے حق تصرف کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور عوام پر زور دیا گیا ہے کہ وہ اس کے حق تصرف کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے جاری کردہ احکام پر عمل پیرا ہوں۔

اس آیت میں لفظ اللہ اور رسول کے ساتھ لفظ ”أَطِيعُوا“ موجود ہے لیکن ”أُولِي الْأَمْرِ“ کے ساتھ لفظ ”أَطِيعُوا“ کا نہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ اس کو جو حق تصرف حاصل ہے وہ ذاتی نوعیت کا نہیں ہے، بلکہ اگر وہ اللہ اور اس رسول کی شریعت کے مطابق حکم دے گا تو اس کی اطاعت کی جائے گی ورنہ نہیں وہ ذاتی حیثیت میں مطاع نہیں ہے کہ وہ جو کچھ کہہ دے وہی قانون بن جائے اور اس کی پابندی ضروری ہو جائے جیسا کہ سوشلسٹ ممالک میں ہوتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا<sup>(۱)</sup>۔

اس آیت میں لفظ امانات میں وہ تمام ذمہ داریاں بھی مراد ہیں جو کسی ذمہ دار شخص کے سپرد کی جائیں:

ان الأمانات تعم جميع الحقوق المتعلقة بدمهم من حقوق الله

تعالیٰ وحقوق العباد۔<sup>(۲)</sup>

امانت کا لفظ عام ہے جو ان تمام حقوق کو شامل ہے جو ان کے ذمہ ہیں خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں۔

آیت کی تفسیر میں حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان هذا خطاب لولاية الأمر أن يقوموا برعاية الرعية وحملهم على

موجب الدين والشرعية وعدوا من ذلك تولية المناصب

مستحقها۔<sup>(۳)</sup>

(۱) النساء: ۵۸ (۲) تفسیر ابو السعود: سورۃ النساء، آیت نمبر ۵۸ کے تحت، ج ۳ ص ۱۹۲

(۳) روح المعانی: سورۃ النساء، آیت نمبر ۵۸ کے تحت، ج ۳ ص ۶۲

یہ حاکموں سے خطاب ہے کہ وہ تمام معاملات میں جمہور کے مفادات کی حفاظت کریں اور انہیں دین و شریعت کے مقتضیات کا پابند بنائیں، امانات میں عہدے بھی شامل ہیں کہ صرف اہل لوگوں کو دیئے جائیں۔

حکمران کی حیثیت اللہ اور اس کے رسول کے نائب، خلیفہ اور امین کی سی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(۱) فان رأیتمونی استقیمت فاتبعونی و ان رأیتمونی فزغت فقومونی۔  
اگر تم دیکھو کہ میں صحیح کر رہا ہوں تو میری اتباع کرنا اور اگر میری غلطی دیکھو تو میری اصلاح کرنا۔

حاکم کا حکم شرعاً اس وقت نافذ العمل ہوگا جب وہ شریعت کے خلاف نہ ہو اگر شریعت کے خلاف ہو تو نافذ العمل نہ ہوگا:

لم ینفذ امرہ شرعاً إلا إذا وافقہ، فان خالفہ لم ینفذ۔ (۲)

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں اعلیٰ صلاحیت کے لوگوں کو مختلف اعلیٰ مناصب پر مقرر فرمایا تھا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو سپہ سالاری پر، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو عدالت اور خزانے کے لیے اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو زمین کی پیمائش پر مقرر فرمایا، اور روزانہ کا وظیفہ ایک بکری مقرر کیا اور فرمایا میں اللہ کے مال میں ایسا ہی ہوں جیسا کہ یتیم کا سرپرست ہوتا ہے:

بعث عمار بن یاسر علی الحرب وبعث عبداللہ بن مسعود علی القضاء وبعث عثمان بن حنیف علی مساحة الأرضیین  
وجعل بینہم شاة کل یوم۔ (۳)

(۱) المعجم الأوسط: باب المیم، من اسمہ منتصر، ج ۸ ص ۲۶۷، رقم الحدیث: ۸۵۹۷

(۲) الأشباه والنظائر: ص ۱۲۳

(۳) کتاب الخراج: باب فی قسمة الغنائم، ما عمل بہ فی السواد، ص ۳۶

## تفریعات

..... ایک شخص کو حکومت کی طرف سے ماہانہ رقم دی جاتی تھی وہ فوت ہو گیا اور اپنے بعد دو لڑکے وارث چھوڑے، ان دونوں لڑکوں نے باہم اس بات پر صلح کر لی کہ محکمہ متعلقہ میں صرف ایک لڑکے کا نام رقم مذکورہ کا اندراج کرادیا جائے کہ وہ رقم صرف ایک لڑکے کو ملتی رہے اور دوسرا اس میں سے کچھ نہ لے گا بلکہ جس لڑکے کو وہ عطیہ ملے گا وہ دوسرے لڑکے کو (اس کے عوض) کوئی متعین مال دے دے گا تو یہ صلح باطل ہوگی، اور بدل صلح اس کو واپس کر دیا جائے گا اور امام کو یہ حق ہوگا کہ جس کو چاہے وہ عطیہ کی رقم دے دے، اس لیے کہ اس عطیہ کا استحقاق امام کی جانب سے پیدا ہوا تھا اس میں کسی غیر شخص کی رضا مندی کو کوئی دخل نہیں ہوگا اور نہ اس کو یہ حق ہوگا کہ اپنی طرف سے کسی کو عطایا کا حق دار بنا دے، البتہ یہ ضرور ہوگا کہ اگر امام یہ رقم کسی غیر مستحق کو دے دے گا تو اس کا یہ فعل ظلم پر ظلم ہوگا کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ ایک معاملے میں ایک مستحق کو محروم کر دے اور غیر مستحق کو حق دار قرار دے دے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیت المال سے جو عطیہ مقرر کیا جاتا ہے وہ غازی سرحدوں کے محافظین اور فقہاء جیسے مستحقین کے لیے ہوتا ہے، حاکم اعلیٰ یا کسی دوسرے شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جس شخص کو چاہے دے دے، بلکہ اس میں اس کو مصلحت عامہ پیش نظر رکھنا ہوگی حتیٰ کہ دونوں صلح کر لینے والے لڑکے اگر حاکم کی نظر میں مستحق نہ ہوں تو پھر اس عطیہ کو کسی مستحق کی طرف منتقل کر دے:

رجل له عطاء في الديوان، مات عن ابنين فاصطلحا على أن يكتب في الديوان له من كان له العطاء مالا معلوما، فالصلح باطل ويرد بدل الصلح والعطاء للذي جعل الامام العطاء له، لأن الاستحقاق للعطاء باثبات الامام لا دخل فيه لرضاء الغير وجعليه، غير أن السلطان ان منع المستحق فقد ظلم مرتين في قضية

بحرمان المستحق واثبات غير المستحق في مقامه وجهه ان هذا العطاء من بيت المال انما يصرف لمن يستحقه كالغزاة والمرابطين في الثغور والفقهاء لا يجوز للسلطان ولا لغيره ان يجعل ذلك لمن ان يجعل ذلك لمن شاء و اراد بل ينظر في ذلك لمصلحة العامة حتى لو كان المتصالحان غير مستحقين، يحول العطاء عنهما لأربابه۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر حاکم وقت نے قوم کو شہر کی کسی زمین میں دوکانیں تعمیر کر کے مسجد پر وقف کرنے کی اجازت دے دی یا یہ کہ وہ اس زمین سے اپنی مسجد میں اضافہ کر لیں، فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر یہ امر عامۃ الناس کے لیے مضر نہیں ہے اور راستے پر گزرنے والوں یا کسی دوسری ضرورت کے پورا کرنے میں حارج نہیں ہوتا تو حاکم وقت کا حکم نافذ ہو جائے گا بشرطیکہ شہر غلبہ سے فتح کیا گیا ہو لیکن اگر بطریقہ صلح قبضہ میں آیا تھا تو حاکم کا حکم نافذ نہ ہوگا، اس لیے کہ جو شہر غلبہ سے فتح ہوتا ہے اس کی ہر چیز غنیمت کا مال ہو جاتی ہے جو غنیمت حاصل کرنے والوں کی ملکیت ہوا کرتی ہے، اور جو شہر صلح سے قبضہ میں آتا ہے اس کی اشیاء مالکوں کی ملکیت میں باقی رہتی ہیں لہذا ان کے اندر حاکم کا حکم نافذ نہ ہوگا کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ غیر کی ملکیت کو غصب کر کے اس میں تصرف کیا جائے، اور یہ ظلم ہوگا اور امام کا فعل مصلحت پر مبنی ہونا چاہیے اور ظلم کو مصلحت نہیں کہتے:

لو ان سلطانا اذن لقوم ان يجعلوا أرضاً من اراضي البلدة حوانيت موقوفة على المسجد او امرهم ان يزيدوا في مسجدهم، قالوا: ان كانت البلدة فتحت عنوة وذلك لا يضر بالمادة والناس ينفذ امر السلطان فيها، وان كانت فتحت صلحا لا ينفذ امر السلطان، لأن البدرة إذا فتحت عنوة تصير ملكا للغانمين، وإذا فتحت صلحا تبقى

(۱) شرح المجلة: ص ۱۲۳

على ملك ملاكها فلا ينفذ امر السلطان فيها اى لانه اغتصاب  
ملك الغير وهو ظلم وفعل الامام منوطٌ بالمصلحة، والظلم ليس  
بمصلحة۔ (۱)

۳..... اگر کسی محلے میں آگ لگ جائے اور اس کے بجھانے کے لیے حاکم وقت کسی  
عمارت کو مالک کی اجازت کے بغیر منہدم کر دے تو ضرر عام کے دفعیہ کی بناء پر یہ حق حاصل  
ہوگا، اور اس کا فعل مصلحت پر مبنی سمجھا جائے گا، بخلاف کسی دوسرے شخص کے اگر وہ بغیر  
اجازت ایسا کرے گا تو ضامن ہوگا:

لو وقع حريق في المحلة فهدم السلطان او وكيله داراً بلا اذن  
صاحبها لأجل انقطاع الحريق له ذلك لأن له ولاية عامة فيصح  
لدفع الضرر العام فكان في فعله مصلحة، بخلاف ما لو فعل الغير  
ذلك بدون اذن، فإنه يضمن۔ (۲)

۴..... اگر راستے کو کشادہ کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو حاکم کے حکم سے ہر شخص  
کی ملکیت کو خرید کر راستے میں شامل کر دینا جائز ہوگا، اس حالت میں اگرچہ غیر پر جبر کرنا  
لازم آتا ہے لیکن چونکہ اس عمل میں مصلحت عامہ ہے اس لیے جائز ہوگا لیکن یہ نہیں ہو سکتا  
کہ اس ملکیت کی قیمت ادا نہ کی جائے:

انه لذي الحاجة يؤخذ ملك كائن من كان بالقيمة بأمر السلطان،  
ويلحق بالطريق لكن لا يؤخذ ما لم يؤد له الثمن فهذا وان كان  
جبراً على الغير لكن فيه مصلحة۔ (۳)

۵..... حاکم وقت کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ اگر شارع عام کا کوئی حصہ ضرورت سے  
زائد ہے اور عوام کو نقصان نہیں پہنچتا تو اس کو فروخت کر دے اور صحیح قیمت حاصل کر کے بیت  
المال میں داخل کر دے، اس کا جواز بھی مصلحت عامہ کے پیش نظر ہوگا اسی حکم پر حکومت کے

(۱) شرح المجلة: ص ۱۴۳ (۲) شرح المجلة: ص ۱۴۴ (۳) شرح المجلة: ص ۱۴۴



دیگر اموال کو قیاس کر لیا جائے کہ بوقت ضرورت و مصلحت ان کو واجبی قیمت پر فروخت کر دینا صحیح ہوگا لیکن یہ جائز نہ ہوگا کہ ان اموال کو زائد نقصان کے ساتھ فروخت کیا جائے:

للسلطان ان یبیع من فضلة الطريق إذا لم یضر بالعامۃ، لکن  
بشمن المثل ویضعه فی بیت المال، وانما جاز ذلك لمصلحة العامۃ،  
وعلى هذا المنوال تصرف ناظر اموال الخزینة فی بیع مالها، فلو  
باع بغبن فاحش فالبیع باطل۔<sup>(۱)</sup>

## قاعدہ نمبر (۵۸)

الْوَلَايَةُ الْخَاصَّةُ اقْوَى مِنَ الْوَلَايَةِ الْعَامَّةِ۔<sup>(۲)</sup>  
ولایت خاصہ ولایت عامہ سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔

## تشریح

اسلامی قانون میں ولایت ایسے حق تصرف کو کہتے ہیں جن کی بناء پر ولی اس شخص سے متعلق معاملات میں فیصلے کر سکتا ہے جس پر اس کو ولایت حاصل ہوتی ہے، اس ولایت کی نوعیتیں مختلف ہوتی ہیں بنیادی طور پر یہ ولایت یا تو عام ہوتی ہے یا خاص مثلاً حکمران کو اپنی رعایا پر ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے جس کی بناء پر وہ رعایا کے معاملات سے متعلق فیصلے کرتا ہے، مگر باپ کو اپنی اولاد پر جو ولایت حاصل ہوتی ہے وہ ولایت خاصہ کہلاتی ہے، اس اصول کے پیش نظر یہ بات طے شدہ سمجھی گئی ہے کہ ولایت خاصہ زیادہ قوی ہوتی ہے بہ نسبت ولایت عامہ کے۔

## تفریحات

..... اگر کسی وقف کا متولی موجود ہو تو اب اس کے مقابلے میں قاضی کو وقف میں

(۱) شرح المجلة: ص ۱۳۳

(۲) الأشباه والنظائر: القاعدة السادسة عشرة، ص ۱۵۷ رد المحتار: کتاب الوقف، مطلب فی قطع الجهات لأجل العمارة، ج ۲ ص ۳۷۴

تصرف کا حق حاصل نہ ہوگا، اسی طرح قاضی کو وصی کے یا ولی کے موجود ہوتے ہوئے نابالغ کے مال میں یا اس کے نکاح کر دینے میں تصرف کا حق حاصل نہ ہوگا، البتہ اگر ان متولیان کی طرف سے کسی خیانت کا وجود ہو تو قاضی کو ان کے معزول کر دینے کا حق حاصل ہوگا جو نگرانی کا ایک شعبہ ہے:

ليس للقاضي التصرف في أمور الوقف مع وجود متوليه ولا  
التصرف في مال الصغير مع وجود وصي ولو من قبله ولا إنكاح  
الصغير أو الصغيرة مع وجود ولي إلا أنه إذا وجد خيانةً فله حق  
العزل۔ (۱)

۲..... قاضی کو ولی نکاح کی موجودگی میں یتیم بچے اور بچی کا نکاح کرنا جائز نہیں ہاں  
اگر ولی نکاح نہ ہو تو جائز ہے:

ان القاضي لا يزوج اليتيم واليتيمة إلا عند عدم ولي لهما في  
النكاح۔ (۲)

۳..... ولی خاص کے لیے قصاص لینا، صلح علی الممال کرنا اور مفت میں معاف کرنا سب  
جائز ہے لیکن امام عفو کا مالک نہیں، اسی طرح اگر صغیر کا ولی ہو یا وقف کا کوئی اور متولی ہو تو  
قاضی کے لیے صغیر کے مال اور مال وقف میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ قاضی  
کی ولایت عامہ ہے جبکہ ولی اور متولی کی ولایت خاصہ ہے جو قوی ہے:

وللولى الخاص استيفاء القصاص والصلح و العفو مجاناً والامام  
لا يملك العفو۔ (۳)

## قاعدہ نمبر (۵۹)

إِعْمَالُ الْكَلَامِ أَوْلَىٰ مِنْ إِهْمَالِهِ۔ (۴)

کلام کو با معنی قرار دینا اس کے مہمل قرار دینے سے زیادہ بہتر ہے۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۴۷ (۲) الأشباه والنظائر: ص ۱۵۷ (۳) الأشباه والنظائر: ص ۱۵۷

(۴) الأشباه والنظائر: القاعدة التاسعة، ص ۱۳۵ / رد المحتار: كتاب الماذون، ج ۲، ص ۱۷۱

## تشریح

کلام کو مہمل قرار دینے سے زیادہ بہتر ہوگا کہ اس کا جو مناسب معنی ہو سکتا ہو وہ مراد لیا جائے، اصل کلام کے اندر یہ ہے کہ اس کا حقیقی معنی مراد لیے جائیں گے، اگر حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہ رہے تو کلام کی تصحیح کے لیے مجازی معنی مراد لیے جائیں گے اور اگر مجازی معنی مراد لینا بھی ممکن نہ رہے تو اس قاعدے کی روشنی میں حتی الامکان ایک عاقل کے کلام کو محفوظ رکھا جائے خواہ اس کے لیے کوئی صورت اختیار کرنی پڑی، حقیقت ہو یا مجازی کوئی دوسرا طریقہ ہو، مگر یہ کہ کسی طرح کا بھی امکان باقی نہ رہے تو اب سوائے لغو قرار دینے کے کوئی راستہ باقی نہ رہے گا۔

## تفریعات

۱..... ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص کے میرے ذمہ ایک ہزار روپیہ ہیں جو کہ شراب یا خنزیر کی قیمت میں مجھ پر واجب ہوئے ہیں، تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے ذمہ ایک ہزار کی ادائیگی لازم ہوگی (یعنی اقرار قابل قبول ہوگا) اور اس اقرار کرنے والے کی یہ وضاحت کہ یہ شراب یا خنزیر کی قیمت کے سلسلہ میں واجب ہوئے تھے قابل قبول نہ ہوگا، اور امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس شخص کا اقرار باطل ہوگا ان دونوں حضرات کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز کا اقرار کیا گیا ہے وہ ایک مسلم کے ذمہ واجب نہیں ہو سکتی یعنی اس کا واجب ہونا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ یہ شراب اور خنزیر حرام اشیاء ہیں مسلمان کا ذمہ ان کو برداشت نہیں کر سکتا لہذا اقرار باطل ہوگا، اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کے کلام کا ابتدائی حصہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک ہزار کا قرض دار ہے اس کے بعد اس کا شراب اور خنزیر کی قیمت ظاہر کرنا گویا یہ اپنے اول اقرار سے رجوع کرنا ہے اور رجوع کرنا صحیح نہیں ہوتا لہذا اقرار اپنی جگہ قائم رہا۔

آپ غور فرمائیں کہ امام صاحب کا قول کتنی دقیق فکر پر مبنی ہے اس لیے کہ اقرار کرنے

والے کا یہ کہنا کہ یہ دین میرے ذمہ شراب اور خنزیر کی قیمت کی ادائیگی کے سلسلہ میں لازم ہوا ہے، اس کو اقرار سے رجوع قرار دینا اس کلام کو بامعنی قرار دینا ہے اور یہ طریقہ اس طریقے سے بہتر ہے کہ کلام کو مہمل اور باطل قرار دیا جائے:

لہ علی ألف ثمن خمر أو خنزیر لزমে الألف ولا یقبل تفسیرہ عند الإمام الاعظم، وعندہما لا یلزمہ شیء۔ وجہ قولہما ان المقر بہ مما لا یحتمل الوجوب فی ذمۃ المسلم لأنه ثمن خمر أو خنزیر، وذمۃ المسلم لا تحتملہ فلا یصح اقرارہ أصلاً، وجہ قولہ ان لہ علی ألف اقرارٌ بألف واجب فی ذمۃ وقولہ ثمن خمر أو خنزیر ابطالٌ لما أقر بہ، لأن ذمۃ المسلم لا تحتمل ثمن الخمر والخنزیر فکان رجوعاً فلا یصح، فانظر فی دقة نظر الإمام لأن فی حمل قولہ من ثمن خمر أو خنزیر علی الرجوع اعمال الکلام وهو اولی من اہمالہ۔<sup>(۱)</sup>

۲..... ایک شخص کی دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک سے اس نے کہا تجھے چار طلاق، عورت نے شوہر سے کہا کہ میرے لیے تین ہی کافی ہیں، شوہر نے اس کو جواب دیا کہ زائد طلاق کو میں فلاں پر واقع کرتا ہوں، اس صورت میں دوسری زوجہ پر بالکل طلاق واقع نہ ہوگی، اس شخص کا یہ کہنا کہ زائد طلاق میں نے فلاں زوجہ کو دی شرعاً لغو ہوگا اس لیے کہ شریعت میں طلاق کی تعداد تین سے زیادہ مقرر نہیں ہے، لہذا اس کا یہ کلام لغو قرار پایا اور اس شخص کے کلام کی تصحیح کے لیے کوئی صورت ممکن نہ رہی:

رجلٌ لہ امرأتان فقال لإحداهما انت طالق أربعاً، فقالت الثلاث تکفینی، فقال الزوج أوقعت الزیادة علی فلانة لا یقع علی الأخری شیء۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۱۵۲

(۲) شرح المجلة: ص ۱۵۳، فتاویٰ قاضیخان: کتاب الطلاق، ج ۱ ص ۲۲۶

۳..... ایک شخص جب یہ کہے کہ فلاں شخص کے میرے ذمہ ایک سو روپیہ کے ماسوا ایک سو روپیہ دین ہیں، اس شخص پر ایک سو روپیہ کا ذین واجب ہوگا، چنانچہ اس کے سابقہ کلام میں استثناء (ماسوا ایک سو روپیہ کے) یہ جملہ قابل تصحیح نہیں، کیونکہ تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ استثناء کل من الكل جائز نہیں (یعنی جتنی شئی اولاً مذکور ہو، اتنی ہی مقدار کو اس سے خارج کر دینا ممکن نہیں ہوتا) اور اس حالت میں اقرار سے رجوع کرنا لازم آتا ہے اور رجوع عن الاقرار جائز نہیں:

ومن هذا القبيل: له على مائة إلامائة، لزمه مائة، ولا امکان لتصحیح هذا الاستثناء لإطباقهم على عدم جواز استثناء الكل من الكل فيكون رجوعاً، فلا يجوز۔ (۱)

۴..... ایک شخص نے کہا فلاں کو طلاق ہے اور اس کی بیوی کا نام بھی ”فلاں“ ہی تھا تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی، اگر یہ شخص اب یہ کہے کہ میں نے اپنی زوجہ کے متعلق نہیں کہا تھا تو یہ قول قابل قبول نہ ہوگا اس لیے کہ اس کا کلام طلاق واقع کرنے کے لیے ہے اور خود اس شخص کو اپنی زوجہ پر طلاق واقع کرنے کی ولایت بھی حاصل ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ عاقل کا کلام صحت پر محمول کیا جائے گا لہذا اس کی زوجہ کو طلاق دینا متعین ہوگا:

وان قال فلانة طالق، وذلك اسم امراته، طلقت امراته، ولا يصدق على صرف الطلاق عنها لأن كلامه ايقاع وله ولاية الإيقاع على زوجته، وقد بينا أن كلام العاقل محمولٌ على الصحة فتعینت زوجته۔ (۲)

۵..... اگر کوئی شخص اپنے ایک غلام اور ایک چوپائے کو جمع کر کے یہ کہے کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غلام آزاد ہو جائے گا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جب تک نیت نہ کی ہو آزاد نہ ہوگا:

(۱) شرح المجلة: ص ۱۵۳

(۲) شرح المجلة: ص ۱۵۳ المبسوط: كتاب الطلاق، باب الشهادة في الطلاق، ج ۶ ص ۱۲۶

ومنها: إذا قال لعبده ولبهيمة "أحدهما حر" أو قال هذا العبد أو هذه الدابة حر، عتق العبد عنده نوى أولم ينو، وعندهما لا يعتق مالم ينو- (۱)

## قاعدہ نمبر (۶۰)

إِذَا تَعَذَّرَتِ الْحَقِيقَةُ يُصَارُ إِلَى الْمَجَازِ- (۲)  
جب حقیقت پر عمل کرنا مشکل ہو جائے تو مجاز کو اختیار کیا جائے گا۔

### تشریح

چوں کہ لفظ کا حقیقی معنی اس کا اصل اور موضوع لہ ہوتا ہے اور مجاز اس کی فرع ہوتا ہے اس لیے مجاز کو حقیقت کا خلیفہ کہا جاتا ہے، تو جب مجاز حقیقت کا خلیفہ ہے تو جس مقام پر کلام کے دونوں معنی مراد لینا ممکن ہوں اور کوئی مرجح موجود نہ ہو تو وہاں حقیقی معنی مراد لینا متعین ہوگا، لیکن اگر کسی کلام میں حقیقی معنی مراد لینا متعذر ہو جائے تو کلام کو لغو ہونے سے بچانے کے لیے مجاز کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

### تفریعات

..... اگر ایک شخص نے اپنے ایسے غلام سے جو اپنی عمر کے لحاظ سے آقا کا بیٹا ہو سکتا تھا کہا یہ میرا بیٹا ہے حالانکہ اس کا نسب غیر شخص سے مشہور اور معروف تھا تو یہ غلام آزاد ہو جائے گا اس کی ماں ام ولد سمجھی جائے گی، چنانچہ اس اقرار کرنے والے کے حق میں اس کے اقرار کی تصدیق کی جائے گی، لیکن اس غیر کے حق میں جس کا یہ بیٹا ہے اس کے نسب کے باطل قرار دینے میں اس کا کوئی اثر نہ ہوگا چونکہ مذکورہ صورت میں حقیقی معنی ممکن نہ تھا

(۱) شرح المجلة: ص ۱۵۵

(۲) رد المحتار: کتاب الایمان، باب الیمین فی الأکل والشرب، ج ۳ ص ۷۶۷ مجلة الأحكام

العدلیة: ص ۲۳



اس لیے مجازی معنی حریت لیا گیا:

لو قال لعبد له يولد مثله لمثله معروف النسب من الغير "هذا  
ابنى" عتق وامه ام ولده ، فيصدق في حق نفسه لا في ابطال نسبه  
من الغير۔ (۱)

۲..... ایک شخص اپنے بیٹے پر "ولد" کے لفظ سے وقف کرے، اب اگر اس کا اپنا صلبی  
لڑکا موجود ہو تو ولد کے لفظ سے وہی مراد ہوگا کیونکہ اس لفظ کا حقیقی معنی یہی ہے لیکن اگر ایسا  
لڑکا موجود نہ ہو تو اب اس لفظ کا حقیقی معنی مراد لینا ناممکن ہوگا اور اب اس کا مجازی معنی یعنی  
بیٹے کا بیٹا مراد ہوگا:

فلو وقف على ولده، فإن كان له ولد صلبى يصرف اليه لأنه

الحقيقة، والا فلولد ولده وهو المجاز، لتعذر الحقيقة۔ (۲)

۳..... اگر ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ ہانڈی سے نہیں کھائے گا تو اس سے مراد وہ  
شئی ہوگی جو ہانڈی کے اندر (پکائی یا رکھی گئی) ہوگی، گویا ہانڈی میں حلول کرنے والی چیز پر  
مجازاً ہانڈی کا لفظ استعمال کر دیا گیا (کیونکہ عادتاً ہانڈی کو نہیں کھایا جاتا):

ما لو حلف لا يأكل من هذه القدر، فلما يحلها، تجوزاً باسم المحل

عن الحال۔ (۳)

۴..... کبھی حقیقی معنی مراد لینا شرعاً ممنوع ہوتا ہے جیسے کہ لفظ نکاح لغوی معنی کے  
اعتبار سے مجامعت کو کہتے ہیں اور عقد پر اس کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے، لہذا اگر ایک شخص نے  
کسی اجنبی عورت سے کہا اگر میں تیرے ساتھ نکاح کروں تو ایسا ہو، یہاں نکاح کا مجازی  
معنی عقد مراد لیا جائے گا کیونکہ اس کا حقیقی معنی (مجامعت) ایک غیر عورت میں مراد لینا ممکن  
نہیں ہے:

وقد يكون التعذر شرعياً لا عقلياً كالنكاح فإنه لغة حقيقة في

(۱) شرح المجلة: ص ۱۵۷

(۲) شرح المجلة: ص ۱۵۷

(۳) شرح المجلة: ص ۱۵۷

الوطء، مجازاً فی العقد كما تقدم، فلو قال لأجنبية "ان نکحتک  
فکذا" ینصرف الی المجاز و هو العقد دون الوطء لحرمة و طء  
الأجنبية۔ (۱)

۵..... ایک شخص کو خصومت کا وکیل مقرر کیا، اس لفظ (خصومت) کا حقیقی معنی شرعاً  
متروک ہے اس لیے کہ خصومت جھگڑا کرنے کو کہتے ہیں اور لڑنا جھگڑنا حرام ہے، اللہ تبارک  
و تعالیٰ فرماتے ہیں "وَلَا تَنَازَعُوا" جھگڑا نہ کرو، اور جو چیز شرعاً متروک ہو وہ عادتاً بھی  
متروک سمجھی جاتی ہے، کیونکہ عقل اور دین دونوں اس پر اقدام کرنے کو منع کرتے ہیں اب  
لامحالہ اس کا مجازی معنی مراد لیا جائے گا یعنی جواب دہی کرنا، خواہ بصورت انکار ہو یا  
بصورت اقرار ہو، کیونکہ خصومت اس معنی کا سبب ہے اب یہاں اس حیثیت سے مجاز ہوگا  
کہ سبب کا لفظ مسبب پر بولا گیا ہے یا یہ کہہ لیجیے کہ مقید کا اطلاق مطلق پر کیا گیا ہے:

و کالتوکیل بالخصومة، المعنى الحقیقی مهجور شرعاً، لأن  
الخصومة هی المنازعة، وهی حرامٌ بقوله تعالى "ولا تنازعوا"  
والمهجور شرعاً كالمهجور عادة، لأن العقل والدين مانعان من  
الإقدام علیه فیحمل علی المجاز وهو الجواب مطلقاً اقراراً کان أو  
انكاراً لأنها سببه، فكان اطلاقاً لاسم السبب علی المسبب أو  
المقید علی المطلق۔ (۲)

۶..... اگر ایک شخص نے کہا "میں اجنبی عورت سے ضرور نکاح کروں گا" تو یہاں بھی  
نکاح سے مجازی معنی (عقد) مراد لیا جائے گا، چنانچہ اگر زنا کیا جو لفظ کا حقیقی معنی ہے تو  
حادث نہ ہوگا، البتہ اگر حقیقی معنی کی نیت کی ہو تو حادث ہوگا:

ومثله لو حلف لینکحن أجنبية یحمل علی المجاز وهو العقد، ولا  
یحث بالزنا الا بنية المعنى الحقیقی وهو الوطء۔ (۳)

(۱) شرح المجلة: ص ۱۵۷ (۲) شرح المجلة: ص ۱۵۸ (۳) شرح المجلة: ص ۱۵۸

۷..... اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ ”میں فلاں کے مکان میں قدم نہیں رکھوں گا“ تو اس سے محض داخل ہونا مراد لیا جائے گا، خواہ برہنہ پاؤں، یا جوتا پہنے ہو، یا سوار ہو کر، کسی طرح بھی داخل ہوا تو قسم ٹوٹ جائے گی یہ عموم مجاز کہلاتا ہے، چنانچہ اگر اس شخص نے مکان سے باہر رہتے ہوئے صرف اپنا برہنہ پاؤں مکان میں رکھ دیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ حقیقی معنی (محض پاؤں رکھ دینا) عرفاً متروک ہے:

ومن المهجور عادة ما لو حلف لا يضع قدمه في دار فلان، يحمله على مطلق الدخول، حافياً او متنعلًا او راكبًا، فهو من باب عموم المجاز حتى لو وضع قدمه في الدار وهو خارج البيت لا يحنث، لأن المعنى الحقيقي مهجور عادةً۔<sup>(۱)</sup>

## قاعدہ نمبر (۶۱)

إِذَا تَعَدَّرَ أَعْمَالُ الْكَلَامِ يُهْمَلُ۔<sup>(۲)</sup>

جب کسی کلام کو با معنی قرار دینا ممکن نہ ہو تو اس کلام کو مہمل قرار دیا جائے گا۔

تشریح

جب کسی کلام کا حقیقی معنی مراد لینا متعذر ہو تو اس کے مجازی معنی کی طرف رجوع کیا جائے گا لیکن اگر مجازی معنی مراد لینا بھی متعذر ہو تو پھر کلام یقیناً مہمل قرار پائے گا کیونکہ کوئی کلام بھی ان دو حالتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔

## تفریعات

۱..... ایک شخص دوسرے پر کسی ایسی شئی کا دعویٰ کرے جو عقلاً اور عادتاً محال ہو جیسا

(۱) شرح المجلة: ص ۱۵۸

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۳ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الحادية والستون، ص ۳۱۹

کہ ایک شخص اپنے سے زیادہ عمر والے شخص پر یا کسی معروف النسب شخص پر اپنے بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ مہمل اور لغو ہوگا کیونکہ اس کا جھوٹا ہونا عقلاً و شرعاً ہر طرح ظاہر ہے:

لو ادعی احدٌ فی حق من ہو اکبر منه سنا او معروف النسب من

الغیر انه ابنه فهو لغو لظهور کذبہ عقلاً او شرعاً۔<sup>(۱)</sup>

۲..... کوئی شخص ایسا دعویٰ کرے جس کی تکذیب حواس ظاہر سے ہوتی ہو جیسا کہ ایک

ایسا شخص جس کے دونوں ہاتھ صحیح و سالم موجود ہیں کسی دوسرے شخص پر یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے ہیں لہذا دیت دلوائی جائے:

او جاء بدعوی یکذبها الحسن کما لو ادعی صحیح الیدین علی

آخر انه قطع یدہ ویطلب منه الدیة۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اسی طرح اس قسم کا اقرار بھی لغو ہوگا اگر اس طرح اقرار کیا کہ میں نے تیرے

ہاتھ کاٹ دیئے، حالانکہ مخاطب کے دونوں ہاتھ صحیح و سالم موجود تھے تو یہ کلام لغو ہوگا:

فلو قال قطعت یدک ویداہ صحیحتان وقع الکلام لغواً۔<sup>(۳)</sup>

۴..... اسی طرح مریض کا مرض موت کی حالت میں وارث کے لیے وصیت کرنا یا

دین کا اقرار کرنا باطل ہوگا، جس کی وجہ یہ ہوگی کہ وراثت کا حق اس کے مال سے متعلق ہو چکا

ہوگا اور یہ شخص (مریض) اپنی وصیت کے ذریعہ کسی ایک وارث کو اپنے مال کا زیادہ حصہ

دلا کر دوسروں کی حق تلفی کرنے والا متصور ہوگا، اسی وجہ سے اگر باقی وراثت اس کی وصیت یا

اقرار پر رضامندی کا اظہار کر دیں گے تو اس کی وصیت اور دین کا اقرار صحیح المعنی ہو کر قابل

عمل ہو جائے گا مہمل نہ سمجھا جائے گا:

کذلک المریض لا یصح اقرارہ لو ارثہ بدین او عین ولا الوصیة

لہ، والمعنی فیہ انه آثر بعض الورثة بشیء من مالہ، وقد تعلق

حقہم بہ بالمرض فکان متہماً بهذا الاقرار، ولہذا ان اجازوا

یعمل بکلامہ ولا یہمل۔<sup>(۴)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۱۶۳

(۲) شرح المجلة: ص ۱۶۳

(۳) شرح المجلة: ص ۱۶۳

(۴) شرح المجلة: ص ۱۶۳

## قاعدہ نمبر (۶۲)

ذِكْرُ بَعْضِ مَا لَا يَتَجَزَّأُ كَذِكْرِ كُلِّهِ۔<sup>(۱)</sup>

کسی شئی کے ایسے بعض حصہ کو ذکر کر دینا جو اس شئی سے علیحدہ نہ کیا جاسکے پوری شئی ذکر کرنے کے مثل متصور ہوگا۔

تشریح

ہر وہ شئی جس کی تجزی ناممکن ہو اس میں بعض حصہ کا ذکر کر دینا ایسا ہوگا جیسے کل شئی کا حکم بیان کر دیا گیا ہو اس لیے کہ ایسے موقع پر دو صورتیں ہی ممکن ہیں، ایک تو یہ ہے کہ بعض کے حکم کو کل کا حکم قرار دیا جائے تاکہ کلام قابل عمل رہے یا یہ کہ ایسا نہ کیا جائے تو کلام مہمل قرار پاجائے۔

تو کلام کو مہمل قرار دینے سے بہتر یہ کہ اس کو بامعنی قرار دے کر اس پر عمل کیا جائے، حسب ذیل معاملات میں تجزی نہیں ہو سکتی مثلاً طلاق، قصاص، کفالہ بالنفس، شفعہ، ولایت وغیرہ لیکن مالکانہ تصرفات میں تجزی ممکن ہوتی ہے، مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں نے اپنا نصف مکان یا ایک چوتھائی مکان کا حصہ فروخت کر دیا تو یہ قول صحیح ہوگا اور یہاں بعض حصہ کا حکم کل کے حق میں صحیح نہ ہوگا۔

## تفریعات

۱..... اگر ایک شخص اپنی زوجہ سے یہ کہے کہ میں نے تجھے نصف طلاق یا ایک چوتھائی طلاق دی تو ایک پوری رجعی طلاق واقع ہوگی، اور یہاں نصف یا ایک چوتھائی کا ذکر ایسا ہوگا جیسا کہ مکمل ایک طلاق کہا ہو، کیونکہ طلاق ایسی اشیاء میں سے نہیں ہے کہ اس کے حصے ہو سکیں ظاہر ہے کہ جو چیز طلاق کا محل ہے اس میں یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے نصف کو حرام اور نصف حصہ کو حلال قرار دیا جاسکے:

(۱) الأشباه والنظائر: القاعدة الثامنة عشرة، ص ۱۵۹ / المبسوط: کتاب النکاح، باب المهر، ج ۵ ص ۸۲

فلو قال لزوجته طلقتك نصف تطلقة أو ربع تطليقة تقع واحدة رجعية، وذكر النصف أو الربع كذكر الكل لأن الطلاق لا يقبل التجزأ، إذ لا يكون المحل الواحد نصفه على الشيوع حلالاً ونصفه حراماً۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر مقتول کا ایک ہی ولی ہو اور وہ قصاص کا بعض حصہ معاف کر دے اور بعض حصہ زیر قصاص رکھے تو کل قصاص ساقط ہو جائے گا کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ بعض حصہ کو چھوڑ کر بعض حصہ سے قصاص لیا جاسکے:

لو كان ولي المقتول واحدا فعفا عن بعض القصاص، سقط لعدم تصور استيفاء بعضه دون بعض۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اگر شفیع مشفوعہ کے بعض حصہ میں شفعہ کا ترک کرنا تسلیم کرے گا تو کل مشفوعہ میں شفعہ ساقط ہو جائے گا:

بأن الشفيع إذا سلم الشفعة في النصف، بطلت في الكل، لعدم تجزئتها۔<sup>(۳)</sup>

۴..... ایک شخص نے کسی عورت سے چاندی کے پانچ درہم مہر پر نکاح کیا تو اس صورت میں کامل دس درہم مہر مقرر سمجھا جائے گا کیونکہ کم از کم مہر احناف کے نزدیک دس درہم ہیں اس سے کم مہر نہیں ہو سکتا، لہذا کل مقدار دس درہم کے بعض حصہ کا ذکر ایسا ہوگا جیسے کہ کل کا ذکر کیا گیا ہو کیونکہ مہر کے سلسلہ میں دس درہم قابل تجزی نہیں ہیں:

ان من تزوج امرأة على خمسة دراهم فضة، يكمل لها عشرة دراهم، وضار ذكر بعض العشرة كذكر كلها، لأن العشرة في باب المهر لا تتجزأ۔<sup>(۴)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۱۶۵ / الأشباه والنظائر: ص ۱۵۹

(۲) شرح المجلة: ص ۱۶۲ / الأشباه والنظائر: ص ۱۵۹ (۳) شرح المجلة: ص ۱۶۸

(۴) شرح المجلة: ص ۱۶۸ / المبسوط: ج ۵ ص ۸۲



۵..... جس شخص نے اپنے لیے نماز کی ایک رکعت ادا کرنے کی نذر مانی اس پر لازم ہوگا کہ دو رکعتیں ادا کرے اس لیے کہ یہ امر تجزی کے قابل نہیں، لہذا ایک رکعت کا ذکر کرنا کل نماز کا ذکر کرنا متصور ہوگا یعنی دو رکعتوں کا:

ان من اوجب علی نفسه رکعة، لزمه ان یصلی رکعتین لأن ذلك

لا یتبعض، فذکر احدهما کذکر کلہما۔ (۱)

۶..... ایک شخص نے اپنی زوجہ سے کہا جب تجھے نصف حیض آئے تو تجھے طلاق ہے، اس وقت تک اس پر طلاق واقع نہ ہوگی جب تک پورا حیض نہ آئے کیونکہ حیض کی تجزی نہیں ہو سکتی، لہذا اس کے کسی جز کا ذکر کرنا ایسا ہی ہے جیسے پورے حیض کا ذکر کرنا ہے:

و منها أنت طالق إذا حضت نصف حیضة، لم یقع الطلاق ما لم

تحض حیضة كاملة، لأنها لا تتجزأ فذکر بعضها کذکر کلها۔ (۲)

### قاعدہ نمبر (۶۳)

المُطَلَّقُ یَجْرِي عَلَى إِطْلَاقِهِ إِذَا لَمْ يَقُمْ دَلِيلُ التَّقْيِيدِ نَصًّا  
أَوْ دَلَالَةً۔ (۳)

مطلق کا حکم مطلق ہی رہے گا جب تک کہ کسی نص یا دلیل سے اس کے مقید ہونے پر حجت قائم نہ ہو جائے۔

تشریح

مطلق وہ لفظ کہلاتا ہے جو ذات پر دلالت کرے اور صفات کی نفی و اثبات سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو، اور مقید وہ لفظ ہے جو ذات پر دلالت کرتے ہوئے کسی زائد صفت کو بھی

(۱) شرح المجلة: ص ۱۶۸ (۲) شرح المجلة: ص ۱۶۸

(۳) المبسوط: کتاب الوكالة، باب من الوكالة بالبیع والشراء، ج ۱۹ ص ۲۰ / مجلة الأحكام  
العدلیة: ص ۲۳

ظاہر کرے، مذکورہ قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی مقام پر مطلق استعمال کیا جائے اور اس کی تقييد پر کوئی نص یا دلالت موجود نہ ہو جو اس کو کسی عارضی صفت سے مقيد کرتی ہو تو مطلق کو اس کے اطلاق پر ہی چھوڑا جائے گا۔

## تفریعات

۱..... اگر ایک شخص نے درزی کو جبہ سینے کے لیے معینہ اجرت پر اس شرط کے ساتھ مقرر کیا کہ وہ بذات خود جبہ سینے گا، تو اب درزی کو یہ حق نہ ہوگا کہ یہ جبہ کسی دوسرے شخص سے سلوائے اگر اس نے ایسا کیا اور جبہ ضائع ہو گیا تو درزی اس کا ضامن ہوگا، چنانچہ اس مسئلہ میں جبہ کا سینا مطلق تھا جس کو صراحت کے ساتھ ایک خاص شخص کے سینے کے ساتھ مقيد کر دیا گیا تھا (یعنی بذات خود سینے) لہذا اس قید پر عمل کرنا درزی کے لیے لازم ہو گیا تھا، اسی پر دیگر دفعات کو قیاس فرمائیں یہ صریح تقييد کی مثال ہے:

فلو استاجر خیاطاً لخیاطة جبة بأجرة معلومة علی أن یخیطها

بنفسه، فلیس للخیاط أن یخیطها بغيره، وان خاطها بغيره وتلفت

فهو ضامن، فالمطلق وهو خیاطة الجبة، تقيد صریحاً بعمل الأجير

خاصة، فیلزم العمل بموجب القيد۔<sup>(۱)</sup>

۲..... دلالت تقييد کے یہ معنی ہیں کہ کلام میں کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو تقييد پر دلالت کرتا ہو، مثلاً قربانی کے ایام میں ایک شخص کو جانور خریدنے کا وکیل بنایا تاکہ مؤکل اس کی قربانی کرے، اور وکیل نے قربانی کے ایام گزرنے کے بعد جانور خریدا تو یہ خریدنا مؤکل کے حق میں متصور نہ ہوگا، کیونکہ قربانی کا زمانہ وکیل کے فعل کو مؤکل کے حق میں ہونے کے لیے دلالت اس کے فعل کو مقيد کرتا ہے:

ومعنی التقييد دلالة فان تكون قرينة تدل علی التقييد: كما لو

(۱) شرح المجلة: ص ۱۷۱

وكل رجلاً أيام الأضحية بأن يشتري له شاة ليضحيتها، فاشترها له بعد مضي وقتها، لا تنفذ على الموكل التقيداً بالزمان دلالة۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اگر کسی شخص نے مطلق عاریت کے ساتھ کسی دوسرے شخص سے کوئی جانور عاریت پر حاصل کیا تو یہ شخص جس وقت جہاں چاہے سوار ہو کر جاسکتا ہے، لیکن یہ اتنے عرصہ کے ساتھ مقید ہوگا جتنے عرصہ اور وقت میں جانے کی اجازت ہوگی جس کی عرف و عادت جاری ہو، اس کے خلاف اس سے زیادہ کا حق نہیں رکھے گا کہ دو گھنٹہ کا راستہ ایک گھنٹہ میں طے کر لے:

فلو أعار رجلٌ دابةً أعاره مطلقاً، فالمستعير له أن يركبها الى حيث شاء في الوقت الذي يريده وإنما ليس له أن يذهب بها الى المحل الذي مسافة الذهاب اليه ساعتان في ساعة واحدة۔<sup>(۲)</sup>

۴..... اگر کسی شخص نے کسی مسافر خانہ میں کوئی کمرہ کرایہ پر لیا تو اس شخص کو اس میں رہنے اور سامان رکھنے کے ہر طریقہ اختیار کرنے کا حق حاصل ہوگا لیکن یہ حق نہ ہوگا کہ عادت و عرف کے خلاف اس میں لوہار کا کام شروع کر دے کیونکہ اس طرح استعمال کرنا عرف و عادت کے خلاف ہوگا، لہذا مطلق اجارہ اور اعارہ عرف و عادت کے ساتھ مقید ہوں گے:

كذلك إذا استعار شخص حجراً في خان، كان له أن يسكنها وأن يضع فيها أمتعة وأما استعمالها بما يخالف العادة، كأن يشتغل فيها بصناعة الحداد فليس له ذلك أي لأن الاستعمال على هذه الكيفية مخالفٌ للعرف والعادة فيتقيد بذلك۔<sup>(۳)</sup>

(۲) شرح المجلة: ص ۱۷۱

(۱) شرح المجلة: ص ۱۷۱

(۳) شرح المجلة: ص ۱۷۱

## اطلاق و تقیید سے متعلق ایک عمدہ بحث

اگر اطلاق و تقیید حکم مثبت میں ہو تو غور کیا جائے گا، اگر واقعہ اور حکم دونوں متحد ہیں تو مطلق کو مقید پر محمول کر لیں گے اور اگر واقعہ اور حکم متعدد ہیں یا واقعہ متعدد ہے اور حکم متحد ہے یا حکم متعدد ہے اور حادثہ متحد ہے تو اب ایک کو دوسرے پر محمول نہ کریں گے۔

۱..... اتحاد حکم اور حادثہ کی مثال: قسم کے کفارے میں عام قراء کی یہ قراءت ہے ”فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ“ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مشہور قراءت ”ایام متتابعات“ ہے، چنانچہ یہاں اول کو دوسری پر محمول کر کے متواتر تین یوم کے روزے رکھنا مراد لیے جائیں گے۔

۲..... حکم و حادثہ کے تعدد کی مثال: جیسے قتل کے کفارے میں روزے کو متواتر رکھنا اور ظہار کے کفارے میں مسکینوں کے کھانا کھلانے کو مطلق رکھنا (خواہ متواتر کھلایا جائے یا درمیان میں وقفہ دیا جائے ہر طرح جائز ہے)

۳..... اتحاد حکم و تعدد حادثہ کی مثال: جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمانا ”فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ“ کفارہ ظہار اور کفارہ یمین میں، اور کفارہ قتل میں یہ فرمانا ”رَقَبَةٌ مُؤْمِنَةٌ“ حکم ان دونوں مقام پر ایک ہے، یعنی غلام آزاد کرنا لیکن حادثہ مختلف ہے کیونکہ قتل ایک حادثہ ہے اور ظہار و قسم دوسرے حادثے ہیں۔

۴..... حکم کے متعدد اور حادثہ کے متحد ہونے کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ”فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَّسِلَا“ ظہار کے متعلق یہاں حکم کو متواتر روزہ رکھنے کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے کہ قربت سے قبل متواتر دو ماہ کے روزے رکھے جائیں، لیکن اسی واقعہ میں دوسرا حکم اور بھی ہے وہ یہ کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے لیکن اس میں یہ قید نہیں ہے (کہ متواتر ہو وقفہ نہ ہو)

خلاصہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک صرف ایک صورت میں مطلق کو مقید پر محمول کیا

جاسکے گا اور وہ یہ کہ حکم اور حادثہ دونوں متحد ہوں اور حکم اثباتی ہو اور اس کے ماسوا دوسری صورتوں میں مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہے گا مقید پر محمول نہ کیا جائے گا لیکن شواہع فرماتے ہیں کہ مطلق کو ہر موقعہ پر مقید پر محمول کیا جائے گا خواہ حادثہ ایک ہو یا متعدد ہوں، یہ کتب اصول فقہ کا خلاصہ تھا جو پیش کیا گیا۔<sup>(۱)</sup>

## قاعدہ نمبر (۶۴)

الْوَصْفُ فِي الْحَاضِرِ لَغْوٌ وَفِي الْغَائِبِ مُعْتَبَرٌ۔<sup>(۲)</sup>

حاضر شئی میں اس کی صفت کا بیان ناقابل توجہ ہوگا اور غائب شئی میں معتبر ہوگا۔

### تشریح

جب کوئی چیز سامنے موجود ہو تو اس وقت خود وہی چیز معتبر ہوتی ہے اس کی تعریف یا اس کی صفات کا لفظی بیان کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، بوقت بیع اس کی صفت موٹا ہونا، پتلا ہونا اسی طرح اس کا رنگ کالا ہونا، سرخ ہونا بیان کرنا لغو ہے یعنی اس بیان پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا البتہ جب چیز موجود نہ ہو اور پھر کوئی اس کی صفات بیان کرے تو ان صفات کا اعتبار ہوگا اور انہی کی بنیاد پر اسی شئی کا حکم متعین کیا جائے گا۔

### تفریعات

۱..... جہاں کسی شئی کی جنس کو بیان کیا جائے اور وصف اس سے مختلف ہو، ایک شخص اپنی نشست میں ایک گھوڑے کی طرف اشارہ کر کے یہ کہے کہ یہ سیاہ رنگ کا گھوڑا میں نے تمہارے ہاتھ فروخت کیا، اور وہ گھوڑا درحقیقت براؤن رنگ کا تھا یہ بیع صحیح ہوگی اور لازمی طریقہ پر نافذ ہوگی، اور یہ سیاہ یا براؤن کا وصف اس وقت لغو قرار پائے گا اس لیے کہ ہر دو

(۱) شرح المجلة: ص ۱۷۳

(۲) الهدایة: کتاب الأیمان، باب الیمین فی الدخول والسکنی، ج ۲ ص ۴۸۱: البحر الرائق:

کتاب الأیمان، باب الیمین فی الدخول والخروج، ج ۲ ص ۴۲۶

وصف کی حالت میں جنس (گھوڑا ہونا) ایک ہی ہے محض وصف کا اختلاف ہے اور وصف کا اختلاف جبکہ شئی کی جنس کی طرف اشارہ حسی کیا جائے قابل اعتبار نہیں ہوتا، کیونکہ موصوف کی ذات ہر حالت میں موجود ہوتی ہے اور وصف جو کہ ذات کے تابع ہے وہ موجود نہیں ہوتا (اور مقصود شئی کی ذات ہوتی ہے)

لیکن جس صورت میں کسی شئی کی جنس ہی مختلف ہو جائے مثلاً یہ کہے کہ میں نے یہ الماس کا پتھر تمہارے ہاتھ اتنی قیمت میں فروخت کیا اور مشتری قبول کر لے اس کے بعد معلوم ہوا کہ وہ کانچ کا ٹکڑا تھا تو اس حالت میں بیع باطل ہو جائے گی، کیونکہ جس شئی کی طرف اشارہ کیا تھا معلوم ہوا کہ وہ ایک دوسری جنس تھی، اس لیے یہاں اشارے کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ اس بیان کردہ جنس کا اعتبار ہوگا کیونکہ عقد (بیع) کا تعلق اس شئی سے ہوگا جس کا نام لیا گیا ہے اس سے نہ ہوگا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، چنانچہ جنس کے اختلاف کی صورت میں نام لینا اشارے کی نسبت سے زیادہ قوی ہوگا نام لینا حقیقت کا تعین کر دینا ہے:

مثال ما إذا ذكر الموصوف بجنسه واختلف الوصف لو قال بعثك هذا الفرس الأدهم وأشار إليه في المجلس، والحال هو أشهب، صح البيع ونفذ على وجه اللزوم ولغا ذكر الوصف لأن الأشهب والأدهم جنس واحد ليس بينهما إلا اختلاف الوصف فلا تأثير له مع وجود الإشارة الحسية للجنس، لأن ذات الموصوف موجود، والوصف غير موجود بل تابع للذات، فيلغو، ومثال ذكر الشيء بخلاف جنسه ما لو قال بعثك هذا الحجر من الالماس بكذا، وقبل المشتري ثم تبين أنه زجاج، فالبيع باطل لظهور أن المشار إليه من جنس آخر، فلا عبرة للإشارة حينئذ بل للجنس المسمى، إذا العقد يتعلق بما سماه لا بما أشار إليه، فبسبب اختلاف الجنس كانت التسمية في هذه الصورة أقوى من الإشارة،



لأن التسمية تعين الماهية۔ (۱)

۲..... عدلیہ کے سامنے ایک گاڑی کا جھگڑا لایا گیا، دونوں فریق موجود تھے اور گاڑی بھی سامنے تھی، مدعی نے کہا کہ یہ پیلی گاڑی میری ہے جبکہ کارنگ لال تھا، تو اب اس کا اشارہ جو گاڑی کی طرف ہے معتبر ہوگا اس کی صفت پیلی یا لال ہونا معتبر نہ ہوگا، اس لیے محض اس بناء پر کہ اس نے سامنے موجود گاڑی کارنگ غلط بتلایا ہے اس کا دعویٰ خارج نہ کیا جائے گا۔

۳..... زید نے بکر سے کہا کہ میں تمہیں اپنا وکیل بناتا ہوں اور تم میری طرف سے یہ سبز کپڑا خرید لو حالانکہ وہ کپڑا کالا تھا اور وکیل نے خرید لیا تو یہ خریداری صحیح ہوگی، اور یہاں بھی اعتبار اشارے کے ساتھ تعیین کا ہوگا بیان وصف کا اعتبار نہ ہوگا۔

۴..... بائع نے کہا اپنا یہ گھوڑا ایک ہزار درہم میں فروخت کرتا ہوں گھوڑا سامنے موجود تھا اور اشہب کی بجائے ادھم تھا، اور مشتری نے کہا میں نے خرید لیا تو یہ بیع صحیح ہو جائے گی چوں کہ گھوڑا سامنے موجود تھا جس کی بیع مقصود تھی اس لیے اس کو اشہب کہنا اور اس کا ادھم ہونا بے معنی ہوگا، ہاں اگر گھوڑا سامنے موجود نہ ہو تو اس کے وصف کا اعتبار ہوگا:

لو أراد البائع بيع فرس اشهب حاضر في المجلس وقال في إيجابه:

بعت هذا الفرس الأدهم وأشار إليه وقبل البائع صح البيع ولغا

وصف الأدهم۔ (۲)

## قاعدہ نمبر (۶۵)

السؤال معاد في الجواب۔ (۳)

کسی سوال کے جواب میں سوال کا اعادہ لازماً تسلیم کیا جائے گا۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۷۳، ۱۷۵

(۲) درر الحکام شرح مجلة الأحکام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۶۳

(۳) الأشباه والنظائر: القاعدة الحادية عشرة، ص ۱۵۰ / مجلة الأحکام العدلیة: ص ۲۳

## تشریح

اصولیین کا یہ قاعدہ کہ ”کسی سوال کے جواب میں سوال کا مضمون موجود ہوتا ہے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کلام کا اپنے ما قبل کلام کے لیے جواب ہونا متعین ہو گیا یہ جوابی کلام اسی سوال کے مطلب کی تصدیق سمجھا جائے گا، اس بنا پر کہ یہ جوابی کلام خود مستقل نہیں ہو سکتا یا کسی ایسے قرینہ کی بناء پر جو اس کلام کا سابق کلام کے جواب ہونے کو متعین کرتا ہے خواہ سوالی کلام طلب خیر ہو یا خود خبر دینے کے لیے ہو یا انشائی کلام ہو یعنی اسی سابق کلام کا اقرار و اعتراف ہوگا۔

## تفریعات

۱..... اگر زید نے حاکم کے سامنے یہ دعویٰ کیا کہ میرے عمرو پر فلاں شئی کی قیمت کے ایک ہزار درہم واجب ہیں وہ اس شخص سے دلوائے جائیں، اور حاکم نے عمرو سے دریافت کیا کہ کیا جس رقم کا یہ شخص دعویٰ کر رہا ہے یہ رقم تمہارے ذمہ ہے؟ اس شخص (عمرو) نے جواب میں کہا: ”ہاں“ تو یہ ہاں، کہنا اس بات کی تصدیق ہوگی کہ زید کا دعویٰ صحیح ہے تو یہ اس امر کی اطلاع دینا ہوگی کہ مدعی نے جو کچھ کہا ہے وہی بات ہے:

فلو ادعی زید امام القاضی بان لی علی عمرو هذا الف درہم ثمن

مبیع فأطلبها، فقال القاضی لعمرو هل لهذا علیک ما یدعیہ، فقال

نعم، یکون الجواب بنعم تصدیقا لما ادعاه فهو اخبار بجمیع ما

أنخبر به المدعی۔ (۱)

۲..... ایک شخص کے قبضہ میں غلام ہو اور دوسرا شخص اول شخص سے کہے کہ یہ غلام مجھے

اجرت پردے دو یا اس غلام سے جو آمدنی ہوتی ہے اس کا مجھے ٹھیکہ دے دو، اول شخص نے

اس سے کہا اچھا یا ہاں، تو یہ (اجرت پردے کا) اقرار ہوگا:

(۱) شرح المجلة: ص ۷۷

و لو ان رجلاً فی یدیه عبد فقال له رجل استأجره منی او ادفع الی

غلة عبدی، فقال الآخر نعم، كان ذلك اقراراً۔<sup>(۱)</sup>

۳..... ایک شخص نے اپنی زوجہ سے کہا تجھے طلاق ہے کسی نے اس سے سوال کیا، تم نے کیا کہا؟ اس شخص نے کہا میں نے اس کو طلاق دی ہے یا کہا میں نے یہ کہا کہ تجھے طلاق ہے تو یہ حکماً ایک طلاق ہوگی، اس لیے کہ اس کا یہ خبر دینا جبکہ اس سے خبر دینے کا مطالبہ کیا گیا اس امر کی طرف رجوع کر جاتا ہے کہ یہ اپنے پہلے عمل کی اطلاع دے رہا ہے، لہذا یہ کلام خبر دینے کی جانب لوٹایا جائے گا (کسی جدید طلاق کا انشاء وجود میں لانے والا تصور نہ کیا جائے گا):

وقد یكون الجواب من قبیل الإخبار تقریراً لما سبق من انشاء

کلام سابق فیتمحض اخباراً عنه لا انشاء، لما فی البدائع وغیره

من الطلاق: قال لامرأته انت طالق فقال له ما قلت؟ فقال طلقته،

او قال قلت هی طالق، فهی واحدٌ فی القضاء لأن کلامه انصرف

الی الإخبار بقرینة الاستخبار، فالکلام السابق معادٌ علی وجه

الإخبار عنه۔<sup>(۲)</sup>

۴..... ایک شخص نے اپنی زوجہ سے تین طلاق کی نیت کرتے ہوئے کہا ”تیرا کام

تیرے ہاتھ میں ہے“ عورت نے اپنے نفس کو تین طلاق دے دیں یا کہا میں نے اپنی ذات

کو طلاق دی یا میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا، اور عورت نے اپنے کلام میں تین کا لفظ

استعمال نہیں کیا تو اس وقت اس کو تین طلاقیں ہی ہوں گی اس لیے کہ عورت کا کلام مرد کی

تفویض طلاق کا جواب ہے (یہ اپنے اندر وہی کیفیت لیے ہوئے ہے جو شوہر کے کلام میں

موجود ہے):

(۱) شرح المجلة: ص ۱۷۷ فتاویٰ قاضیخان: کتاب الاقرار، فصل فیما یكون اقراراً، ج ۳ ص ۶۳

(۲) شرح المجلة: ص ۱۷۷

لو قال امرک بیدک ونوی الثلاث، فطلقت نفسها ثلاثاً، أو قالت  
طلقت نفسي أو اخترت نفسي ولم تذكر الثلاث، كان ثلاثاً لأنها  
جواب تفويض الثلاث فيكون ثلاثاً۔<sup>(۱)</sup>

۵..... اگر کسی شخص کو یہ اطلاع پہنچی کہ کسی فضولی (غیر مجاز شخص) نے اس کا کوئی مال  
فروخت کر دیا ہے اور اس شخص نے کہا میں راضی ہوں یا میں نے قبول کیا یا اس شخص سے کہا  
گیا کیا تم نے اس کی اجازت دی اور اس نے جواباً کہا اجازت دی یا کسی نے کہا مجھے  
اجازت دینے کا وکیل بنا دو، اس نے کہا میں نے وکیل بنایا اور وکیل نے اجازت دے دی،  
ان تمام صورتوں میں بیع جائز ہوگی کیونکہ دوسرا کلام جواب ہے اور جواب میں وہ بات ملحوظ  
ہوتی ہے جو سوال میں موجود ہو:

فلو بلغ احداً خبراً بأن فضولياً باع ماله فقال رضيت أو قبلت أو  
قبل له هل اجزت ذلك فقال اجزت، وأجرت أو قال له أحدٌ وكلني  
بالإجازة فقال وكلتك، فأجاز الوكيل صح البيع في الوجوه كلها  
لوقوعه جواباً والسؤال معادٌ في الجواب۔<sup>(۲)</sup>

## قاعدہ نمبر (۶۶)

لَا يُنْسَبُ إِلَى سَاكِتٍ قَوْلٌ لَكِنَّ السُّكُوتَ فِي مَعْرِضِ الْحَاجَةِ بَيَانٌ۔<sup>(۳)</sup>  
ساکت کی طرف کوئی قول منسوب نہیں کیا جاسکتا لیکن کلام کی ضرورت کے  
وقت سکوت بیان متصور ہوگا۔

تشریح

یہ قاعدہ دو فقروں پر مشتمل ہے اول یہ کہ شرع نے لوگوں کے معاملات کو ان کی ان

(۱) شرح المجلة: ص ۱۷۷ (۲) شرح المجلة: ص ۱۷۸

(۳) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۴، شرح القواعد الفقهية: القاعدة السادسة والستون، ص ۳۷

عبارتوں سے مربوط رکھا ہے جو ان کے مقاصد کی مظہر ہوتی ہوں، چنانچہ سکوت پر کسی قسم کا حکم مرتب نہیں ہوتا بلکہ احکام الفاظ پر مبنی ہوتے ہیں، اس لیے کہا ہے ”لا ینسب الی ساکت قول“ سکوت اختیار کرنے والے کی طرف کوئی قول منسوب نہ کیا جائے گا۔

دوسرا فقرہ بیان ضرورت کا ہے جو اول کے مقابلے میں ایک استثنائیہ درجہ رکھتا ہے چنانچہ ایک قاعدہ ہے جس کو اصول فقہ والے حضرات نے ذکر کیا ہے اور اس قاعدے میں ان حضرات نے سکوت کو کلام کا درجہ دیا ہے اور یہ اس مقام پر اختیار کیا جاتا ہے جہاں بیان کی ضرورت پیش آتی ہو اور اس کو بیان ضرورت کے نام سے موسوم کرتے ہیں یہ بیان کی اقسام میں سے ایک وہ قسم ہے جہاں سکوت کلام کا درجہ رکھتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... اگر ایک اجنبی شخص نے کسی دوسرے کا مال فروخت کیا اور صاحب مال کے سامنے اس کو مشتری کے سپرد کر دیا، صاحب مال دیکھتا رہا اور خاموش رہا، یا صاحب مال کو اس بیع کی اطلاع پہنچی اور اس نے سکوت اختیار کیا تو یہ صاحب مال کا سکوت بیع کی وکالت کی اجازت کی دلیل نہ ہوگا:

لو بآء اجنبی مال أحد فضولیا وسلمه للمشتري، وصاحب المال یشاهد البیع والتسليم وهو ساکت أو بلغه ذلك فسکت بلا یعد سکوتہ توکیلا بالبیع ولا اجازة۔<sup>(۲)</sup>

۲..... اگر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کے ایسے مکان میں سکونت اختیار کی جو کرایہ پر دینے کے لیے نہیں تھا اور مکان والا خاموش رہا تو یہ خاموشی مکان کو کرایہ پر دینے کی علامت نہ ہوگی، اور صاحب مکان کو کرایہ کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا:

ولو سكن داراً لأحد غیر معدة للايجار وصاحب الدار ساکت، لا یعد سکوتہ ايجاراً، فليس له حق فی طلب الأجرة۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۱۸۱ (۲) شرح المجلة: ص ۱۸۲ (۳) شرح المجلة: ص ۱۸۲

۳..... اگر ایک بیوی نے اپنے شوہر کے مکان سے ایسی اشیاء لے کر جو مرد یا مرد و عورت دونوں کے استعمال کی صلاحیت رکھتی تھیں چند سال تک استعمال کیں، اور شوہر سکوت اختیار کیے رہا تو یہ سکوت اس امر کی دلیل نہ ہوگا کہ یہ اشیاء شوہر کی طرف سے زوجہ کو ہبہ ہو گئیں یا یہ کہ زوجہ کی مملو کہ تھیں حتیٰ کہ اگر مرد نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ اشیاء اس کی اپنی ملکیت ہیں تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا کیونکہ صاحب قبضہ وہی ہے:

ولو اخذت ان زوجة من بيت زوجها شيئاً يصلح له اولهما واستعملت

سنوات، والزوج ساكت، لا يكون سكوت هبة منه او اقراراً بكونه

مالها حتى لو ادعى انه له فالقول قوله بيمينه لأنه صاحب اليد۔ (۱)

۴..... اگر ایک شخص نے دوسرے کا مال ضائع کر دیا اور مال کا مالک خاموشی سے دیکھتا رہا تو یہ سکوت مال کے ضائع کرنے کی اجازت نہ ہوگا بلکہ مالک کو ضمان لینے کا حق حاصل ہوگا:

ولو اتلف مال آخر وصاحب المال يشاهد وهو ساكت، لا يكون

سكوت ه اذنا بالاتلاف بل له ان يضمنه۔ (۲)

۵..... اگر حاکم نے کسی ایسے بچے یا پاگل کو جن کا کوئی ولی نہ تھا خرید و فروخت کرتے دیکھا اور سکوت اختیار کیا تو یہ سکوت ان کی بیع کی اجازت نہ ہوگا، کیونکہ حاکم کی اجازت حکم کے درجہ میں ہوتی ہے اور سکوت حکم نہیں ہوتا، بخلاف ان دونوں کے ولیوں کے:

ولو رأى القاضى صبياً او معتوها لا ولى لهما يبيع ويشترى

وسكت، لا يكون سكوت ه اذنا له بالتجارة لأن اذن القاضى حكم

والسكوت لا يكون حكماً بخلاف وليهما۔ (۳)

وہ صورتیں جن میں سکوت نطق شمار کیا جاتا ہے

۱..... عقد نکاح سے قبل اور بعد ولی کی طرف سے کنواری لڑکی سے اجازت طلب

(۱) شرح المجلة: ص ۱۸۲

(۲) شرح المجلة: ص ۱۸۲

(۳) شرح المجلة: ص ۱۸۲



کرنے پر اس کا خاموش رہنا یعنی ایسی صورت میں کنواری لڑکی کی خاموشی اس کی رضا سمجھی جاتی ہے، اگر پہلے سے کچھ قرآن ایسے موجود ہوں کہ لڑکی کی عدم رضامندی ظاہر ہو چکی ہو اور پھر ولی اجازت طلب کرے اور لڑکی خاموش رہے مگر چہرے کے تاثرات، کراہت اور ناپسندیدگی ظاہر کرتے ہوں تو یہ خاموشی رضامندی بن سکے گی۔

۲..... لڑکی کا مہر وصول کرتے وقت خاموش رہنا۔

۳..... لڑکی نے قسم کھائی کہ شادی نہ کرے گی اور اس کے والد نے اس کی شادی کر دی اور وہ خاموش رہی تو وہ حانت ہو جائے گی۔

۴..... متصدق علیہ کا سکوت قبول تصور ہوگا مگر موہوب لہ کا نہیں۔

۵..... موہوب لہ کے قبضہ لینے کے وقت یا متصدق علیہ کے قبضہ لیتے وقت مالک کا سکوت۔

۶..... وکیل کا سکوت بھی قبول ہوتا ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو انکار صحیح ہوگا۔

۷..... مقرر لہ کا سکوت قبول ہوگا اور تردید بھی صحیح ہوگی۔

۸..... مفوض لہ کا سکوت قبول ہوگا تفویض کے معاملہ میں اور اس کو رد کرنے کا بھی

اختیار ہوگا۔

۹..... موقوف علیہ بھی اسی طرح ہے مگر بعض لوگ اس سے اتفاق نہیں کرتے۔

۱۰..... بیع تلجیہ میں متباہین میں سے ایک کا سکوت جبکہ بیچنے والا کہے کہ میں اس کو صحیح

بیع بنانا چاہتا ہوں تو سکوت قبول کے مترادف ہوگا۔

۱۱..... غنیمت کا مال لینے والوں میں تقسیم کے وقت پرانے مالک کا سکوت بھی رضا

کہلاتا ہے۔

۱۲..... مشتری بالخیار نے جب دیکھا کہ اس کا غلام خرید و فروخت کر رہا ہے اور وہ

خاموش رہا تو خیار ختم ہو جائے گا۔

۱۳..... ایسے بائع کا سکوت جس کو جس بیع کا حق ہو جب اس نے دیکھا کہ مشتری بیع

پر قبضہ کر رہا ہے تو یہ قبضہ کرنا اجازت ہوگا خواہ بیع صحیح ہو یا فاسد۔

۱۴..... بیع کے علم کے بعد شفیع کا سکوت حق شفعہ کو ساکت کر دیتا ہے۔

۱۵..... کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کو اپنے گھر میں نہ ٹھہرائے گا مگر وہی شخص اس کے گھر

آ کر ٹھہر گیا تو مالک مکان حائث ہوگا، اگر مالک نے اس کو نکل جانے کا حکم دیا مگر وہ نہ مانا اور پھر مالک خاموش رہا تو حائث نہ ہوگا۔

۱۶..... عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس کا خاوند خاموش رہا اور مبارک باد دی تو اس

بچے کے باپ ہونے کا اقرار ہوگا۔

۱۷..... بیع سے قبل جبکہ مال میں عیب کی خبر دی گئی مشتری کا سکوت عیب پر رضامندی

شمار ہوگا بشرطیکہ خبر دینے والا عادل ہو فاسق نہ ہو۔

۱۸..... کنواری لڑکی کو خبر دی گئی کہ اس کا ولی اس کی شادی کر رہا ہے اور وہ خاموش

رہی تو رضا شمار نہ ہوگی (کیونکہ یہ خبر ہے مشورہ نہیں ہے) یعنی محض خبر ملنے پر خاموشی کو قانونی طور پر رضامندی کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ باقاعدہ نکاح کی اجازت طلب کرنے پر خاموشی کو رضامندی سمجھا جاتا ہے۔

۱۹..... کسی نے رشتہ دار کو دیکھا کہ زمین یا مکان بیچ رہا ہے اور مشتری نے اس میں

کچھ عرصہ تصرف بھی کیا اور وہ خاموش رہا تو اس کا دعویٰ ساقط ہو جائے گا۔

۲۰..... عاقل بچے کے ولی نے جب دیکھا کہ وہ خرید و فروخت کر رہا ہے اور خاموش

رہا تو یہ اجازت ہوگی۔

۲۱..... ماں نے باپ کے مال سے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے سامان بنایا اور باپ

خاموش رہا تو باپ اس مال کی واپسی کا مطالبہ نہ کر سکے گا۔

۲۲..... عام عادت کے مطابق ماں نے بیٹی کی شادی کے لیے سامان کی تیاری میں

کچھ خرچہ کیا اور باپ خاموش رہا تو ماں اس مال کی ذمہ دار نہ ہوگی۔<sup>(۱)</sup>

(۱) الأشباه والنظائر: القاعدة الثانية عشرة، ص ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳

## قاعدہ نمبر (۶۷)

دَلِيلُ الشَّيْءِ فِي الْأُمُورِ الْبَاطِنَةِ يَقُومُ مَقَامَهُ۔<sup>(۱)</sup>

باطنی امور میں ان کی ظاہری دلیل کو حقیقت کا قائم مقام تصور کیا جائے گا۔

تشریح

بہت سے شرعی احکام اپنی علتوں پر مبنی ہوتے ہیں اور ان علتوں کے ثبوت پر ہی ان احکام کا ثبوت مبنی ہوتا ہے، بعض مقامات پر یہ علتیں اتنی مخفی ہوتی ہیں کہ ان پر اطلاع پالینا بہت مشکل ہوتا ہے، لہذا ایسے مقامات پر شریعت نے ان علتوں کی علامات کو جو ان پر دلیل ہوتی ہوں علتوں کا قائم مقام قرار دیا ہے، اور ان علامات کے ثابت ہونے پر حکم کا ثابت ہونا تصور کر لیا ہے، گویا حقیقی علت وجود میں آگئی ہو۔

## تفریعات

۱..... بیع میں کسی عیب پر رضامندی کا اظہار حکم شرعی کی علت ہے وہ اس طرح کہ مشتری کا بائع پر واپسی کا اختیار باطل ہو جائے گا لیکن چونکہ رضامندی ایک پوشیدہ امر ہے اس لیے شریعت نے مشتری کا ایسا عمل جو رضامندی پر دلالت کرتا ہو، مثلاً خرید کردہ شے کی اصلاح شروع کر دینا یا کسی ضرورت کے لیے سوار ہو کر جانا (وغیرہ امور) رضامندی تصور کیا جائے گا اور واپسی کا اختیار ساقط ہو جائے گا:

فالرضی بالعیب مثلاً علةً لحکم شرعی وهو سقوط خيار المشتري  
فی رده علی بائعه الا ان الرضا لما كان أمراً باطناً لیس فی وسع  
البشر الاطلاع علیہ، جعل الشرع استعمال المشتري للمبیع من  
مداواة أو لبس أو رکوب لحاجته قائماً مقام الرضا المسقط للخيار۔<sup>(۲)</sup>

(۱) مجلۃ الأحکام العدلیۃ: ص ۲۳ / شرح القواعد الفقہیۃ: القاعدة السابعة والستون، ص ۳۳۵

(۲) شرح المجلۃ: ص ۱۸۵

۲..... اسی قاعدے پر قصاص کا حکم شرعی بھی مبنی ہے، قصاص کی حقیقی علت قاتل کے قتل کا قصد و ارادہ ہے لیکن یہ ایک باطنی امر ہے اس لیے شریعت نے قتل کے آلہ کو عمد کی دلیل قرار دیا ہے، چنانچہ جب کسی آلہ جارحہ سے جو جسم کے اعضاء کو متفرق کرنے والا ہو قتل کیا گیا ہوگا تو یہ قتل عمد کی دلیل ہوگا، چنانچہ اس دلیل کو شریعت نے حقیقی علت کے قائم مقام فرما دیا ہے اس کو فقہاء کی اصطلاح میں قیاس بالعلت کہا جاتا ہے، گویا علت کی دلیل سے معلول کے وجود پر استدلال کر لیا جاتا ہے:

وعلى هذا القصاص، فإنه حكم شرعى علتہ تعمد القاتل غير ان  
التعمد لما كان خفياً، جعل الشرع استعمال القاتل الآلة الجارحة  
المفرقة لأجزاء دليلاً على التعمد، فأقام دليل العلة مقام العلة فى  
اثبات المعلول۔<sup>(۱)</sup>

۳..... طلب شفعہ میں یہ شرط ہے کہ بیع کا علم ہوتے ہی فوراً شفعہ کا مطالبہ کر دیا جائے اس کو طلب مواثبہ کہتے ہیں، جس کی دلیل یہ قول ہے ”الشفعة لمن واثبها“ یعنی شفعہ فوری مطالبہ کرنے پر ہوگا، لہذا اگر شفعہ کو بیع کی اطلاع ملی اور وہ خاموش رہا مطالبہ نہ کیا تو اس سکوت سے اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا بشرطیکہ کوئی عذر موجود نہ ہو، درحقیقت شفعہ کے حق کو جو امر باطل کرتا ہے وہ شفعہ کے اعراض کا عمل ہوتا ہے چوں کہ یہ عمل ایک باطنی امر ہے اس لیے سکوت کو اس کی دلیل قرار دے کر اس کا اعتبار کر لیا گیا ہے:

يشترط فى طلب الشفعة ان يكون على فور العلم بالبيع وهو  
المسمى طلب المواثبة، من قوله صلى الله عليه وسلم الشفعة لمن  
واثبها فلو بلغه الخبر فسكت عن الطلب مع القدرة عليه، بطل  
حق الشفعة فالمبطل فى الحقيقة هو الاعراض عنها، لكن جعل

(۱) شرح المجلة: ص ۱۸۲

السكوت دليلاً عليه لأن الاعراض خفي لا يطلع عليه۔ (۱) (۲)

۴..... ایک شخص نے بغیر دیکھے ہوئے کوئی چیز خریدی اس کو دیکھنے کے بعد اختیار ہوتا ہے کہ قیمت دے کر لے لے یا واپس کر دے لیکن اگر اس شخص نے اس بے دیکھے چیز میں کوئی ایسا تصرف کیا جو مالک اپنی مملوکہ شئی میں کیا کرتا ہے تو اب اس شخص کا اختیار رویت باطل ہو جائے گا کیونکہ اس کا یہ تصرف رضا مندی کی دلیل ہوگا:

ومنها: ان من اشترى ما لم يره فله خيار الروية اذ رآه، لكن اذا

تصرف في المبيع تصرف الملاك سقط خياره، جعل تصرفه دليل

الرضا۔ (۳)

۵..... ایک شخص نے اپنی زوجہ سے کہا اگر تو مجھ سے قلبی محبت کرتی ہے تو تجھے طلاق ہے، زوجہ نے جواباً کہا مجھے تجھ سے قلبی محبت ہے حالانکہ زوجہ کے قلب میں اس کے خلاف کیفیت موجود تھی تو امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک عورت کو طلاق ہو جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت اور نفرت یہ باطنی امور ہیں ان کی حقیقت کا علم عورت ہی کی جانب سے ہو سکتا ہے، اس لیے طلاق کا تعلق عورت کے کلام سے ہوگا حقیقت پر مبنی نہ ہوگا اب عورت کا اطلاعی کلام موجود ہے (جو طلاق کا موجب ہے):

ومنها قال لزوجته ان كنت تحبينني بقلبك فانت طالق، فقالت

احبك بقلبي وفي قلبها غير ذلك يقع الطلاق عند ابي حنيفة رحمه

الله و ابي يوسف رحمه الله وجهه ان المحبة والكره لهما كانا من

(۱) شرح المجلة: ص ۱۸۱

(۲) نوٹ: "الشفعة لمن واثبها" یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے، بلکہ امام معمر رحمہ اللہ کا قول ہے، (دیکھئے: مصنف عبدالرزاق: کتاب البيوع، باب الشفيع ياذن قبل البيع، ج ۸ ص ۸۳، رقم الحديث: ۱۲۳۰۶) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ روایت مجھے نہیں ملی۔ (الدرایة: کتاب الشفعة، ج ۲ ص ۲۰۳، رقم: ۸۹۳) علامہ عینی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے۔ (البنایة: کتاب الشفعة، باب طلب الشفعة والخصومة فيها، ج ۱ ص ۳۰۰) امام محمد رحمہ اللہ نے اس قول کی نسبت قاضی شریع رحمہ اللہ کی طرف کی ہے۔ (الحجة على اهل المدينة: کتاب الشفعة، باب الرجل يشترى شقصا من دار فيها شفعة، ج ۲ ص ۹۳)

(۳) شرح المجلة: ص ۱۸۷

الأمر الباطنة لا يوقف عليها إلا من جهتها، تعلق الطلاق بنفس  
الاعتراف عنها دون الحقيقة، وقد وجد۔<sup>(۱)</sup>

۶..... ایک شخص کی بیوی کا بچہ پیدا ہوا، اس کے شوہر کو لوگوں نے ولادت کی مبارک  
باد دی جس کو شوہر نے قبول کیا یا خاموش رہا یا ولادت کی ضروریات مہیا کر دیں، پھر اس کے  
بعد اپنی ذات سے بچے کی نفی کی تو یہ انکار صحیح نہ ہوگا اس لیے کہ اس کے سابقہ افعال و حالات  
سے اس کا اپنا بچہ ہونے کا اعتراف ہو چکا:

ومنها لو وضعت زوجته ولدًا فهنؤه فقبل التهنئة أو سكت أو ابتاع  
آلة الولادة ثم بعد ذلك نفى سببه لا يصح نفيه لأن هذه الحالة  
دليل الاعتراف فقامت مقامه۔<sup>(۲)</sup>

## قاعدہ نمبر (۶۸)

الکتابُ كَالْخِطَابِ۔<sup>(۳)</sup>  
تحریر خطاب کا درجہ رکھتی ہے۔

## تشریح

خط و کتابت کے ذریعے طے کی گئی بات ایسی سمجھی جائے گی جیسے آمنے سامنے بیٹھ کر  
طے کی گئی ہو، انسانی زندگی کے تمام امور آمنے سامنے بیٹھ کر طے کرنا دشوار ہوتا ہے اس لیے  
بے شمار معاملات بذریعہ خط و کتابت نمٹا دیے جاتے ہیں، اگر اس خط و کتابت کو قانونی  
حیثیت نہ دی جائے تو زندگی جمود کا شکار ہو جائے گی۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ خط و کتابت باقاعدہ ناموں کے ساتھ کی جائے، مضمون واضح  
اور پڑھے جانے کے قابل ہو اور حتی الامکان جعل سازی کے امکانات کا انسداد کر دیا گیا ہو

(۱) شرح المجلة: ص ۱۸۹ (۲) شرح المجلة: ص ۱۸۹  
(۳) الأشباه والنظائر: أحكام الكتابة، ص ۳۳۳ / الهدایة: کتاب البيوع، ج ۳ ص ۲۰



جس طرح کہ دفاتر، کمپنیاں، یا افراد باقاعدہ مطبوع لیٹر پیڈ پر خط و کتابت کرتے ہیں اور ان خطوط پر دستخط اور مہریں لگائیں جاتی ہیں۔

## فائدہ

البتہ عقد نکاح کی صورت میں اتنا اضافہ کرنا ہوگا کہ مکتوب کے پڑھنے کے وقت قبول کرنے کے لیے دو شاہدوں کا موجود ہونا ضروری ہوگا، اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایک مرد عورت کو خطاب کرتے ہوئے لکھے اور عورت کو جب یہ تحریر پہنچے تو وہ شاہدوں کو حاضر کر کے ان کے سامنے اس تحریر کر پڑھتے ہوئے کہے کہ میں نے اپنے نفس کو اس شخص (تحریر کنندہ) کی زوجیت میں دے دیا یا اپنی ذات کا اس سے نکاح کر دیا، لیکن اگر عورت نے شاہدوں کے روبرو محض اپنے قبول کی عبارت ادا کر دی کہ میں نے اپنی ذات کو اس کی زوجیت میں دیا تو اس صورت میں نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ شاہدین کے سامنے ایجاب و قبول دونوں کلاموں کا موجود ہونا نکاح میں شرط ہے، چنانچہ مرد کی تحریر کو عورت کا پڑھ کر شاہدین کو سنانا اور پھر اپنا قبولی کلام ادا کرنے سے دونوں حصے ایجاب و قبول ادا ہو جاتے ہیں اور اگر شوہر بننے والا شخص تحریر لکھ کر اس پر مہر لگا کر شاہدین کو یہ کہہ کر حوالے کرے کہ میری یہ تحریر فلاں عورت کی جانب لکھی ہوئی ہے تم اس پر گواہ رہنا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ صورت جائز نہ ہوگی، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس کو بھی جائز کہا ہے ان کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ تحریر میں لکھا ہوا مضمون شاہدوں کے علم میں لایا جائے۔<sup>(۱)</sup>

## تفریحات

..... ایک شخص نے بغداد سے ایک دمشق شخص کو خط لکھا کہ میں نے دمشق میں اپنا فلاں مکان فلاں محلے میں جس کی یہ حدود ہیں اتنی قیمت پر تمہارے ہاتھ فروخت کیا، اور دوسرے نے اس کے جواب میں تحریر کیا کہ میں نے وہ مذکورہ مکان تم سے خرید لیا تو بیچ اسی

(۱) شرح المجلة: ص ۱۹۰ فتح القدير: كتاب البيوع: ج ۶ ص ۲۵۴

طرح منعقد ہو جائے گی جس طرح بالمشافہ کلام سے منعقد ہو جاتی ہے:

لو كان رجل في بغداد فكتب الى آخر في دمشق بعتك داري  
الكائنة في دمشق التي هي في محلة كذا والمحدودة بكذا وكذا  
والمرقومة بنمر وكذا بمبلغ كذا فكتب اليه الآخر اشتريت منك  
الدار المذكورة ينعقد البيع بينهما كالمشافهة۔<sup>(۱)</sup>

۲..... کسی اقرار نامہ کی تحریر کا حکم اقرار کے درجہ میں بحکم شریعت متصور ہوگا کیونکہ اقرار جس طرح زبان سے کیا جاتا ہے اسی طرح ہاتھ کی انگلیوں سے بھی انجام پاتا ہے چنانچہ اگر ایک شخص نے وثائق نویس سے کہا میرے ذمہ فلاں شخص کے ایک ہزار روپیہ قرض ہونے کا اقرار نامہ میری جانب سے تحریر کر دو یا بیع نامہ یا طلاق نامہ تحریر کر دو تو یہ اقرار کے لیے کافی ہوگا، البتہ حدود اور قصاص کے معاملے میں جائز نہ ہوگا:

الأمر بكتابة الاقرار اقرار حکما فانه كما يكون باللسان يكون  
بالبنان، فلو قال للصكاك اكتب خط اقرارى بألف علىّ او اكتب  
بيع داري او طلاق امراتى صح، كتب أم لم يكتب، وحل للصكاك  
ان يشهد، الا في حد وقود۔<sup>(۲)</sup>

۳..... ایک شخص نے تحریر لکھ کر شاہدوں کو پڑھ کر سنائی یا کسی دوسرے شخص کو سنائی اور ان سے کہا کہ اس تحریر کے مطابق تم لوگ میرے اوپر گواہ رہنا یا شاہدوں کے سامنے تحریر لکھ کر یہی الفاظ کہے اور شاہدوں کو تحریر کے مضمون کا علم ہو گیا تو یہ اقرار صحیح ہوگا، البتہ اگر علم نہ ہو سکا تو اقرار صحیح نہ ہوگا:

كتب وقرا عند الشهود مطلقاً أو قرأ غيره وقال الكاتب اشهدوا  
علىّ به أو كتبه عندهم وقال اشهدوا علىّ بما فيه و علموا به كان  
اقرار، والا فلا۔<sup>(۳)</sup>

(۲) شرح المجلة: ص ۱۹۰

(۱) شرح المجلة: ص ۱۹۰

(۳) شرح المجلة: ص ۱۹۰

## قاعدہ نمبر (۶۹)

الْإِشَارَاتُ الْمَعَهُودَةُ لِلْآخِرَسِ كَالْبَيَانِ بِاللِّسَانِ - (۱)

گونگے کے اشارے کا مفہوم زبان سے بیان کے درجے میں ہوگا۔

تشریح

یعنی گونگے کی ابرویا آنکھ یا ہاتھ کا معین اشارہ اس کی گفتگو کے درجہ میں متصور ہوگا چنانچہ نکاح، طلاق، اعتاق، بیع، شراء، رہن، ہبہ، ابراء، (یعنی بری الذمہ کر دینا) اقرار، یمین، دعویٰ کا انکار، وصیت، وغیرہ تمام عقود کے احکام اس پر مرتب ہوں گے، فتح القدر میں ہے کہ (ان پر احکام کا مرتب ہونا) استحسان بالضرورة کہلاتا ہے کیونکہ اگر ان کا اعتبار نہ کیا جائے تو پھر ایک گونگا آدمی بھوک پیاس سے مرجائے گا اور اس کے جسم کی ستر پوشی کے لیے کوئی صورت ممکن نہ ہو سکے گی، نیز ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت نے عبادات میں اس کے اشاروں کو معتبر تصور کیا ہے، چنانچہ نماز میں جب وہ اپنے ہونٹوں کو قراءت کے لیے قراءت کے طریقہ پر حرکت دے گا تو اس کے نماز صحیح ہوگی، لہذا اسی طرح معاملات میں اس کے اشارے قابل اعتبار ہوں گے۔

علامہ زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کلام پر قادر ہو بعض مواقع میں اس کا اشارہ بھی بیان کا درجہ رکھتا ہے تو پھر جو شخص قادر ہی نہ ہو اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ غور فرمائیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام فصحاء عرب سے زیادہ فصیح تھے لیکن باوجود آپ نے مہینے کے (ایام کی تعداد بتانے کے لیے دست مبارک سے) اشارہ فرما کر ہم کو بتایا ”ہكذا و هكذا“ یعنی اس طرح اور اس طرح، اس کے ماسوی جب ایک شخص غائب ہو تو خطاب سے عاجز ہونے کی بناء پر اس کی تحریر خطاب کے درجہ میں متصور ہوتی ہے، تو ایک گونگا اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کے اشاروں کو وہ درجہ دیا جائے جو اس کے کلام کا ہو

(۱) مجلة الأحكام العدلیة: ص ۲۴ / شرح القواعد الفقہیة: القاعدة التاسعة والستون، ص ۲۵۱

کیونکہ اس کا عجز غائب کے مقابلے میں زیادہ واضح ہے، اور بظاہر اس کی ذات کے لیے ایک لازمی امر ہو چکا ہے کیونکہ غائب شخص حاضر ہونے پر قدرت رکھتا ہے بلکہ اس کا حاضر ہو جانا زائد محتمل ہوتا ہے کیونکہ جو شخص سفر میں ہو اور وطن سے غائب ہو اس کے متعلق غالب خیال یہی ہوتا ہے کہ واپس آ جائے گا، لیکن ایک گونگے سے اس کے گونگے پن کے منقطع ہونے کی امید نہیں ہوا کرتی تو جب ایک غائب کی تحریر ثبوت حکم کے لیے قبول کر لی جاتی ہے باوجودیکہ اس کے حاضر ہو جانے کی امید ہوتی ہے تو گونگا شخص جس کی گویائی کی کوئی امید نہیں اس حکم کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ وہ گویائی کی قوت ہی نہیں رکھتا اور اس کی ظاہری حالت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ گونگا پن اس کے لیے ابدی ہو چکا۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گونگے کے جس اشارے سے طلاق واقع ہوگی اس سے وہ اشارہ مقصود ہے جس کے ہمراہ آواز نکالنا بھی شامل ہو کیونکہ گونگے شخص کی یہ عادت ہوتی ہے کہ اشارے کے ساتھ آواز بھی نکالتا ہے۔

چنانچہ عدالت کے خیال میں اگر گونگے کے اشارے کا مطلب واضح نہ ہو سکے تو ایسی حالت میں عدالت پر لازم ہوگا کہ وہ اس کے واقف کار ساتھیوں سے یا اس کے ہمسایوں و اقرباء سے (اشارے کے مطلب کا تعین کرے) اور یہ بھی لازم ہوگا کہ مطلب بیان کرنے والا شخص عادل ہو کیونکہ فاسق کا قول قابل قبول نہیں ہوا کرتا۔

گونگے سے یہاں وہ گونگا مراد ہے جو پیدائشی طور پر ایسا ہو لیکن وہ شخص جو کسی وقتی عوارض کی بناء پر ہو تو ایسا شخص مراد نہ ہوگا، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں قسموں کے گونگے کا حکم ایک ہی ہے۔ علامہ زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک فرق کی وجہ یہ ہے کہ اشارہ عبارت کے اس وقت قائم مقام ہوگا جبکہ معین ہو اور یہ امر پیدائشی گونگے میں موجود ہوتا ہے البتہ اگر یہ مرض مستقل ہو گیا جس کے بعد صحت کی کوئی امید باقی نہ رہی تو پھر اس کا معین اشارہ پیدائشی گونگے کی طرح قابل اعتبار ہوگا:

لأن الإشارة تكون بياناً من القادر أي في بعض المواضع، فما ظنك

من العاجز؟ الا ترى ان النبي صلى الله عليه وسلم كان أفصح العرب ومع هذا أنبأ بالاشارة بقوله الشهر هكذا ولأن الكتاب من الغائب إذا كان كالخطاب للعجز فحق الأخرس أولى، لأن عجزه أظهر و'نزم عادة لأن الغائب يقدر على الحضور، بل يحضر ظاهراً لأن الظاهر من حال الغائب الحضور، والظاهر من حال الأخرس عدم زوال خرسه، فلما قبل الكتاب في حق الغائب في ثبوت الحكم مع رجاء الحضور، فلأن يقبل في حق الأخرس مع اليأس عن زوال الخرس أولى، والأخرس لا يقدر على النطق، والظاهر بقاءه على الدوام- قال في الفتح: ولا يخفى أن المراد من الاشارة التي يقع بها طلاقه الاشارة المقرونة بتصويت منه لأن العادة منه ذلك، فكانت الاشارة بياناً لما أجمله الأخرس- (۱)

## قاعده نمبر (۷۰)

يُقْبَلُ قَوْلُ الْمُتَرْجِمِ مُطْلَقًا- (۲)  
مترجم کا قول مطلقاً قابل قبول ہوگا۔

تشریح

مترجم اس شخص کو کہتے ہیں جو ایک زبان کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں کرے، اس کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے کہ فریقین (مدعی اور مدعی علیہ) یا شاہدین میں سے عدالت کسی کی زبان نہ سمجھتی ہو ایسی حالت میں ایک ایسا شخص مقرر کیا جاتا ہے جس کے واسطے سے

(۱) شرح المجلة: ص ۱۹۴ / تبیین الحقائق: کتاب الخنثی، ایماء الأخرس و کتابتہ، ج ۶ ص ۲۱۸ / فتح القدير: کتاب الطلاق، باب طلاق السنة، فصل: ويقع طلاق كل زوج اذا كان عاقلاً بالغاً، ج ۳ ص ۳۹۲

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ۲۳ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة السبعون ص ۲۵۴

عدالت ان کی بات کو سمجھ سکے۔

قاعدے میں مطلقاً کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کا یہ معنی ہے کہ جتنے عقود یا دعاوی یا دین یا اقرار، براءت، حلف یا انکار وغیرہ کے معاملات ہوں (ان سب میں) یہ قاعدہ جاری ہوگا حتیٰ کہ حدود اور قصاص میں بھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ مترجم جس کی عبارت کا ترجمہ کرتا ہے اس کی عبارت کا ناقل ہوا کرتا ہے، مترجم کی عبارت اصل کی عبارت کا بدل نہیں ہوا کرتی تاکہ اس میں بدلیت کا شبہ قائم ہو سکے اور اس وجہ سے حدود و قصاص میں قبول نہ کی جائے۔ اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مترجم صرف ایک عادل فرد ہوتا ہے تو کیا محض ایک عادل شخص کا قول قابل اعتبار ہو جائے گا؟ یا یہ کہ مترجم کے لیے شہادت کے نصاب کی ضرورت ہوگی امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک محض ایک فرد کافی ہوگا اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک نصاب شہادت کا ہونا ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup>

فائدہ

مترجم مقرر کرنے کا سلسلہ (زمانہ جاہلیت اور اسلام) دونوں میں ثابت رہا ہے جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک یہودی مترجم نے ترجمہ کرنے میں خیانت کی، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع فرمائی، تو آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بعد سے مترجم کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے:

اتخاذ المترجم وقع في الجاهلية والاسلام، ولما جاء سلمان للنبي صلي الله عليه وسلم ترجم يهودي كلامه فخان فيه، فنزل جبرئيل عليه السلام بحديث طويل و امر رسول الله صلي الله عليه وسلم زيد بن ثابت رضي الله عنه ان يتعلم العبرانية، فكان يترجم بها۔<sup>(۲)</sup>

(۲) شرح المجلة: ص ۱۹۹

(۱) شرح المجلة: ص ۱۹۹



## وہ مسائل جن میں مترجم کا قول معتبر ہوگا

قاضی کے سامنے ایک عادل شخص کسی قیدی کے متعلق یہ اطلاع دے کہ یہ شخص مفلس ہے یا جس شخص کو شاہدوں کی عدالت کی تحقیق کے لیے مقرر کیا گیا ہے اس کے متعلق خفیہ تحقیقات کرنے والا فرد قاضی کو شاہد کے متعلق کوئی اطلاع دے یا حج کا احرام منعقد کرنے والے کے شکار کے کفارے میں ایک شخص اس کی قیمت کا اندازہ بیان کر کے اطلاع دے یا کسی قسم کی دیت کے اندازے کی اطلاع دے یا آقا اپنے غلام کو کسی جرم کی یا شفیع بیع کی یا کنواری عورت اپنے نکاح کی یا ایک ایسا مسلم جو دار کفر میں اسلام لایا ہو اور دار کفر میں ہی مقیم ہو اسلام کے احکام بیان کرے یا کسی شئی کی خریداری کا خواہش مند اس شئی میں کسی عیب کے ہونے کی اطلاع دے اور پھر اس شئی کو خرید لے، اس سے اس کا خیار عیب ساقط ہو جائے گا اور اگر بائع و مشتری میں اس عیب کے ثبوت میں اختلاف ہو تو ایک عادل شخص کا یہ اطلاع دینا کہ اس کو تجارت سے منع کر دیا گیا ہے یا ایک شریک کو اس کی شرکت کے فسخ کی اطلاع دی جائے یا حاکم کے معزول ہونے کی حاکم کو اطلاع دی جائے ان تمام مسائل میں مترجم کا قول معتبر ہوگا:

منہا اخبار العدل القاضی بافلاس المحبوس، وفي تزكية السر  
ورسول القاضی الی المزکی، وتقویم الصيد الذی اتلفه المحرم،  
وتقویم الارش فی نحو الشجاع، واخبار السید بجناية عبده، فلو  
باعه كان مختاراً للغداء، واخبار الشفیع بالبیع، والبکر بالنکاح  
والمسلم الذی لم یهاجر بالشرائع، والاخبار بعیب لمیرید شراء  
فلیس له الخیار إذا اشتراه ولو اختلفا فی ثبوتہ یکتفی فی اثباتہ  
بقول الواحد العدل، وحجر مآذون، وفسخ شركة، وعزل قاض،

وقول المترجم هنا۔<sup>(۱)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۱۹۹

## قاعدہ نمبر (۱۷)

لَا عِبْرَةَ بِالظَّنِّ الْبَيِّنِ خَطْوَةٌ- (۱)  
اس شبہ کا اعتبار نہ ہوگا جس کی بنیاد غلطی پر ہو۔

### تشریح

اس قاعدے کے تحت جو جزئیات داخل ہوتی ہیں وہ مختلف الانواع ہیں، کیونکہ قاعدے کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ جس ظن (گمان) کا خطا ہونا واضح ہو گیا ہو اس ظن کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اس مفہوم میں اجتہادی مسائل، عدالتی احکام اور لوگوں کے درمیان ان کے اپنے معاملاتی عقود و عبادات و اقرار کا پورا سلسلہ داخل ہو جاتا ہے، اور اب اس طرح تمام امور میں نفس الامر کا اعتبار کیا جانا معتبر ہوگا نہ کہ ایسے ظن کا جس کی خطا واضح ہو چکی ہو کیونکہ جس امر کی بنیاد ایسے ظن پر ہوگی وہ اس دفعہ کے اعتبار سے قابل اعتبار نہ ہوگا، مثلاً ایک شخص نے اپنی زوجہ سے کہا اگر زید مکان میں ہو تو تجھے تین طلاق، پھر اس گمان کے پیش نظر کہ زید مکان میں نہیں ہے زوجہ کو اپنے ہمراہ لے کر چلا گیا، دوسرے دن معلوم ہوا کہ زید مکان میں موجود تھا تو اس کی زوجہ اس وقت سے مطلقہ ہوگی جس وقت اس نے یہ کلمات ادا کیے ہوں گے نہ کہ اس وقت جبکہ یہ امر ظاہر ہوگا اور عورت کی (طلاق کی) عدت اس وقت سے شروع ہو جانا متصور ہوگی نہ کہ اظہار واقعہ کے وقت سے، چنانچہ مذکور مسئلے میں اس شخص کے ظن کا کوئی اعتبار نہ ہوگا بلکہ نفس الامر کا اعتبار ہوگا۔

### تفریحات

۱..... ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو اپنے مدیون (مقروض) سے اپنا دین وصول

(۱) الأشباه والنظائر: القاعدة السابعة عشرة، ص ۱۵۸ حاشیة الطحاوی علی مراقی الفلاح:

کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ویوجب القضاء، ص ۶۷۶

کرنے کا وکیل مقرر کیا، اس کے بعد مؤکل نے اس وکیل کے علم میں بغیر لائے ہوئے اپنے مدیون سے دین معاف کر دیا اور وکیل مدیون سے وصول کر چکا تھا اور اب یہ وصول کردہ دین وکیل کے پاس ضائع ہو گیا تو اس کا مؤکل ضامن ہوگا، وکیل ضامن نہ ہوگا اور مدیون کو مؤکل سے رجوع کرنے کا حق ہوگا وکیل سے نہ ہوگا کیونکہ اعتبار نفس الامر کا ہوتا ہے نہ کہ اس ظن کا جس کا خطا ہونا ظاہر ہو گیا ہو:

وكله بقبض دين له على رجل، فوهب الموكل المال للمديون  
والوكيل لا يعلم فقبض من المديون فهلك في يده، يرجع  
المديون على الموكل لأن العبرة لما في نفس الأمر لا لخطأ  
الظن۔ (۱)

۲..... اگر ایک عورت نے کسی مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا اور مرد نے اس کے دعویٰ سے انکار کر دیا اور مال دے کر عورت سے صلح کرنی چاہی تو یہ صلح جائز نہ ہوگی، اگر صلح کا مال ادا کیا گیا ہو تو مرد کو یہ مال واپس کر دیا جائے گا، اس لیے کہ یہاں دو صورتیں پیش آتی ہیں۔ اول یہ کہ نکاح کو ثابت تصور کیا جائے، دوم یہ کہ ثابت نہ تصور کیا جائے، اگر نکاح کو ثابت تصور نہ کیا جائے تو مرد کا مال عورت کو بطور رشوت دینا متصور ہوگا، اور اگر نکاح ثابت تصور کیا جائے تو اس صلح کو یہ تصور نہ کیا جائے گا کہ یہ مرد کی جانب سے علیحدگی (طلاق) ہے کیونکہ تفریق کے لیے عورت کی جانب سے مال دیا جاتا ہے (جس کو خلع کہتے ہیں) مرد کی جانب سے نہیں دیا جاتا، لہذا جو مال مرد کی جانب سے دیا گیا ہوگا وہ کسی شئی کا معاوضہ نہیں قرار پائے گا اس لیے یہ ایک ایسا گمان ہوگا جو خطا پر مبنی ہوگا:

كذلك لو ادعت على رجل نكاحاً فانكر فصالحها على مال بذله  
لها، لا يجوز ويستردده لأنه لا يخلوا: اما ان يكون النكاح ثابتاً  
اولاً فان لم يكن ثابتاً كان دفع المال اليها من الرجل في معنى

(۱) شرح المجلة: ص ۲۰۱

الرشوة، وان كان ثابتاً لا تثبت الفرقة بهذا الصلح لأن العوض في  
الفرقة تعطيه المرأة لا الزوج، فلا يكون المال الذي تأخذه  
المرأة عوضاً عن شيء، فلا يجوز فهو ظن بني علي الخطأ۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اگر ایک شخص نے دوسرے پر ایک ہزار روپے کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے اس  
دعویٰ سے انکار کرتے ہوئے ایک سو روپیہ کے بالعوض اس شرط پر صلح کی یہ اول (مدعی) کے  
حق میں ایک ہزار کا اقرار کر لے گا، تو یہ صلح اس شخص کی باطل ہوگی کیونکہ مدعی یا تو اپنے دعویٰ  
میں صادق ہوگا یا کاذب ہوگا اگر وہ صادق ہے تب تو مدعی علیہ پر ایک ہزار روپیہ کا ادا کرنا  
لازم ہے اور اس پر سو روپیہ کا لینا رشوت قرار پایا جو کہ حرام ہے، اور اگر مدعی کاذب ہے تو  
مدعی علیہ کا ایک ہزار روپیہ کا اقرار کر لینا ایک ابتدائی معاملہ ہوگا اور یہ بھی جائز نہ ہوگا:

كذلك لو ادعى على انسان ألفاً وانكر المدعى عليه فصالحه على  
مائة درهم على أن يقر له بالألف، فهو باطل لأن المدعى لا يخلو:  
أما يكون صادقاً في دعواه الألف وأما أن يكون كاذباً فإن كان  
صادقاً فالألف واجبة على المدعى عليه، ويكون أخذ العوض عليه  
في معنى الرشوة وأنه حرام، وان كان كاذباً في دعواه فأقرار  
المدعى عليه بالألف التزام المال ابتداءً وأنه لا يجوز۔<sup>(۲)</sup>

۴..... جب مدعی، مدعی علیہ سے یہ کہے کہ اگر تم قسم کھا لو گے تو جس حق کا میں نے تم پر  
دعویٰ کیا ہے اس سے تم بری الذمہ ہو گے (یعنی میری طرف سے وہ تم کو معاف ہوگا) اس  
کے بعد مدعی نے اپنے حق پر شہادت پیش کر دی تو یہ شہادت مقبول ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے  
کہ مذکورہ براءت میں دو احتمال قائم ہیں اول یہ کہ مال کے حق دعویٰ سے براءت مقصود ہو،  
دوم یہ کہ اس مال ہی سے براءت مقصود ہو، لہذا ان دو احتمالوں کی وجہ سے معاملے میں شک پیدا  
ہو گیا اور شک کی حالت براءت کا سبب نہیں ہو سکتی (یعنی براءت کے ظن کا کوئی اعتبار نہ ہوگا):

(۲) شرح المجلة: ص ۲۰۲

(۱) شرح المجلة: ص ۲۰۲

كذلك لو قال المدعى للمدعى عليه: احلف وانت برئ من هذا الحق الذى ادعته او انت برئ من هذا الحق ثم اقام البينة قبلت بينته لأن قوله انت برئ يحتمل البراءة للحال أى برئ عن دعواه وخصومته للحال، ويحتمل البراءة عن الحق فلا يجعل ابراء عن الحق بالشك أى فلا عبرة لظن، ان هذا الابراء صحيح۔<sup>(۱)</sup>

۵..... ایک شخص نے قسم کھائی (اس گلاس کا پانی نہ پیئے گا) اور گلاس میں پانی موجود نہ تھا اس صورت میں اگر قسم کھانے والے کو یہ معلوم نہ تھا تو ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک اس کی قسم منعقد نہ ہوگی کیونکہ قسم کے منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ جس امر پر قسم کھائی جا رہی ہو وہ موجود ہو اور اس صورت میں گلاس میں پانی موجود ہی نہیں ہے اور اسی پر قسم کھائی گئی تھی بلکہ اس کا وجود بھی اب محال ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ اس گلاس میں پانی پیدا فرمادے لیکن یہ پانی وہ نہ ہوگا جو اس شخص کے قسم کھانے کے وقت موجود ہوتا، لہذا یہاں نفس الامر کا اعتبار ہوگا غلط گمان کا اعتبار نہ ہوگا:

كذلك لو حلف ليشربن الماء فى هذا الكوز ولا ماء فيه ان كان لا يعلم ذلك لا تنعقد يمينه عند ائمتنا الثلاثة لأن من شرائط ركن اليمين وجود المحلوف عليه، ووجود المحلوف عليه هنا وهو الماء فى الكوز ولا ماء مستحيل غير متصور الوجود والله تعالى وان كان قادرا على خلق الماء، الا أن ذلك المخلوق لا يكون الماء الذى وقعت يمينه عليه فكان الاعتبار لنفس الأمر وهو عدم وجود الماء، لا لما ظنه خطأ بخلاف ما لو كان عالمًا بعدم وجود الماء لأنه إذا كان عالمًا فانما انعقد يمينه على ماء آخر يخلقه الله تعالى۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۲۰۲

(۲) شرح المجلة: ص ۲۰۳

۶..... جب دو عادل شخص یا ایک عادل مرد اور دو عورتوں نے زوجین کے درمیان رضاعت کی شہادت دی اور زوجین کے درمیان اس شہادت کی بنیاد پر تفریق کر دی گئی، اگر یہ تفریق دخول سے پہلے کی گئی ہو تو مرد پر مہر کے حق میں کچھ دینا لازم نہ ہوگا اس لیے کہ یہ ظاہر ہو گیا کہ زوجین کے درمیان نکاح، نکاح فاسد تھا اور اگر دخول کے بعد تفریق کی گئی ہوگی تو اب شوہر پر مقررہ مہر اور عورت کے مہر مثل سے جو مقدار کم ہوگی وہ دینا واجب ہوگا، لیکن عورت کے نفقہ اور سکونت کے ذمہ دار نہ ہوگا جیسا کہ فاسد نکاحوں کا حکم ہے کیونکہ (اب) اعتبار نفس الامر کا ہوگا (زوجین کے) اس گمان کا نہ ہوگا جس کا خطا ہونا ظاہر ہو گیا:

كذلك لو شهد رجلان عدلان أو رجل وامرأتان على الرضاع  
بين الزوجين وفرق بينهما فإن كان قبل الدخول بها فلا شيء لها  
لأنه تبين أن النكاح كان فاسداً، وإن بعد الدخول بها يجب بها  
الأقل من المسمى ومهر المثل، ولا تجب النفقة والسكنى كما في  
سائر الأنكحة الفاسدة، اعتباراً لنفس الأمر لا لما تبين من الظن  
الخطأ۔ (۱)

## قاعدہ نمبر (۷۲)

لَا حُجَّةَ مَعَ الْإِحْتِمَالِ النَّاشِ عَنْ دَلِيلٍ۔ (۲)  
اگر کسی ایسے امر میں جو حجت بن سکتا ہو کوئی ایسا احتمال پیدا ہو جائے جو دلیل  
سے ثابت ہو تو یہ امر حجت نہیں رہتا۔

تشریح

کسی چیز کے ثبوت کے لیے ایک دلیل پیش کی گئی مگر وہی دلیل ثبوت کی قطعیت کے

(۱) شرح المجلة: ص ۲۰۳

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۴ شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثانية والسبعون، ص ۲۶۱



خلاف کسی احتمال کو جنم دے رہی ہو تو اس دلیل کو حجت نہیں مانا جاسکتا، اس اصول کے پیش نظر میاں بیوی، باپ، بیٹے یا خاص نوکر کی گواہی معتبر نہیں سمجھی جاتی کیونکہ خود ان کی گواہی اس احتمال کو پیدا کرتی ہے کہ یہ لوگ ذاتی اور خصوصی تعلق کی بناء پر جانب داری برت رہے ہوں یہ احتمال ان کی شہادت کو حجت قطعاً نہیں بننے دیتا۔

## تفریعات

۱..... ایک شخص نے اپنے ورثاء میں سے کسی ایک وارث کے حق میں دین کا اقرار کیا اگر یہ اقرار مرض موت کی حالت میں کیا گیا ہوگا تو اس حالت میں جب تک دیگر ورثاء اس کی تصدیق نہ کر دیں اس وقت تک یہ اقرار قابل اعتبار نہ ہوگا، اس لیے کہ ایسے وقت کے اقرار میں یہ احتمال ہے کہ مریض نے اپنے اقرار کے ذریعہ دیگر ورثاء کو محروم کرنا چاہا ہو اور یہ احتمال مریض کے مرض موت میں پیدا ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور جو احتمال مریض کے مرض موت میں پیدا ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، اور جو احتمال کسی دلیل سے پیدا ہوا اس کے مقابلے میں یہ اقرار (جو خود اس کی دلیل سے قبل حجت ہو سکتا تھا) اب حجت نہ ہوگا لیکن اگر یہ اقرار بحالت صحت کیا گیا ہوگا تو اس صورت میں قابل حجت ہوگا اور مذکورہ احتمال اب دلیل کے درجہ میں متصور نہ ہوگا بلکہ یہ ایک وہم کا درجہ پائے گا، اور جس احتمال کی بنیاد وہم ہو وہ (اقرار کے) حجت ہونے کے لیے مانع نہ ہوگا:

لو اقر أحد لأحد ورثته بدين فإن كان في مرض موته لا يصح ما لم يصدق باقى الورثة وذلك لأن احتمال كون المريض قصد بهذا بالاقرار حرمان سائر الورثة مستندٌ الى دليل كونه في المرض وأما إذا كان الاقرار في حال الصحة جاز واحتمال ارادة حرمان سائر الورثة حينئذ من حيث أنه احتمال مجرد ونوع من التوهم لا يمنع حجية الاقرار۔<sup>(۱)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۲۰۲

۲..... ایک شخص نے مکان خریدا جس پر شفیع کو شفعہ کا حق حاصل تھا، اور شفیع نے اب تک شفعہ کے لیے کوئی مخالفت نہ کی تھی خریدار نے خریداری کے وقت یہ کہا تھا کہ یہ مکان میں فلاں کے لیے خرید رہا ہوں اور پھر اس فلاں کے سپرد بھی کر دیا تھا اس کے بعد شفیع حاضر ہو گیا تو اب یہ شفیع اس خریدار کا فریق مقابل نہ ہو سکے گا، کیونکہ خریدار نے پہلے ہی سے بذریعہ اقرار یہ اطلاع دے دی تھی کہ وہ شفیع کا مقابل نہیں ہے، لہذا تہمت کا احتمال موجود نہ ہونے کی بناء پر اس خریدار کا اقرار صحیح ہوگا اور کوئی ایسا احتمال جو دلیل سے پیدا ہو رہا ہے اس حالت میں قابل اعتبار نہ ہوگا:

ومنها لو اشترى دارا لها شفيع، وقبل أن يخاصمه الشفيع في الشفعة  
قال: انما اشتريتها لفلان وسلم اليه ثم حضر الشفيع فلا خصومة  
بينه وبين المشتري لأنه أقر قبل أن يكون خصمًا للشفيع فصح  
اقراره لانعدام التهمة، ولم يعارضها احتمال ناشئ عن دليل- (۱)

۳..... اسی قاعدے کے جزئیات میں سے یہ جزئیہ بھی ہے کہ ظاہر حال حجت ہوا کرتا ہے لیکن تعارض کے موقع پر اس کے مختلف درجات وجود میں آجاتے ہیں، چنانچہ قوی کے مقابلے میں ضعیف حجت نہ ہو سکے گا، ایک شخص کے متعلق مشہور ہے کہ وہ نادار محتاج ہے لیکن اس کے مکان میں ایک ایسا غلام دیکھا گیا جس کے پاس روپوں کی تھیلی تھی، اس تھیلی کا دعویٰ ایک مالدار شخص نے کیا یہ شخص مالدار میں مشہور اور معروف تھا، اور اس کے مقابلے میں اس نادار شخص نے اس تھیلی کی اپنی ملکیت ہونے دعویٰ کیا تو اس صورت میں مالدار کا دعویٰ اس تھیلی کے حق میں قابل قبول ہوگا:

ومن فروع القاعدة أيضًا ظاهر الحال فإنه من الحجج الشرعية لكن  
تفاوت درجاته عند التعارض، فالأضعف دلالة لاجبة له مع  
الأقوى، قال في التنوير آخر باب التحالف: رجلٌ معروفٌ بالفقر

(۱) شرح المجلة: ص ۲۰۷

والحاجة صار بيده غلام وعلى عنقه بدرة وذلك بداره، فادعاه

رجل معروف باليسار، وادعاه صاحب الدار فهو للمعروف باليسار۔ (۱)

۴..... ایک خادم جو مکان کی صفائی پر مقرر ہو اس کے کاندھے پر ایک کپڑا موجود ہو وہ یہ دعویٰ کرے کہ یہ کپڑا اس کی اپنی ملکیت ہے، اور مالک مکان یہ دعویٰ کرے کہ یہ میری ملکیت ہے تو یہ کپڑا مالک مکان کا متصور ہوگا۔ ایک کشتی میں دو شخص سوار ہوں، اس کشتی میں آٹے کی بوریاں موجود ہوں ان دونوں میں سے ہر ایک شخص یہ دعویٰ کرے کہ کشتی اور اس میں رکھا ہوا مال میرا ہے لیکن ان دونوں میں سے ایک شخص کے متعلق یہ معروف و مشہور ہو کہ وہ آٹے کا تاجر ہے اور دوسرا کشتی کا ملاح ہے تو اب فیصلہ یہ ہوگا کہ آٹے کی بوریاں تاجر کی اور کشتی ملاح کی تصور کی جائے تاکہ ظاہر حال پر مکمل عمل ہو سکے، ان مسائل میں یہ واضح ہے کہ دو فریق کے درمیان ظاہر حال کو حجت قرار دیا گیا ہے (اور ہر مسئلہ میں ظاہر حال دو ہیں) جن کے منجملہ ایک قوی اور دوسرا اس کے مقابلے میں ضعیف ہے، چنانچہ قوی کے مقابلے میں ضعیف کو حجت نہیں گردانا گیا کیونکہ قوی میں ایسا احتمال ہے جو دلیل سے پیدا ہوا ہے:

وكذا كنّاس في منزل رجل وعلى عنقه قطيفة يقول الذی علی

عنقه هی لی، وادعاه صاحب المنزل فهی لصاحب المنزل، رجلان

فی سفینة بها دقیق فادعی کل واحد السفینة وما فیها وأحدہما

یعرف ببيع الدقیق والآخر یعرف بأنه ملاح، فالدقیق للذی

یعرف ببيعہ، والسفینة لمن یعرف بأنه ملاح عملاً بالظاهر۔

ولا یخفی أن کل واحدة من هذه المسائل یشهد فیها ظاهر الحال

لمتنازعیین، وله جہتان احدهما اقوی من الأخری فلا حجة

للأضعف مع الأقوی لأنه احتمال ناشی عن دلیل۔ (۲)

۵..... مرض موت میں دی گئی طلاق تسلیم نہیں کی جاتی اگرچہ بعض فقہاء اس طلاق کو

(۲) شرح المجلة: ص ۲۰۸

(۱) شرح المجلة: ص ۲۰۸

تسلیم کرتے ہیں مگر اس کی وجہ سے عورت کو حق وراثت سے محروم نہیں کرتے۔  
 ۶..... اگر زید نے مرض موت میں ایسے قرضے کا اقرار کیا کہ اس کی وجہ سے دوسرے قرضے متاثر ہوں جن کا اقرار حالت صحت میں ہو چکا تھا اور مال ترک تھوڑا ہو کہ سارے قرضے پورے نہ ہو سکتے ہوں، تو پہلے وہ قرضے ادا کیے جائیں گے جن کا اقرار حالت صحت میں ہو چکا تھا اگر مال بچا تو پھر مرض موت میں کیے گئے اقرار والے قرضے کو نمٹایا جائے گا۔

### قاعدہ نمبر (۷۳)

لَا عِبْرَةَ لِلتَّوَهُّمِ - (۱)

وہم کا کوئی اعتبار نہیں۔

### تشریح

شریعت نے محض عقلی احتمالات، توہمات اور خیالی غیر واقعی باتوں کو قانونی حیثیت دینے سے انکار کیا ہے، کیونکہ انسانی زندگی کے تمام معاملات میں عقلی احتمالات تو موجود رہتے ہیں اگر ان کو معتبر قرار دے دیا جائے تو پھر کوئی بھی فیصلہ کرنا ممکن نہیں رہے گا جب ہم کسی چیز کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں تو عقلی احتمال موجود رہتا ہے کہ حقیقت حال اس فیصلے کے برعکس ہو، اب اگر اس عقلی احتمال کا اعتبار کیا جائے تو کبھی بھی فیصلہ نہیں کیا جاسکے گا۔

### تفریعات

۱..... ایک شخص پر قبلہ کی جانب مشتبہ ہو اور وہ بغیر تحری (اجتہاد) کسی ایک جانب نماز ادا کرے تو اس کی یہ نماز صحیح نہ ہوگی، اس لیے کہ یہ ادائیگی محض وہم کی بنیاد پر کی گئی ہوگی (اور وہم قابل حجت نہیں ہوتا):

لو اشتبہت علیہ القبلة فصلى الى جهة بدون تحر و اجتہاد لا تصح

(۱) مجلة الأحكام العدلیة: ص ۵۲ / شرح القواعد الفقہیة: القاعدة الثالثة والسبعون، ص ۳۶۳

صلاته لأنه على مجرد الوهم۔<sup>(۱)</sup>

۲..... جب گواہ شہادت دینے کے بعد غائب ہو جائیں یا فوت ہو جائیں اور یہ شہادت کسی معاملے سے متعلق ہو تو حاکم کے لیے جائز ہوگا کہ ان شاہدوں کے عادل ہونے کی تحقیقات کے بعد ان کی شہادت پر فیصلہ کر دے یعنی اپنے فیصلے کو مؤخر نہ کرے اس احتمال کی بنیاد پر کہ ممکن ہے شاہدین کسی وقت واپس آ کر اپنی شہادت سے رجوع کر لیں، اس لیے کہ یہ احتمال ایک وہم ہوگا اور وہم قابل اعتبار نہیں ہوتا:

إذا مات الشهود أو غابوا بعد أداء الشهادة في المعاملات فللحاكم

أن يتركهم ويحكم بشهادتهم أي فلا يؤخر لماعسى إذا حضروا

يرجعون عن شهادتهم، لأن هذا أمرٌ موهوم فلا عبرة له۔<sup>(۲)</sup>

۳..... ایک شخص اپنا ترکہ دین میں مستغرق چھوڑ کر فوت ہو گیا اور قرض خواہوں نے عدالت سے مطالبہ کیا کہ متروکہ کو فروخت کر کے ان کا دین ادا کیا جائے، تو حاکم کو فیصلہ کرنا ہوگا فیصلہ کو موقوف نہ رکھے گا یہ خیال کر کے کہ ممکن ہے (ان قرض خواہوں کے ماسوا) اور کوئی قرض خواہ پیدا ہو جائے اس لیے کہ یہ محض وہم ہوگا اور وہم قابل اعتبار نہیں ہوتا:

فلو مات مديون عن تركه مستغرقاً بالديون، وطلب الغرماء من

القاضي بيعها وتقسيم أثمانها بينهم بالغرامة، يفعل ولا يؤخر

العمل بمجرد احتمال ظهور دائن آخر، إذ لا عبرة للتوهم۔<sup>(۳)</sup>

۴..... ایک مکان میں دو شخصوں کو شفعہ کا حق حاصل ہے ان دونوں شفعہ میں سے ایک حاضر ہے اور دوسرا غائب ہے، تو حاضر شفعہ کو اپنے شفعہ کے ذریعہ پورا مکان لینے کا حق حاصل ہوگا اس لیے کہ اس کے اپنے شفعہ کا حق اس کو مکمل طور پر (مستقلاً) حاصل ہے اور یہی اس کے شفعہ کا سبب ہے، اور اس کے مطالبہ شفعہ سے یہ حق مزید مؤکد ہو جائے گا لیکن جو شفعہ غائب ہے اس کے حق کا مؤکد ہونا غیر معلوم ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ شفعہ کا مطالبہ کرے

(۱) شرح المجلة: ص ۲۰۹ (۲) شرح المجلة: ص ۲۰۹ (۳) شرح المجلة: ص ۲۰۹

اور ہو سکتا ہے کہ نہ کرے بلکہ اعراض کر جائے اس لیے کہ غائب کا حق حاضر کے حق سے متعارف اور متزاحم نہیں ہو سکتا، کیونکہ حاضر کا حق ثابت و پختہ ہے ایسے حق کو وہ حق جس کی پختگی و ثبوت موبوم ہو اور ان دو کیفیتوں کا محتمل ہو کس طرح مانع ہوگا لہذا حاضر شفیع کے حق میں (اس کے مطالبہ پر) اس کے حق شفیعہ کے مؤکد و ثابت ہونے کی بناء پر فیصلہ کر دیا جائے گا اور مذکورہ وہم قابل اثر انداز نہ ہوگا:

الدار شفیعان واحدهما غائب فللحاضر ان يأخذ كل الدار بالشفعة، لأن سبب ثبوت الحق على الكمال وجد في حقه وقد تأكد بالطلب، ولم يعرف تأكد حق الغائب لأنه يحتمل ان يطلب وان لا يطلب او يعرض فلم يقع التعارض والتزاحم فلا يمنع الحاضر من استيفاء حقه الثابت المتأكد بحق يحتمل التأكد والعدم بل يقضى له بالكل عملاً بكمال السبب من غير تعارض ولا عبرة للوهم۔<sup>(۱)</sup>

۵..... ایک شخص نے اپنی کنیز کے حمل کے حق میں کہا کہ یہ حمل آزاد ہوگا، چنانچہ اگر اس کلام کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں کنیز کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا تب تو بچہ آزاد ہو جائے گا، لیکن اگر پورے (۶) ماہ یا اس سے زیادہ مدت میں پیدا ہوا تو آزاد نہ ہوگا اس لیے کہ (۶) ماہ سے کم مدت میں پیدا ہونے کی صورت میں ہم کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ آزادی کے کلام کے وقت بچہ کنیز کے بطن میں موجود تھا، کیونکہ (۶) ماہ سے کم میں کسی عورت کے بچہ کی تولید (شرعاً) نہیں ہوا کرتی، لیکن زائد مدت میں پیدا ہونے کی صورت میں بچہ کا بوقت کلام آزادی حمل میں موجود ہونا مشکوک ہوگا اس لیے اس قاعدے کی بنیاد پر قابل اعتبار نہ ہوگا، اور اس پر (شرعی) حکم کی بنیاد نہ رکھی جاسکے گی:

قال لجارية مملوكة له، حمل هذه الجارية حر، فإن ولدت لأقل

(۱) شرح المجلة: ص ۲۱۰



من ستة أشهر من وقت التكلم عتق، وان ولدت لستة أشهر فصاعداً لم يعتق لأنها إذا ولدت لأقل من ستة أشهر من وقت اليمين، تيقناً بوجوده في ذلك الوقت لأن المرأة لا تلد لأقل من ستة أشهر، وان ولدت لأكثر، حصل الشك في وجوده ولا عبرة له فلا يبقى عليه حكم۔<sup>(۱)</sup>

۶..... ایک شخص کو دیکھا گیا کہ وہ کسی مکان سے گھبرایا ہوا مدہوش حالت میں خون آلود چھرا لیے ہوئے باہر نکلا، پھر اس مکان میں لوگوں نے دیکھا کہ ذبح کی ہوئی ایک لاش پڑی ہے تو اس شخص کی سابقہ حالت اس امر کا قطعی قرینہ ہوگی کہ وہی (اس مقتول) کا قاتل تھا، لہذا اس موقع پر دیگر وہی احتمالات کا مثلاً ممکن ہے کہ مقتول نے خود ہی اپنے آپ کو ہلاک کیا ہو کوئی اعتبار نہ ہوگا:

إذا خرج أحدٌ من دار خالية خائفاً مدهوشاً وبیده سكين ملونة بالدم فدخل الدار، ورءى فيها شخص مذبوح في ذلك الوقت، فلا يشتبه في كونه قاتل ذلك الشخص، ولا يلتفت الى الاحتمالات الوهمية الصرفة كان يكون الشخص المذكور قتل نفسه۔<sup>(۲)</sup>

۷..... ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا اگر تو مجھ کو ایک من گندم ادا کر دے تو تو آزاد ہے، غلام نے اپنے اس آقا کو ایک من گندم عمدہ قسم کی اس طرح ادا کر دی کہ ان پر قبضہ کر لینے میں کوئی مانع موجود نہ تھا لیکن آقا نے ان پر قبضہ نہ کیا تو غلام کی ادائیگی صحیح متصور ہوگی کیونکہ (فقہاء کے نزدیک) تخلیہ بھی استحساناً قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے، لیکن اگر غلام نے ردی قسم کی گندم مذکورہ طریقے پر ادا کی تو جب تک آقا کی جانب سے صراحت کے ساتھ قبول نہ کیا جائے اس وقت تک اس کا قبضہ متصور نہ ہوگا اور غلام آزاد نہ ہوگا، کیونکہ اس صورت میں (تخلیہ کو) حقیقی قبول کا درجہ دینا ایک وہی امر ہوگا جس کا کوئی اعتبار نہیں ہوا کرتا:

(۲) شرح المجلة: ص ۲۱۱

(۱) شرح المجلة: ص ۲۱۰

قال لعبدہ ان ادیت الی کراً من حنطة فانت حر، فادی الیہ کراً من حنطة جيدة، وخلي بينه وبين الكر، يكون اداءً وان لم يقبضه بيده لأن التخلية تعد قبضاً استحساناً لكن لو ادعى الیہ حنطة رديئة لا يكون مجرد الوضع بين يديه قبضاً بل لا بد من صريح القبول، فإن لم يوجد القبول صراحةً لا يعتق، لأن حقيقة القبول في هذه الصورة من المحتملات المتوهمة، فلا عبرة لها۔<sup>(۱)</sup>

۸..... ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو زخمی کر دیا کچھ عرصہ بعد مجروح اس زخم سے تندرست ہو گیا اس کے بعد کسی وجہ سے اس مجروح کا انتقال ہو گیا مجروح کے ولی نے جارج سے قصاص لینے کا دعویٰ کیا اس وہم کی بناء پر کہ مجروح کی موت کا سبب وہی جارج کے زخم بنے ہیں تو ولی کا یہ دعویٰ مسموع نہ ہوگا کیونکہ یہ دعویٰ محض وہم پر مبنی ہے:

جرح انساناً ثم ان المجرور بعد ان قام أياماً وبرا من الجرح مات لا عن شيء من الجراحة بأجله، فطلب وارثه القصاص من الجرح بمجرد توهيم أنه مات من الجرح لا تسمع دعواه بناء على التوهم۔<sup>(۲)</sup>

۹..... ایک شخص نے اپنے مکان کے کسی حصہ میں لکڑیاں یا بھوسا بھر دیا، اس شخص کے ہمسایہ کو یہ خیال ہوا کہ اگر ان لکڑیوں یا بھوسے میں آگ لگ گئی تو اس کے مکان کو نقصان پہنچے گا تو اس وہم کی بناء پر ہمسایہ کو یہ حق نہ ہوگا کہ اس شخص کو لکڑیاں یا بھوسے رکھنے سے منع کرے:

ومنها اراد أحد أن يضع في محل من داره تبنًا أو حطبًا فأراد جاره منعه باحتمال انه إذا احترق يسرى احراقه، ليس له منعه۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۲۱۱ (۲) شرح المجلة: ص ۲۱۲ (۳) شرح المجلة: ص ۲۱۲

## قاعد نمبر (۷۴)

الثَّابِتُ بِالْبُرْهَانِ كَالثَّابِتِ بِالْعَيَانِ - (۱)

جو بات دلائل قطعیہ سے ثابت ہوگی وہ عینی طور پر ثابت شدہ ہوگی۔

### تشریح

قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ جو امر شرعی دلائل سے ثابت ہوگا وہ ایسا تصور کیا جائے گا جیسا کہ معاینہ (و مشاہدے) سے ثابت ہوا ہو یعنی وہ اس درجہ کی دلیل ہوگا جس سے کسی ذمہ پر حکم لازم کیا جاسکے، چنانچہ جس طرح ایک شخص حاکم کے روبرو کسی دوسرے شخص کے کسی حق کا اقرار کرے تو حاکم پر اس اقرار سے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس حق کے لازم ہو جانے کا اس (مقرر) پر فیصلہ کر دے، اسی طرح جب منکر فریق کے مقابلے میں اس کا مقابل فریق اپنے حق کے ثبوت میں شہادت پیش کر دے یا مقابل فریق کے اقرار پر شہادت پیش کر دے تو حاکم پر اپنے معائنہ کی طرح لازم ہوگا کہ اس شرعی حجت کے پیش نظر فیصلہ دیدے، دونوں حجتوں میں کوئی فرق متصور نہ ہوگا کیونکہ جو امر برہان سے ثابت ہوتا ہے وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ معاینہ سے ثابت ہوا ہو۔

### تفریعات

- ۱..... زید نے اس بات پر معتبر حجت قائم کر دی کہ فلاں شخص نے فلاں چیز کا اقرار کر لیا تھا تو اب یہ اقرار اسی طرح سمجھا جائے گا جس طرح عدلیہ کے سامنے اقرار کیا گیا ہو۔
- ۲..... مدعی نے اس بات پر کافی اور ضروری شہادت مہیا کر دی کہ مدعی علیہ نے اس کی اس قدر رقم دینی ہے تو اب اس کا حکم اس طرح ہوگا جس طرح کہ عدلیہ کے سامنے مدعی علیہ نے اقرار کیا ہو۔

(۱) مجلة الأحكام العدلیة: ص ۲۵، شرح القواعد الفقہیة: القاعدة الرابعة والسبعون، ص ۳۶۷

۳..... زید نے کہا کہ عمرو کے ذمہ جو قرضہ ہے میں اس کا ضامن ہوں اور وضاحت نہ کی کہ کس قدر قرضے کی رقم کا ضامن ہے بعد میں عدلیہ کے سامنے مکمل ثبوت پیش کر دیا گیا کہ قرضے کی رقم ایک لاکھ روپے تھی، تو زید پوری رقم کا اس طرح ضامن ہوگا جس طرح اس نے وضاحت کے ساتھ اقرار کیا ہو کہ وہ ایک لاکھ روپے کا ضامن ہے۔

## قاعدہ نمبر (۷۵)

الْبَيِّنَةُ لِلْمُدَّعَى وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ - (۱)

دلائل کا پیش کرنا مدعی کا کام ہے اور قسم اس کے لیے ضروری ہے جو انکار کرے۔

ماخذ

یہ قاعدہ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک الفاظ ہیں جو آپ نے ارشاد فرمائے:

الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعَى وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ - (۲)

تشریح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہوں کو مدعی کی حجت قرار دیا ہے اور مدعی علیہ کی حجت یمین کو مقرر فرمایا ہے، اور یہی امر معقول بھی ہے اس لیے کہ مدعی ایک پوشیدہ امر کا دعویٰ کرتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس پوشیدہ امر کو واضح و ظاہر کرے، اور بینہ میں اظہار (وضاحت) ہوتی ہے کیونکہ یہ ایسے افراد کی اطلاع ہوتی ہے جو فریق کی حیثیت نہیں رکھتے

(۱) المبسوط: کتاب أدب القاضي، ج ۱۶ ص ۶۵ / بدائع الصنائع: کتاب الدعوی، فصل فی حجة المدعی والمدعی علیہ، ج ۶ ص ۲۲۵

(۲) سنن الترمذی: أبواب الأحکام، باب ماجاء أن البینة علی المدعی، ج ۳ ص ۶۱۸، رقم الحدیث: ۱۳۴۱

اور یہ شاہدین ہوا کرتے ہیں لہذا ان کو مدعی کی حجت قرار دیا گیا اور یمین اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نام سے مؤکد و مؤثق ہوتی ہے لیکن (مدعی کے) فریق مقابل کا کلام ہوتا ہے، لہذا حق کے ظاہر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ مدعی علیہ کی حجت ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ جو امر پہلے سے ظاہر ہے مدعی علیہ اسی سے اپنے قول پر حجت لا رہا ہے اور یہ امر اس کا ظاہری قبضہ و تسلط ہے لہذا مدعی علیہ کو اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ اس امر کے دوامی ہونے کو ثابت (و مؤکد) کر دے اگرچہ یہ ضرورت بھی معاملے کے ایک فریق کے کلام سے ہی ثابت ہو رہی ہے لیکن کسی سابقہ امر کے دوام اور ثبوت کے لیے کافی ہوگی، چنانچہ بینہ کا مدعی کی حجت ہونا اور یمین کا مدعی علیہ کی حجت ہونا عقل کا اقتضاء بھی ہے، اور ہر شئی کو اس کے مرتبہ پر رکھنا حکمت کا مقتضا بھی ہے بلکہ اسی کو حکمت کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم کلمات میں سے ایک کلام یہ بھی ہے، علامہ شمس الدین سرخسی رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد سے فقہاء نے اس قدر مسائل کا استنباط کیا ہے کہ ان کے بیان کرنے کے لیے دفتروں کی ضرورت ہے، اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی اور مدعی علیہ ہر دو کے درمیان فرق ظاہر فرمایا ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے، یہ حدیث احکام عقلیہ و شرعیہ دونوں پر مشتمل ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ”البینۃ علی المدعی“ یعنی گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ پر ہے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ محض دعویٰ سے مدعی اپنے مطلوب کا مستحق قرار نہ پائے گا، اور یہ ایک معقول امر ہے کیونکہ مدعی کا کلام ایک ایسی اطلاع ہوتی ہے جس میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے اور ایک احتمالی کلام حجت نہیں ہو سکتا، جس سے معلوم ہوا کہ اس کلام کی وضاحت کی ضرورت ہے (اور یہ بینہ ہے) اور یہی امر شرعی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بینہ (گواہ) کا کلام بھی خبر ہوتا ہے اس حیثیت سے شاہدوں کے عادل ہونے کے باوجود صدق و کذب کا محتمل ہوتا ہے کیونکہ شاہدوں کو معصوم نہیں کہا جاسکتا، لہذا بینات (شاہدوں) کے ذریعہ دعویٰ

کا ثبوت شرعی حکم پر مبنی ہوا۔ (اس لیے شرعی قرار پایا) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ”والیمن علی المدعی علیہ“ ”یمن (قسم کھانا) مدعی علیہ کے ذمہ ہے، اس امر کی دلیل ہے کہ مدعی علیہ کا قول، قول معتبر ہوگا اس لیے کہ وہ اصل حقیقت کا قائل ہے کیونکہ انسان کا دوسرے کے حق سے بری الذمہ ہونا اس کے لیے اصل قرار دیا گیا ہے یا مدعی علیہ کا انکار اپنی مقبوضہ شئی سے مدعی کے حق کی نفی کرنا ہے اور یہ امر عقلی ہے (یعنی عقل یہی کہتی ہے کہ مدعی علیہ کا انکار مدعی کے حق کی نفی ہے) چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اس امر کا ثابت ہونا کہ مدعی علیہ کی قسم اس کے قول کی مؤید ہوگی اور یمن اس پر لازم ہوگی یہ شرعی حکم ہے۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ مدعی علیہ نے مدعی کے حق کا انکار کر کے اس کے حق کو ضائع کرنا چاہا ہے، لہذا شریعت نے مدعی کو یہ حق دیا کہ وہ اپنے مقابل سے قسم لے تاکہ قسم کے ذریعہ فریق مقابل (مدعی علیہ) اپنی جان کو ضائع کرنے پر تیار ہو جائے، چنانچہ اگر مدعی علیہ کاذب ہو تو جھوٹی قسم سے غضب الہی کا مستحق ہو کر اپنی جان کو ضائع کرنے والا ہوگا، اور یہ ضائع ہونا مدعی کے حق کے ضائع ہونے کا معاوضہ ہو جائے گا، چنانچہ ایک کی ہلاکت دوسرے کی ہلاکت کا معاوضہ ہو جائے گی اور اگر مدعی علیہ صادق ہوگا تو اللہ تعالیٰ کا نام عظمت کے ساتھ لینے سے ثواب کا مستحق ہوگا جس کی بناء پر اس کو کسی قسم کا ضرر لاحق نہ ہوگا۔

اس حدیث میں بینہ کے لفظ کو الف لام کے ساتھ استعمال فرمایا گیا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ ہر قسم کے بیانات مدعی کی طرف سے پیش ہوں گے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ مدعی علیہ کی جانب میں بینہ کی کوئی جنس باقی نہیں رہی (جس کو وہ پیش کر سکے) کیونکہ کلام عربی کا یہ قاعدہ مقررہ ہے کہ جب کسی کلمہ پر الف لام تعریفی داخل ہو تو حقیقت پر محمول کرنے سے قبل اس کو (افراد کے) استغراق پر محمول کیا جائے گا بشرطیکہ (افراد کے) تعین کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو، اور حدیث کی مذکورہ عبارت میں افراد کے تعین کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔



اسی طرح مدعی علیہ کی جانب میں یمین کے لفظ کو الف لام کے ذریعے معرفہ بنایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی یمین مدعی علیہ کے ذمہ عائد ہوگی، مدعی کے ذمہ پر کسی قسم کی یمین نہ ہوگی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دو فریق مقابل کی ذمہ داریوں کی ان کے حق میں مطلقاً تقسیم فرمادی جس کا مقتضی یہ ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کے ساتھ اس پر عائد شدہ ذمہ داری میں شریک نہ ہو سکے گا کیونکہ تقسیم شرکت کے منافی امر ہے، شرکت میں باہمی تمیز معدوم ہوتی ہے اور تقسیم میں یہی تمیز مقصود و موجود ہوتی ہے لہذا تمیز اور عدم تمیز دونوں جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ ایک دوسرے کے منافی ہیں:

جعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم البینة حجة المدعی والیمین حجة المدعی علیہ والمعقول كذلك، لأن المدعی یدعی امرًا خفیا فیحتاج الی اظہار، وللبینة قوة اظہار، لأنها کلام من لیس بخصم، وهم الشهود فجعلت حجة المدعی، والیمین وان كانت مؤكدة بذکر اسم اللہ عز وجل لكنها کلام الخصم فلا تصلح حجة مظهرة، وتصلح حجة المدعی علیہ لأنه متمسک بالظاهر، وهو ظاهر الید فحاجته الی استمرار حکم الظاهر، وان كانت کلام الخصم فهي کاف للاستمرار فکان جعل البینة حجة المدعی وجعل الیمین حجة المدعی علیہ، وضع الشيء فی موضعه وهو حد الحکمة۔ (۱)

### مدعی اور مدعی علیہ کی جامع تعریف

مدعی وہ فریق ہے کہ اگر دعویٰ ترک کر دے تو اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے (یعنی مقدمہ خارج ہو جائے) اور مدعی علیہ وہ فریق ہے کہ گریز کرنے سے اس کو چھوڑا نہ جاسکے

(۱) شرح المجلة: ص ۲۱۵ / المبسوط: کتاب الدعوی، ج ۱ ص ۲۹

(بلکہ اس کے ذمہ جو اب بھی لازم رہے) یہ ایک ایسی تعریف ہے کہ جس میں مدعی اور مدعی علیہ کے ہر قسم کے تمام افراد داخل ہو جاتے ہیں یعنی جامع اور مانع تعریف ہے۔

مثال: ایک آدمی نے دوسرے پر دین کا دعویٰ کیا دوسرے نے انکار کر دیا، تو مدعی سے بینہ کا مطالبہ کیا جائے گا اگر وہ پیش کر دے تو فیہا، اس کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا ورنہ مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر قسم کھالے تو ٹھیک ورنہ اس کے خلاف فیصلہ دے دیا جائے گا:

المدعی من إذا ترك ترك والمدعی علیہ بخلافه، وهو حدٌ صحیح

جامع لأفراد المحدود۔<sup>(۱)</sup>

## قاعدہ نمبر (۷۶)

الْبَيِّنَةُ لِإثْبَاتِ خِلَافِ الظَّاهِرِ وَالْيَمِينُ لِلْبُقَاءِ الْأَصْلِ۔<sup>(۲)</sup>  
دلائل کسی خلاف ظاہر بات کے ثبوت کے لیے ہوتے ہیں اور قسم اصلی صورت  
حال کو باقی رکھنے کے لیے۔

تشریح

بینہ ظاہر حال کے خلاف ثابت کرنے کے لیے اور قسم اصل حالت کو اصل پر باقی رکھنے کے لیے ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص ظاہری حالت کی تکذیب کرتا ہے وہ اپنے کلام کو تقویت پہنچانے کا اس شخص کے مقابلے میں جس کی تصدیق ظاہری حالت کر رہی ہے زیادہ محتاج ہوتا ہے، اور شہادت چوں کہ (مذکورہ ہر دو فریق) کے کلام کے علاوہ ایک تیسرے غیر متعلق فریق (شاہد) کا کلام ہوتا ہے، اس وجہ سے یمین سے زیادہ قوت رکھتی ہے کیونکہ یمین فریق مدعی علیہ کا کلام ہوتا ہے اس لیے بینہ کا پیش کرنا مدعی کے ذمہ قرار

(۱) شرح المجلة: ص ۲۱۷

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۵ شرح القواعد الفقهية: القاعدة السادسة والسبعون، ص ۳۹۱

دیا گیا ہے، اور چونکہ قسم کے ذریعہ اصل حالت کو اس کے مقام پر برقرار رکھنا ہوتا ہے اور جو امر ظاہر ہے اس کو اس کے ظاہر پر ہی چھوڑ دینا مقصود ہوتا ہے، اس لیے یمین مدعی علیہ کے ذمہ عائد کی گئی ہے کیونکہ ظاہر حال اسی کے حق میں شہادت دے رہا ہوتا ہے، مثلاً بچپن، عقل، غیر معیوب ہونا، بری الذمہ ہونا، نوپیدا امر کے قریب تر وقت کی جانب نسبت کرنا انسان کے لیے اصل قرار دئیے گئے ہیں، ان کے مقابلے میں بڑھاپا، دیوانگی، عیوب سے متصف ہونا یا کسی حق سے ذمہ کا مشغول ہونا، جو عارضی صفات کا بعید تر زمانے کی طرف نسبت کرنا، خلاف اصل ہے اور اقرار و عقود میں یہ اصل قرار دیا گیا ہے کہ ان کو حالت صحت و رضا پر محمول کیا جائے اور حالت جبر و مرضی پر محمول کرنا خلاف اصل ہو، اور عاریت و وکالت میں اصل یہ ہے کہ یہ مقید ہوں، اور مضاربت و کفالت میں یہ اصل ہے کہ مطلق ہوں، چنانچہ ان تمام مسائل میں قسم کے ساتھ اس شخص کا قول معتبر ہوگا جو اصل سے استدلال کر رہا ہوگا اور بینہ اس شخص کا مقبول ہوگا جو خلاف اصل کا قائل ہوگا۔

اسی طرح جوشنی جس حالت پر پہلے سے چلی آ رہی ہوگی اس کو اسی حالت پر باقی رکھنا اصل قرار دیا جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... اگر بائع اور مشتری کا بیع میں یہ اختلاف ہو کہ بائع بیع قطعی ہونے کا قائل ہے اور مشتری بیع کے بیع الوفا ہونے کا قائل ہے، تو شہادت پیش کرنا اس فریق کے ذمہ ہوگا جو بیع کے بیع الوفا ہونے کا قائل ہوگا کیونکہ یہ مدعی ہے اور اس کا دعویٰ خلاف اصل ہے اور جو فریق اس دعویٰ کا منکر ہوگا اس پر قسم عائد ہوگی:

فلو اختلف المتبايعان، فقال المشتري البيع وفاء وقال البائع بات، فالبينة

على مدعى الوفاء لأنه خلاف الأصل واليمين على من أنكره۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۲۱۷

(۲) شرح المجلة: ص ۲۱۸

۲..... اگر ایک فریق نے حالت اضطرار و اکراه کی بیع کا دعویٰ کیا اور دوسرے فریق نے بحالت رضا کا دعویٰ کیا تو بینہ اس فریق کے ذمہ ہوں گے جو اضطرار یا اکراه کا مدعی ہوگا اور فریق مقابل پر قسم عائد ہوگی:

لو ادعی أحدهما التلجئة والآخ البتات أو الاكراه والآخ الطوع،

فالبينة على من يدعی التلجئة أو الاكراه وعلى الآخ اليمين۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اگر ایک شخص ایک زوجہ اور ایک بھائی چھوڑ کر فوت ہوا اور اس میت کا لڑکا بھی فوت ہو چکا تھا، میت کے بھائی نے کہا کہ میرے بھائی (میت) کا اپنے بیٹے کے فوت ہونے کے بعد انتقال ہوا ہے، اور زوجہ نے کہا کہ تمہارا بھائی اپنے بیٹے کے فوت ہونے سے قبل انتقال کر چکا تھا تو اب اس صورت میں زوجہ کا قول (قسم کے ساتھ) معتبر ہوگا اور شہادت پیش کرنا میت کے بھائی کے ذمہ ہوگا، اس قسم کے مسائل میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جب کسی میت کے ورثاء میں میت کی تاریخ وفات میں اختلاف واقع ہو تو جو ورثاء میراث کے حصہ کی زیادتی کے مدعی ہیں ان کے بینہ معتبر ہوں گے، اور ان کے فریق مقابل کا قسم کے ساتھ قول معتبر ہوگا کیونکہ ورثاء مدعی ہوں گے اور فریق ثانی منکر "البينة على المدعی و اليمين على المدعی عليه"

مات عن زوجة وأخ وابنه مات أيضًا فقال الأخ مات أخى بعد موت

ابنه، وقالت الزوجة بل مات أخوك قبل موت ابنه، فالقول للمرأة

والبينة بينة الأخ، والأصل في هذا الجنس أن الورثة متيختلف

في تاريخ موت الأقارب، فالبينة بينة من يدعی زيادة الارث،

والقول قول من ينكر۔<sup>(۲)</sup>

۴..... ایک شخص نے کسی شخص کی مملوکہ شئی کسی تیسرے شخص کو عاریت پر دے دی یہ

خیال کر کے کہ اصل مالک نے اس تیسرے کو اس چیز کے عاریت لینے کی اجازت دے دی

(۲) شرح المجلة: ص ۲۱۹

(۱) شرح المجلة: ص ۲۱۸

ہوگی لیکن شئی کے اصل مالک نے اجازت دینے سے انکار کر دیا، تو اب عاریت پر دینے والا اس شئی کا ضامن ہوگا، کیونکہ اس کے اصل مالک پر یہ دعویٰ ہے کہ اس نے عاریت کی اجازت دے دی تھی اور اصل مالک منکر ہے تو قسم کے ساتھ اصل مالک کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ ظاہر حال سے استدلال کر رہا ہے، اور بینہ اس شخص کے مقبول ہوں گے جو اجازت دینے کا مدعی ہے کیونکہ یہ خلاف ظاہر کو ثابت کر رہا ہے:

دفع العارۃ الی من زعم انه استعارها من المالك وانه امره بالقبض منه وقد انكر المالك ذلك، ضمن لانه يدعی علی المعیر الأمر بالدفع وهو ینکر، فالقول قول المعیر بیمنہ لتمسکہ بالظاهر وهو عدم الاذن والبیئۃ بینۃ المستعیر لتمسکہ بخلاف الظاهر۔<sup>(۱)</sup>

۵..... غاصب نے مغبوبہ شئی کے متعلق کہا کہ مغبوبہ شئی کو خود غاصب نے رنگ دیا تھا اور جس سے اس شئی کو غصب کیا گیا تھا اس نے کہا کہ یہ شئی جب اس سے غصب کی گئی ہے اس وقت ہی رنگی ہوئی تھی، اس موقع پر مالک کا قول معتبر ہوگا کیونکہ شئی مغبوبہ کا اصل مالک غاصب کے قول کا منکر ہے، لیکن دونوں فریق نے گواہ پیش کر دیئے تو غاصب کے گواہ قابل قبول ہوں گے کیونکہ یہ خلاف ظاہر کے مثبت ہوں گے:

زعم الغاصب انه صبغه وزعم المالك انه اخذہ منه مصبوغاً وافی بناء الدار أو حلیۃ السیف فالقول للمالك ای لانكاره حدوث فعل الغاصب وان برهنا فبینۃ الغاصب لا ثباتها خلاف الظاهر۔<sup>(۲)</sup>

## قاعد نمبر (۷۷)

البیئۃ حجة متعدیة والاقرار حجة قاصرة۔<sup>(۳)</sup>

بینہ (دلائل) حجت متعدیہ ہوتے ہیں اور اقرار حجت قاصرہ۔

(۲) شرح المجلة: ص ۲۱۹

(۱) شرح المجلة: ص ۲۱۹

(۳) المبسوط: کتاب الاباق، ج ۱۱ ص ۲۳۔ البحر الرائق: کتاب البیع، باب الحقوق، ج ۶ ص ۱۵۱

## تشریح

بینہ ایک ایسی دلیل ہوتی ہے جس کا اثر دور رس ہوتا ہے کیونکہ یہ حاکم کے حکم کے بعد دلیل ہو جایا کرتی ہے، چنانچہ جیسا ان کا نام ہے ویسا ہی ان کا کام ہے یعنی جو امر شہادت سے قبل واضح نہ تھا یہ اس کو نفس الامر میں ثابت و واضح کر دیتا ہے، اس لیے کہ گواہ جس شخص کے حق میں شہادت دیتے ہیں اس کے حق میں اپنی شہادت کے ذریعہ یہ ثابت نہیں کیا کرتے کہ مشہود لہ کی ملک جو کہ اصل میں ثابت نہ تھی فی الحال ثابت ہے، اور نہ حاکم اپنے فیصلے کے ذریعہ یہ ثابت کرتا ہے بلکہ (ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ) جو امر پہلے غیر ظاہر الثبوت تھا اس کا ثبوت واضح اور ظاہر ہو جائے، اسی لیے یہ شئی میں ثبوت ملکیت کے لیے حاکم کے حکم (فیصلے) کے محتاج ہوتے ہیں اور چوں کہ حاکم کو ولایت تامہ حاصل ہوتی ہے اس لیے حاکم کا حکم عامۃ الناس کے حق میں نافذ ہوتا ہے (بخلاف اقرار کے) جو شخص اقرار کیا کرتا ہے اس کو محض اپنے نفس پر ولایت حاصل ہوا کرتی ہے (اس کو کسی دوسرے پر الزام کا حق حاصل نہیں ہوا کرتا) وہ محض اتنا کر سکتا ہے کہ جس شخص کے حق میں وہ اقرار کرتا ہے اس کی ملکیت کو حکم حاکم کے بغیر کسی شئی میں ثابت کر دے، چنانچہ اقرار کو اس کی ضرورت کی حد تک محدود رکھا جاتا ہے تاکہ مقرر کی اطلاع (اقرار) صحیح متصور ہو۔

## تفریعات

۱..... کسی وصی کا میت پر دین کا اقرار یا میت کے ترکے میں کسی کے حق کا اقرار صحیح نہ ہوگا مثلاً ترکے کی کسی شئی کے متعلق وصی یہ اقرار کرے کہ یہ فلاں شخص کا ہے، البتہ اگر اقرار کرنے والا (وصی) میت کا وارث بھی ہے تو محض اس کے اپنے حصہ کی حد تک اس کا اقرار صحیح ہوگا، چنانچہ فقیہ ابواللیث سمرقندی اور ابن ابی لیلی رحمہما اللہ کا یہی مسلک ہے اور مجلہ میں اسی مسلک کو اختیار کیا گیا ہے، خلاصہ یہ کہ یہ اقرار دیگر ورثاء کے حق پر اثر انداز نہ ہوگا:

الوصی لا يجوز اقراره بدين على الميت ولا بشيء من تركته انه



لفلان الا ان يكون المقر وارثا فيصح في حصته وهو ما اختاره

أبو الليث وابن أبي ليلى ولا يتعدى الى الورثة۔ (۱)

۲..... وقف میں استحقاق پر باہم ایک دوسرے کی تصدیق کر دینا وقف میں حق کو ثابت کر دے گا اگرچہ یہ امر اصل وقف نامہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس کا اثر محض اقرار کرنے والے کے حق کی حد تک ہوگا، اگر مقرر کا انتقال ہو گیا تو پھر وقف کا یہ حصہ اس شخص کی طرف لوٹ جائے گا جس کے متعلق واقف تحریر کر گیا ہوگا مقرر کی ذات سے تجاوز نہ کرے گا:

يعمل بالمصادقة على الاستحقاق وان خالفت كتاب الوقف لكن

في حق المقر خاصة فإذا مات ترد الى من جعله الواقف له، فأقراره

قاصر عليه لا يتعدى الى غيره۔ (۲)

۳..... اپنی ذات اور غیر کی ذات پر اقرار کے مسائل بیان کیے گئے ہیں، اس میں کہا گیا ہے ایک شخص نے یہ اقرار کیا کہ فلاں شخص کے اور فلاں شخص کے میرے ذمہ ایک ہزار روپیہ قرض ہیں، اور دوسرے مقرر نے (اپنے دین سے) انکار کر دیا، تو اب مقرر کے ذمہ نصف رقم واجب ہوگی اس لیے کہ مقرر نے اپنے ذمہ اقرار کے ساتھ دوسرے شخص کے حق میں بھی اقرار کیا تھا اور ایک ہزار کی مقدار میں دوسرے کو شریک قرار دیا تھا، لہذا اس کی اپنی ذات کے حق میں تو اس کا اقرار صحیح ہوگا لیکن دوسرے کے حق میں صحیح نہ ہوگا:

اقرار الرجل على نفسه وعلى غيره قال: لفلان على وعلى فلان

الف درهم فجدد الآخر لزم المقر الآخر نصفه لأنه عطف الآخر

على نفسه والعطف يقتضى الاشتراك في الخبر، واققراره على

نفسه حجة وعلى الآخر ليس بحجة فلا يلزمه شيء۔ (۳)

(۲) شرح المجلة: ص ۲۲۳

(۱) شرح المجلة: ص ۲۲۲

(۳) شرح المجلة: ص ۲۲۵

۴..... دو شراکت داروں میں سے ایک نے دوسرے کو حکم دیا کہ وہ گھر فروخت کر دے جو مشترک ہے، دوسرے نے وہ گھر فروخت کر دیا مگر قیمت وصول نہیں کی اور پہلے شریک نے عدالت میں اقرار کیا کہ دوسرے شریک نے قیمت وصول کر لی ہے، تو یہ اقرار دوسرے شریک کے حق میں بے معنی ہوگا اور اس اقرار کی وجہ سے مشتری قیمت کی ادائیگی سے بری نہ ہو سکے گا۔

۵..... زید نے بکر سے گاڑی خریدی پھر عمرو نے دعویٰ دائر کر دیا کہ یہ گاڑی تو میری ہے بکر اس کا مالک نہیں ہے، اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بینہ قائم کر دی تو عمرو زید سے گاڑی لے سکے گا اور بکر کو قیمت واپس کرنی ہوگی، اگر عمرو کا دعویٰ بینہ سے ثابت نہ ہو سکا بلکہ زید نے اقرار کیا کہ یہ گاڑی عمرو کی ہے اور گاڑی عمرو کے حوالے کر دی تو بکر کے لیے لازم نہ ہوگا کہ وہ قیمت واپس کرے، کیونکہ زید کا اقرار اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ عمرو کو بھی اپنے دائرہ کار میں لے لے۔

## قاعدہ نمبر (۷۸)

الْمَرْءُ مُؤَاخَذٌ بِاِقْرَارِهِ۔<sup>(۱)</sup>

آدمی اپنے اقرار کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے۔

## تشریح

اللہ تعالیٰ نے حق کو پوشیدہ کرنے سے منع فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ”وَلِيَتَّقِ اللَّهَ رَابَةٌ وَلَا يَخْشَىٰ مِنْهُ شَيْئًا“<sup>(۲)</sup> یہ حکم اس امر کی دلیل ہے کہ جس شئی کا انسان اقرار کرے گا وہ اس کے ذمہ لازم ہوگی، نیز فرمایا ”ءَاَقْدَرْتُمْ وَاخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِيْۗ قَالُوْا اَقْدَرْنَا“<sup>(۳)</sup> چنانچہ اگر اقرار حجت نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے (حجت کے

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۵ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثامنة والسبعون، ص ۳۰۱

(۲) البقرة: ۲۸۲ (۳) آل عمران: ۸۱

لیے) اقرار نہ کرایا جاتا، اب جبکہ انسان اپنے اقرار سے قابل مؤاخذہ ہو جاتا ہے، تو اب اقرار سے اس کا رجوع کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ ان دونوں امور میں باہم تناقض ہے، چنانچہ اگر زید نے عمرو کے حق میں یہ اقرار کیا کہ عمرو کی اس کے ذمہ اتنی رقم دین ہے پھر اس کے بعد اپنے اقرار کے غلط یا خطا ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کا یہ دعویٰ مسموع نہ ہوگا۔

## تفریعات

۱..... ایک شخص نے زید کے حق میں اپنے اوپر ایک ہزار روپیہ دین ہونے کا اقرار کیا اس کے بعد کہا کہ یہ رقم میں زید کو ادا کر چکا ہوں، تو اب اس امر پر غور کرنا ہوگا کہ مقرر نے اسی اقرار کی مجلس میں ادائیگی کا دعویٰ کیا ہے یا نہیں اگر ایسا ہے تو اس کی یہ (ادائیگی) کا دعویٰ معتبر نہ ہوگا لیکن اگر کسی دوسرے موقع پر ایسا کہا تو یہ قول معتبر ہوگا:

ولو اقر لزید بألف درہم ثم ادعی أنه أداها، ینظر: ان کان فی

ذلک المجلس لا یقبل منه، وان ادعی ذلک فی مجلس آخر یقبل۔<sup>(۱)</sup>

۲..... ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص کے میرے ذمہ پر ایک ہزار واجب نہیں ہیں بلکہ صرف پانچ سو روپیہ ہیں تو اب اس شخص پر ایک ہزار واجب ہوں گے، اور اگر یہ کہا کہ فلاں کا میرے ذمہ ایک روپیہ کھرا واجب نہیں ہے بلکہ کھوٹا واجب ہے تو اس پر کھرا روپیہ ادا کرنا لازم ہوگا یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ عمدہ اور کھرا کا لفظ استعمال کرے:

قال لفلان علی الف لا بل خمس مائة، فعلیہ ألف ولو قال له علی

درہم أبيض لا بل أسود، فعلیہ افضلہما۔<sup>(۲)</sup>

۳..... جب زید نے اقرار کر لیا کہ اس نے عمرو کا قرضہ دینا ہے تو بعد میں اس سے انکار کرنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔

۴..... مشتری نے دعویٰ کیا کہ مال پہلے ہی سے ناقص تھا اور بائع نے اس کو تسلیم کر لیا

(۲) شرح المجلة: ص ۲۲۷

(۱) شرح المجلة: ص ۲۲۷

تو اب لازماً مال بائع کو لوٹا دیا جائے گا۔

۵..... شراکت داروں نے اپنے حصے تقسیم کر لیے اور سب نے اقرار کر لیا کہ پورا پورا حصہ مل گیا ہے تو بعد میں کسی کی طرف سے فحش غبن کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا۔

## قاعدہ نمبر (۹)

لَا حُجَّةَ مَعَ التَّنَاقُضِ لَكِنْ لَا يَخْتَلُ مَعَهُ حُكْمُ الْحَاكِمِ - (۱)  
تناقض کی صورت میں حجت باقی نہیں رہتی لیکن اس سے حکم حاکم متاثر نہیں ہو سکتا۔

### تشریح

حجت کا لفظ فقہاء کی اصطلاح میں بینہ اور اقرار دونوں پر استعمال کیا جاتا ہے، لیکن اس قاعدے کی عبارت میں حجت کے لفظ سے محض بینہ (گواہان) مراد ہیں کیونکہ اقرار تناقض کے باوجود بھی حجت قرار پا جاتا ہے جس کو آئندہ قانون میں بیان کیا گیا ہے۔ تناقض کے یہ معنی ہیں کہ دو کلام باہم اس درجہ مختلف ہوں کہ ایک کلام کو صادق تصور کرنے سے دوسرے کلام کا کاذب ہونا لازم آجائے لہذا یہ تناقض کلام کو حجت قرار دینے سے مانع ہو جائے گا اور ایسی حالت میں کلام حجت نہ رہے گا، اور یہ امر پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ شاہدوں کی شہادت کے بعد ان کا شہادت سے رجوع کر لینا تناقض ہے، یہ ایسا ہوگا جیسا کہ شاہدین اس طرح کہہ رہے ہوں (ہم شہادت دیتے ہیں اور شہادت نہیں دیتے) لہذا ان کا اول کلام اور دوسرا کلام (یعنی رجوع) درجہ میں دونوں مساوی ہوں گے یعنی اول کلام دوسرے کلام سے اور دوسرا کلام اول کلام سے افضل و اولی تصور نہ کیا جائے گا (کسی کو کسی پر کسی صفت میں ترجیح نہ ہوگی) اس لیے دونوں کلام باہم تناقض ہوں گے، البتہ اگر رجوع کر لینے سے قبل ان کی شہادت کی بناء پر حاکم اپنا فیصلہ دے چکا ہے تو اب رجوع کرنے کے بعد یہ فیصلہ اپنی جگہ

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۵ شرح القواعد الفقهية: القاعدة التاسعة والسبعون، ص ۲۰۵

قائم رہے گا منسوخ نہ کیا جاسکے گا، چنانچہ یہ قاعدہ دو فقروں پر مشتمل ہے اول فقرے کا خلاصہ یہ ہے کہ تناقض کلام حجت ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، دوسرے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب فیصلہ کیا جاچکا ہو تو پھر دیا گیا حکم تناقض کی بنا پر منسوخ نہ ہو سکے گا، لہذا دوسرا فقرہ درحقیقت اول فقرے کا خلاصہ ہے کہ تناقض کلام حجت ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، دوسرے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب فیصلہ کیا جاچکا ہو تو پھر دیا گیا حکم تناقض کی بناء پر منسوخ نہ ہو سکے گا، لہذا دوسرا فقرہ درحقیقت اول فقرے سے جو وہم پیدا ہوتا ہے اس کا دفعیہ ہے (یعنی فقرہ ثانیہ فقرہ اولی کا استدراک ہے) استدراک کے یہ معنی ہیں کہ متکلم کے طرز کلام سے سامع کے ذہن میں کسی قسم کا شبہ یا سوال پیدا ہو جائے، اور پھر دوسرے کلام کے ذریعہ اس شبہ یا سوال کا ازالہ کر دیا جائے، چنانچہ یہ (استدراک کا) طریقہ کتاب اللہ میں بھی موجود ہے، ارشاد فرمایا ہے ”وَاضْمُ يَدِكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سَوَاءٍ“ (۱) یعنی اے موسیٰ! اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں داخل کر وہ بغیر کسی خراب علت کے سفید ہو کر نکلے گا، چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ”مِنْ غَيْرِ سَوَاءٍ“ فرما کر اس وہم کا ازالہ فرما دیا کہ ہاتھ کا سفید ہونا مرض برص وغیرہ کی وجہ سے نہ ہوگا (ممکن ہے کہ تم کو اس کے سفید ہو جانے سے ان علتوں کی بناء پر سفید ہو جانے کا شبہ پیدا ہو جائے) چنانچہ اس قاعدے میں جب یہ کہا گیا کہ تناقض کلام حجت نہیں رہتا تو اس سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ گواہوں کے شہادت سے رجوع کرنے کے بعد ان کا کلام تناقض ہو جاتا ہے جو حجت نہیں رہتا۔ لہذا ان کی شہادت کی بناء پر جو حکم دیا گیا ہو گا وہ باطل ہو جائے گا تو اس شبہ کو دوسرے فقرے سے دفع کر دیا گیا کہ حکم صادر ہو جانے کے بعد اگر ایسا تناقض پایا گیا تو اس پر اس تناقض کا کوئی اثر مرتب نہ ہوگا بلکہ شہادت سے رجوع کر لینے کے بعد گواہوں پر تاوان لازم آجائے گا اور صادر شدہ حکم بدستور قائم رہے گا۔ (۲)

(۲) شرح المجلة: ص ۲۲۷

(۱) طہ: ۲۲

## تفریعات

۱..... اگر فیصلے سے قبل گواہ اپنی شہادت سے منحرف ہو گیا تو اس کی شہادت باطل ہو جائے گی، اور اگر عدالت کے فیصلے کے بعد گواہ منحرف ہو گیا تو عدالتی فیصلہ برقرار رہے گا، البتہ جس فریق کو اس کی شہادت سے نقصان ہو یا یہ گواہ اس کا یہ نقصان پورا کرنے کا ذمہ دار ہوگا اس صورت میں عدالت کو قصور وار نہیں ٹھہرایا جائے گا، اس لیے کہ عدالت تو موجود شہادتوں اور ظاہری حالات کی بناء پر فیصلہ کرتی ہے۔

۲..... دو گواہوں نے عدالت کے سامنے گواہی دی کہ عمر نے جان بوجھ کر اور سمجھتے بوجھتے ہوئے زید کو قتل کیا ہے، ان کی شہادت کی بناء پر عدالت نے عمر کے خلاف قصاص کا حکم دے دیا، اس حکم پر عمل درآمد بھی ہو گیا، بعد میں گواہوں نے اپنی شہادت سے انحراف کر لیا تو گواہوں پر لازم ہوگا کہ دیت ادا کریں۔

## قاعدہ نمبر (۸۰)

قَدْ يَثْبُتُ الْفَرْعُ مَعَ عَدَمِ ثُبُوتِ الْأَصْلِ - (۱)

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصل ثابت نہ ہو اور فرع ثابت ہو جائے۔

## تشریح

اگرچہ قاعدہ ہے کہ فرع اس وقت ثابت ہوگی جبکہ اصل ثابت ہو کیونکہ تابع اپنے متبوع کے ساتھ ہی ثابت ہوتا ہے، مگر بعض صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اصل ثابت نہیں ہو سکتا مگر چند وجوہ کی بناء پر فرع ثابت ہو جاتی ہے۔

## تفریعات

۱..... سعید نے اقرار کیا کہ خالد نے زید کی رقم دینی ہے اور میں اس کا ضامن بنتا ہوں

(۱) مجلة الأحكام العدلیة: ص ۲۵ / شرح القواعد الفقہیة: القاعدة الثمانون، ص ۲۱۱



مگر خالد نے رقم کی ذمہ داری سے انکار کر دیا، اور زید عدالت کو یہ باور کرانے میں ناکام رہا کہ خالد نے اس کی رقم دینی ہے، تو زید سعید سے رقم کی ادائیگی کا مطالبہ کرنے کا مجاز ہوگا کیونکہ وہ اقرار کر چکا تھا اور اس کا اقرار اس پر ذمہ داری عائد کرنے کے لیے کافی ہے، اس صورت میں اصل یعنی قرضہ تو ثابت نہ ہو سکا مگر فرع یعنی کفالت ثابت ہو گئی۔

۲..... اگر کسی مرد نے اپنی زوجہ پر خلع کا دعویٰ کیا اور عورت نے خلع سے انکار کیا تو عورت شوہر سے بائسہ ہو جائے گی لیکن خلع کا مال دینا لازم نہ ہوگا، حالانکہ خلع کا مال اصل ہے اور خلع اس کی فرع ہے۔

## قاعدہ نمبر (۸۱)

المُعَلَّقُ بِالشَّرْطِ يَجِبُ ثُبُوتُهُ عِنْدَ ثُبُوتِ الشَّرْطِ - (۱)  
اگر کوئی بات کسی شرط پر معلق ہو تو شرط کے ثبوت پر وہ بات ثابت ہو جائے گی۔

### تشریح

شرط اپنے مصدری معنی کے اعتبار سے ”شرطت علیہ شرطاً“ سے ماخوذ ہے، اسی طرح کہا جاتا ہے ”اشترطت علیہ“ یعنی میں نے اس پر شئی کو لازم کر دیا، یہ لازم کرنا، بیع وغیرہ عقود میں ہوا کرتا ہے، حدیث میں منقول ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور پھر اس میں شرط مقرر کرنے سے منع فرمایا ہے، شرط کی جمع شروط ہے اور شرط کی جمع اشراط آتی ہے (یعنی حسب قواعد جو لفظ شین کے فتح اور راء کے سکون کے ساتھ ہے اس کی جمع اشراط کی صورت میں آتی ہے اور جو لفظ شین اور راء کے فتح کے ساتھ ہے اس کی جمع اشراط کی صورت میں آیا کرتی ہے) جس کے معنی علامت و نشانی کے ہیں، چنانچہ حدیث میں ”اشراط الساعة“ کا جملہ مروی ہے جس کے معنی علامت قیامت کے ہیں۔

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۵ : شرح القواعد الفقهية: القاعدة الحادية والثمانون، ص ۲۱۵

اور (فقہاء کی اصطلاح میں) عقود میں کلام کو کسی صفت یا حال یا استثناء یا بلفظ "علیٰ ان یا بشرط کذا" کے الفاظ سے مقید کر دینا شرط کہلاتا ہے:

الشرط بالمعنى المصدري مشتق من شرطت عليه كذا شرطًا  
واشترطت عليه بمعنى الزام الشيء والتزامه في البيع و نحوه من  
العقود وفي الحديث نهى عن بيع و شرط جمعه شروط، وأما  
أشراط، فجمع شرط (بفتح الراء) وهى العلامة، ومنه أشراط  
الساعة علاماتها- ويطلق على ما يقع فى العقود من القيود التى  
تذكر فى الكلام من صفة أو حال أو شرط أو استثناء أو لفظ نحو:  
على أن يكون كذا أو بشرط كذا- (۱)

### تعلیق بالشرط کی وضاحت

تعلیق دو جملوں کے درمیان موجود اس ربط کو کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک کا مضمون اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک دوسرے کا حاصل نہ ہو جائے، مثال کے طور پر کسی نے کہا "اگر تجھ سے زید نے مال خریدا تو میں اس کی قیمت کا ضامن ہوں گا" دوسرا جملہ کہ میں اس کی قیمت کا ضامن ہوں گا اس میں دوسرے جملے کا مضمون جب ثابت ہوگا جب پہلے جملے کا مضمون ثابت ہو جائے، ایسی صورت میں پہلا جملہ شرط اور دوسرا جملہ جزا کہلاتا ہے، تعلیق بالشرط کے لیے دو چیزیں ضروری ہوتی ہیں۔

۱..... بات کرتے وقت شرط معدوم ہو اور آئندہ کسی زمانے میں اس کا وجود ممکن ہو۔

۲..... جس تعلیق کو واقع کیا جا رہا ہے شرعاً جائز ہو۔

اگر بات کرتے وقت شرط معدوم نہ ہو بلکہ موجود ہو تو اس کو تعلیق نہیں کہا جائے گا بلکہ یہ تعلیق کی شکل میں تجبیز (شرط کا پورا ہو جانا) ہوگا اور اس پر تجبیز کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً کسی نے کہا کہ "اگر یہ گھر میری ملکیت میں ہے تو معذوروں کے لیے وقف ہے" اور

(۱) شرح المجلة: ص ۲۳۲

حقیقت میں وہ گھر اس کی ہی ملکیت میں ہو تو یہ تعلیق نہیں ہوگی یعنی شرط کے پائے جانے کا انتظار نہ ہوگا بلکہ فوری طور پر وقف قائم ہو جائے گا اور وہ مکان معذوروں کے لیے وقف ہوگا۔

### تعلیق کی صورت میں معاملات کی نوعیتیں

تعلیق کی صورت میں معاملات کی تین نوعیتیں ہو سکتی ہیں۔

۱..... وہ معاملات جن سے تعلیق جائز نہیں ہو سکتی مثلاً بیع، اجارہ، اعارہ، ہبہ، صدقہ،

اقرار، ابراء، مزارعت، وقف، رہن، وکیل کی معذوری وغیرہ۔

ابراء کی صورت اگر یہ ہو کہ اس کو موت کے سانحہ معلق کر دیا جائے تو صحیح ہوتی ہے، مثلاً

زید نے عمرو کا قرضہ دینا تھا اور عمرو نے کہا کہ ”اگر میں مر گیا تو تو قرضے سے بری ہوگا“ یہ

ابراء صحیح ہوگا اور اس کو وصیت شمار کیا جائے گا، اگر مقروض نے قرض دینے والے سے کہا

”جب فلاں مہینہ آجائے گا تو میں تمہارا مقروض ہوں گا۔“

اگرچہ بظاہر یہ تعلیق ہے لیکن یہ لغو ہے کیونکہ مقروض تو بات کرتے وقت بھی مقروض

ہے اس کا مقروض ہونا فلاں مہینے کے آنے پر منحصر نہیں ہے، البتہ اس مدت کو ادائیگی کی

مدت سمجھا جائے گا کہ مقروض فلاں مہینے تک مہلت مانگ رہا ہے۔

۲..... وہ معاملات جن کو ایسی شرائط پر معلق کیا جائے جو شرائط معاہدے کے ساتھ کچھ

مناسبت رکھتی ہوں یعنی ایسی شرائط جو معاہدے کے مقتضیات کی تائید کرتی ہوں، مثلاً

تجارت کی اجازت، حج کی معزولی، حج کا ولی ہونا، کفالت، کفالت سے بری کرنا اور وصیت وغیرہ۔

۳..... وہ معاملات جن کو مطلق شرط پر معلق کیا جاسکتا ہے، مثلاً طلاق، نذر، وکالت

اور وصیت کرنا یا کسی کو وصی مقرر کرنا وغیرہ۔

### تعلیق کی عام مثالیں

۱..... کسی نے کہا (اپنے وکیل سے) ”جو نبی میں تمہیں معزول کر دوں تو تو میرا وکیل

ہوگا“ اس صورت میں جب وکیل معزول ہوگا نئی وکالت قائم ہو جائے گی، اور وہ پھر سے

وکیل بن جائے گا۔

۲..... کسی نے دوسرے سے کہا ”جب زید مصر سے واپس آ جائے گا تو میں اس رقم کا

ضامن ہوں گا جو فلاں کے ذمہ ہے“ تو زید کے آتے ہی کفالت منعقد ہو جائے گی۔

۳..... ایک شخص نے دوسرے سے کہا ”میں اپنے تہائی مال کی تیرے نام وصیت کرتا

ہوں شرط یہ ہے کہ فلاں آدمی اس پر راضی ہو جائے“ تو فلاں کے راضی ہونے پر وصیت قائم

ہو جائے گی۔

## تفریعات

۱..... اگر میں بحالت سواری مکان میں داخل ہوا تو میرا غلام آزاد ہوگا:

وإن دخلت الدار راكباً فعبدي حر۔

۲..... تمہارا جو دین زید پر ہے اس کا میں اس وقت تک کفیل ہوں جب تک وہ شہر میں

مقیم ہے:

وأنا كفيل بمالك علي زيد ان سكن هذه البلدة۔

۳..... میں نے ایک کمرے کے علاوہ یہ مکان تم کو کرایہ پر دیا:

وآجرتك داري إلا هذا البيت۔

۴..... میں یہ رقم بطور مضاربت تم کو اس شرط پر دیتا ہوں کہ تم کوفہ میں تجارت

کرو گے:

وضاربتك بهذه الألف علي أن تعمل بها في الكوفة۔

۵..... میں نے یہ شئی اس شرط پر تمہارے ہاتھ فروخت کی کہ تم اس کے سلسلے میں کفیل

دے دو:

بعتك هذا علي أن تعطيني به كفيلاً۔

۶..... آقا اپنے غلام سے کہے کہ فلاں شخص پر جو میرے ایک ہزار روپیہ قرض ہیں اگر

توان کو وصول کرے تو تجھ کو تجارت کی اجازت ہے:

كقول المولى لبعده: ان قبضت لى من فلان الألف التى لى عليه

فقد أذنت لك بالتجارة-

۷..... بادشاہ وقت کسی شخص سے کہے کہ جس شخص نے کسی کافر کو قتل کیا تو مقتول کے اسباب اسی قاتل کی ملکیت ہوں گے یا کہا کہ اگر میں فلاں شہر میں پہنچوں تو میں نے تم کو وہاں کا حاکم یا امیر مقرر کیا:

وقول السلطان من قتل قتيلا فله سلبه، وان وصلت بلدة كذا فقد

وليتك قضاءها أو امارتها-

۸..... ایک شخص نے کہا کہ جب میری تحریر تمہارے پاس پہنچے تو تم وکالت سے معزول ہو:

ان وصل اليك كتابي فقد عزلتك-

۹..... ایک شخص کسی دائن سے کہے کہ جب تمہارا مدیون اپنے سفر سے واپس آیا تو میں اس کی طرف سے تمہارے حق کا کفیل ہوں یا مکفول لہ کفیل سے کہے کہ اگر فلاں شخص میرے مال کا کچھ حصہ مجھے ادا کرے تو تم کفالت سے بری الذمہ ہو:

وكقول الانسان للدائن إذا جاء مديونك من سفرة فأنا كفيل بما

لك عليه أو قال المكفول له للكفيل: ان أدى فلان بعض ما عليه

من الدين أبرأتك من الكفالة- (۱)

## قاعدہ نمبر (۸۲)

يَلْزَمُ مُرَاعَاةَ الشَّرْطِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ- (۲)

شرط کی رعایت بقدر امکان ضروری ہوگی۔

(۱) شرح المجلة: ص ۲۴۲، ۲۴۳

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۶، شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثانية والثمانون، ص ۳۱۹

## شرط کی وضاحت

ایسی شرط جو شرعاً جائز ہو، جہاں تک ممکن ہو اس کی رعایت کی جائے گی اور اس پر عمل کیا جائے گا، بنیادی طور پر شرط اس چیز کو کہتے ہیں جس پر کسی دوسری چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ اس چیز کی ماہیت سے باہر کی کوئی شئی ہو اور اس کی غرض کسی پر کوئی ذمہ داری عائد کرنا ہو، ایسی شرط کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

## شرط صحیح

اس کی چار قسمیں ہیں:

۱..... ایسی شرط کہ خود معاہدے کا مضمون اس کا تقاضہ کرتا ہے اور اس کو جداگانہ طور پر درج کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، مثلاً بیع کے معاہدہ میں مال مشتری کے حوالے کرنا اور مشتری کا بائع کو قیمت ادا کرنا یا بیوی کے اخراجات کا ذمہ دار ہونا۔

۲..... وہ شرط جو معاہدہ کے مقتضیات میں سے تو نہیں ہوتی مگر معاہدے کے ساتھ مناسب اور اس کے موجبات کی تاکید کرنے والی ہوتی ہے، جیسے رہن رکھنے کی شرط یا قیمت کا ضامن دینے کی شرط۔

۳..... نہ تو نفس معاہدہ شرط کا تقاضا کرتا ہے اور نہ ہی جداگانہ طور پر درج ہوتی ہے مگر عرف اس کو لازم قرار دیتا ہے، اور یہ شرط اپنے اپنے زمانوں اور اپنے علاقوں میں مختلف ہوتی ہیں، مثلاً عام طور پر معروف ہے کہ گھڑی جب خریدی گئی تو اگر ایک سال کے اندر خراب ہوگئی تو دکاندار بلا معاوضہ صحیح کر دے گا یا اس کی جگہ نئی گھڑی دے گا جس کو ہمارے یہاں عرف عام میں گارنٹی کہتے ہیں۔

۴..... وہ شرائط جو شرعی احکام کی تفصیلات میں موجود ہیں، مثلاً بیع کے لیے شرطیں یا وقف کنندہ کی شرطیں۔

## شرط فاسد

نہ تو نفس معاہدہ اس کا تقاضہ کرتا ہے نہ معاہدہ کے لیے مناسب ہے اور نہ اس کے



موجبات کو مؤکد کرنے کے لیے ہوتی ہے، اور نہ شرعی ہوتی ہے اور نہ ہی عرف اس کا مقتضی ہوتا ہے، اور اس میں کسی ایک فریق کا ناجائز نفع ہوتا ہے یا دونوں فریقوں کے علاوہ کسی اور کا نفع وابستہ ہوتا ہے، مثلاً بائع کی یہ شرط کہ وہ پکے ہوئے مال سے ایک سال تک نفع اٹھاتا رہے گا۔

## شرط باطل

یہ وہ شرط ہے جس میں نہ تو مندرجہ بالا وجوہ میں سے کوئی وجہ پائی جائے اور نہ ہی اس شرط سے کسی کو نفع ہوتا ہو، مثلاً بائع کی یہ شرط کہ بکے ہوئے مال پر ایک سال تک کوئی تصرف نہیں کرے گا یعنی نہ تو خود فائدہ اٹھائے گا اور نہ ہی کسی اور کو فائدہ اٹھانے دے گا۔

اگر شرط صحیح ہو تو اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے اور اگر شرط فاسد ہو تو نہ شرط باقی رہتی ہے اور نہ ہی معاہدہ (عقد) باقی رہتا ہے، اور اگر شرط باطل ہو (جس کو لغو بھی کہا جاتا ہے) تو شرط باطل ہو جاتی ہے اور معاہدہ صحیح ہو جاتا ہے یعنی اس شرط کو معدوم قرار دیا جاتا ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

## تشریح

ایک ودیعت رکھنے والا شخص دوسرے شخص سے (جس کے پاس ودیعت رکھی گئی ہے) یہ کہے کہ اس مال یا اس شے کو ہر وقت اپنے ہاتھ میں رکھنا، رات یا دن میں کسی وقت اپنے سے جدا نہ ہونے دینا، اب مودع نے اس ودیعت کو اپنے مکان میں (محفوظ کر کے) رکھ دیا کیونکہ ودیعت رکھنے والے نے جو شرط اس پر لگائی تھی عاۃً اس شرط کا پورا کرنا ممکن نہ تھا لیکن اگر یہ کہا تھا کہ اس ودیعت کو شہر کوفہ میں ہی رہنے دینا، بصرہ میں نہ لے جانا اور یہ شخص ودیعت کو بصرہ لے کر چلا گیا اور ضائع ہو گئی تو اس صورت میں یہ ودیعت کا ضامن ہوگا البتہ اگر اس شخص (مودع) کو کوئی ایسی ضرورت لاحق ہو گئی تھی جس کے لیے کوفہ جانا لازمی ہو گیا تھا اور وہاں جائے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا تو اس صورت میں اس پر ضمان عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ

ودیعت رکھنے والے کی شرط پر عمل کرنا اس پر اس وقت تک لازم ہے جب تک اس کا پورا کرنا اس کی قدرت و طاقت میں ہو، اس سے معلوم ہوا کہ شرط کی رعایت کرنا اس قید سے مقید ہے کہ بشرط قدرت رعایت ممکن ہو لیکن اگر شرط کا رعایت کرنا انسان کی استطاعت سے خارج ہو تو اب اس پر کوئی ضمان عائد نہ ہوگا۔

شرط میں اصل یہ ہے کہ حتی الامکان ان کی عاریت کی جائے اور جب قید مفید ہوگی تو اس کا اعتبار کرنا بھی ممکن ہوگا، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”المسلمون عند شروطهم“ مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہوتے ہیں۔

ایک شخص نے دوسرے کو اس شرط پر مال دیا کہ وہ کوفے میں اس سے کام کرے تو دوسرے شخص کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ کوفہ سے باہر لے جا کر اس مال سے کام کرے کیونکہ ارزانی اور گرانی کے اعتبار سے مقامات مختلف ہوا کرتے ہیں، اس طرح سفر اور قیام کی حالت میں بھی اختلاف ہوا کرتا ہے اور اس شخص نے کوفہ کے اندر کسی دوسرے مقام پر کاروبار کیا تو یہ عقد مضاربت صحیح رہے گا، چنانچہ اول صورت میں اگر مال ضائع ہو گیا تو دوسرے شخص پر تاوان لازم ہوگا اور دوسری صورت میں کوئی تاوان لازم نہ ہوگا، کیونکہ شہر ایک ہی ہے اور اس کے تمام مقامات ایک درجہ رکھتے ہیں لہذا (بازار کی) شرط غیر مفید متصور ہوگی اس لیے قابل لحاظ بھی نہ ہوگی:

قال المودع للمودع أمسكها بيدك ولا تضعها ليلا ولا نهارا فوضعها  
في بيته فهلكت لم يضمنها لأن ما شرطه عليه ليس في وسعه  
باعتبار العادة ولو قال له لا تخرج بها من الكوفة فخرج بها الى  
البصرة كان ضامنا فإن انتقل من الكوفة الى البصرة أو الى غيرها  
لشيء لم يكن له منه بد فهلك فلا ضمان عليه، لأن المودع انما  
يلتزم شرط المودع بحسب امكانه، فعلم من هذا أن لزوم مراعاة  
الشرط مقيد بقدر الامكان ولا مواخذة فيما فوق الجهد

والامکان۔

الأصل في الشروط اعتبارها ما أمكن وإذا كان القيد مفيداً كان  
ممكن الاعتبار، فيعتبر قوله عليه الصلوة والسلام المسلمون عند  
شروطهم۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

..... ایک شخص نے اپنی کوئی چیز اس شرط پر فروخت کی کہ وہ مشتری کی ملکیت  
ہو جائے گی یا یہ شرط کہ بائع مبیع کو اس وقت تک اپنے پاس رکھے گا جس وقت تک (پوری)  
قیمت وصول نہ کرے گا، تو ایسی شرطیں بیع میں کسی نقصان کا باعث نہیں ہوتیں بلکہ بیع کے عقد  
کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ مبیع مشتری کی ملکیت ہو جائے، اور جب بیع مطلق ہو تو ہر دو جانب  
سے معاوضوں کی (ایک دوسرے کو) سپردگی بھی ہو:

لو باء بشرط ان يكون المبيع ملك المشتري او بشرط ان  
يحبس المبيع الى ان يقبض الثمن فهذا الشرط لا يضر في البيع  
لكونه بياناً لمقتضى العقد لأن العقد يقتضى دخول المبيع في  
ملك المشتري وعند الاطلاق يتصرف الى التسليم من  
الجانبيين۔<sup>(۲)</sup>

۲..... اگر اس شرط پر بیع کی گئی کہ مشتری بائع کے پاس (بیع کے عوض) کوئی معین شئی  
رہن رکھ دے یا یہ کہ فلاں شخص کو کفیل بنا دے تو یہ بیع صحیح ہوگی اور شرط بھی معتبر ہوگی حتیٰ کہ اگر  
مشتری اس شرط کو پورا نہ کرے گا تو بائع کو بیع کے فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوگا، لیکن رہن  
کی صورت میں مرہون کا متعین کر دینا ضروری ہے اور کفیل کی شرط کی صورت میں کفیل کی  
ذات کا متعین ہونا ضروری ہے، جیسا کہ مثال میں کہا گیا ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر عقد بیع فاسد

(۲) شرح المجلة: ص ۲۳۷

(۱) شرح المجلة: ص ۲۳۵، ۲۳۶

ہو جائے گا کیونکہ عدم تعین باہمی نزاع کا سبب ہوگا:

لو باء بشرط ان یرهن المشتري عند البائع شيئاً معلوماً أو ان  
یکفل له بالثمن هذا الرجل، صح البیع ویكون هذا الشرط  
معتبراً حتی انه إذا لم یف المشتري بالشرط فللبائع فسخ العقد،  
ولا بد من تعیین الرهن والكفیل كما اشیر الیه فی المثال و الا  
فسد العقد بجهالتهمما لإفضائه الی المنازعة۔<sup>(۱)</sup>

۳..... ایک شخص کسی دوسرے شخص سے یہ کہے کہ اگر تم ایک سال تک میری خدمت  
کرتے رہو گے تو میں تم کو ایک سو روپیہ قرض دے دوں گا یا ہبہ کر دوں گا یا ایک عورت سے  
کہا کہ میں تم سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ مہر کچھ مقرر نہ ہوگا تو اس صورت میں نکاح  
اپنی جگہ صحیح ہوگا اور شرط باطل ہو جائے گی (نکاح کے بعد) عورت کو مہر مثل دینا لازمی ہوگا:

اقرضتك او وهبتك هذه المائة بشرط ان تخدمني سنة او  
تزوجتك على ان لا يكون لك مهر صح النكاح وبطل الشرط  
ووجب مهر المثل۔<sup>(۲)</sup>

۴..... اسی طرح اگر ایک شخص نے کہا کہ میں تم کو اس شرط پر طلاق دیتا ہوں کہ تم  
دوسرے سے نکاح کر لو، یا کہا کہ میں اس شرط پر تجھ سے خلع کرتا ہوں کہ ایک ماہ تک مجھے  
اختیار ہوگا (ان صورتوں میں) شرط باطل ہوگی اور مال لازم ہوگا یا ایک شخص نے (غلام  
سے) کہا اختیار شرط کے ساتھ میں نے تم کو آزاد کیا، یا (راہن نے مرہن سے کہا) کہ میرا یہ  
غلام تمہارے پاس اس شرط پر رہن ہوگا کہ ایک سال تک میری خدمت کرتا رہے یا میں  
ایک سال تک اس سے خدمت لیتا رہوں گا، یا کہا کہ میں تم کو اس شرط پر وصی مقرر کرتا ہوں  
کہ تم میری لڑکی کے ساتھ نکاح کر لو، یا میں اس شرط پر تم کو فلاں مقام کا جج مقرر کرتا ہوں کہ  
پھر مجھے تمہارے معزول کرنے کا اختیار نہ ہوگا یا نہ کروں گا یا کہا کہ میں تمہارے حق کا دائن

(۲) شرح المجلة: ص ۲۳۷

(۱) شرح المجلة: ص ۲۳۷

کے لیے اس شرط پر کفیل ہوں کہ پھر تم مجھے اتنی رقم قرض دے دو، یا کہا کہ تمہارے قرض کے سلسلے میں میں فلاں شخص کا حوالہ دیتا ہوں بشرطیکہ تم وصول کر سکو اگر وصول نہ کر سکے تو پھر مجھ سے مطالبہ نہ کرو گے (یا کہا) کہ اس شرط پر میں نے تم کو اپنا وکیل مقرر کیا کہ میرے ذمہ پر جو تمہارا دین ہے اس سے میں بری الذمہ ہو جاؤں گا، ان تمام صورتوں میں مذکورہ تمام عقد تو صحیح ہوں گے لیکن شرائط باطل ہوں گے (ان کا کوئی) اعتبار نہ ہوگا:

وكذا طلقتك على أن تتزوجي غيري وخالعتك على أن لي الخيار  
مدة يراها بطل الشرط ووجب المال وأعتقتك على أني بالخيار،  
ورهنك عبدي بشرط أن استخدمه أو على أن الرهن ان ضاع  
ضاع بلا شيء، وجعلتك وصيا على أن تتزوج بنتي ووليتك قضاء  
بلدة كذا على أن لا اعزلك و كفلت غريمك على أن تقرضني  
كذا وأحلتك على فلان بشرط أن لا ترجع علي عند التوى و  
وكلتك على أن تبراني ممالك على صح ذلك كله وبطل  
الشرط۔ (۱)

### قاعدہ نمبر (۸۳)

المواعيدُ بآگتسابِ صورِ التعلیقِ تكونُ لازمةً۔ (۲)  
معلق وعدوں کی تکمیل لازمی ہوتی ہے۔

تشریح

مواعید موعود کی جمع ہے، یہ کبھی مصدری معنی میں اور کبھی ظرف زمان اور مکان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، مذکورہ قاعدہ میں یہ معنی مصدری میں مستعمل ہے یعنی کسی شخص کا

(۱) شرح المجلة: ص ۲۳۷

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۶ / البحر الرائق: كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، ج ۲ ص ۳۳۹

دوسرے کو اپنی ذات کے متعلق یہ اطلاع دینا کہ آئندہ زمانے میں وہ یہ فعل کرے گا اس لیے کہ یہ فعل یا عمل اس کو مرغوب ہے اس کو موعد یا وعدہ کہا جائے گا۔

## تفریعات

۱..... اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ یہ چیز فلاں کو فروخت کر دو اگر وہ رقم نہ دے تو میں دے دوں گا پھر وہ شخص جس کو فروخت کے لیے کہا گیا رقم نہیں دیتا تو اس صورت میں وعدہ کرنے والے پر رقم کی ادائیگی لازم ہے۔

۲..... جب کوئی شخص کسی ملزم کی حاضری کی ضمانت دے تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اس ملزم کو مطلوبہ مواقع پر عدالت میں حاضر کرتا رہے، عدم پابندی کی صورت میں ضامن کی پکڑ ہوگی، وعدہ معلق کی بناء پر مذکورہ تشریح سے خود بخود یہ بات واضح ہوگئی کہ وعدہ مجرد کی وفا لازم نہیں، مثلاً اگر کسی آدمی نے اپنے غیر کو یہ حکم دیا کہ وہ اس کی طرف سے فلاں کو اس کا قرض ادا کر دے مامور نے اس کا وعدہ کر لیا لیکن بعد میں اس کے ادا کرنے سے رک گیا تو مذکورہ قاعدہ کے مطابق مامور کو اداء قرض پر مجبور نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ یہ وعدہ مجرد ہے معلق نہیں ہے۔

## قاعدہ نمبر (۸۴)

الْخَرَّاجُ بِالضَّمَانِ - (۱)

جو شخص نقصان کا ذمہ دار ہوتا وہ نفع کا بھی حق دار ہوتا ہے۔

ماخذ

یہ قاعدہ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک الفاظ ہیں جو آپ نے ارشاد

فرمائے:

الْخَرَّاجُ بِالضَّمَانِ - (۲)

(۱) الأشباه والنظائر: القاعدة العاشرة، ص ۱۳۸ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۶

(۲) سنن أبي داود: كتاب البيوع، باب فيمن اشترى عبدا فاستعمله الخ، ج ۳ ص ۲۸۳، رقم

الحديث: ۳۵۰۸



## حدیث کا پس منظر

ایک شخص نے غلام خریدا یہ غلام ایک عرصہ تک اس شخص کے پاس رہا، اس کے بعد اس غلام میں عیب ظاہر ہوا، مشتری نے یہ مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ غلام بائع کو واپس کر دیا، بائع نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ اس غلام نے یا رسول اللہ! مشتری کے پاس رہتے ہوئے کمایا بھی تو ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الخراج بالضمنان۔ آمدنی ذمہ دار کا حق ہوتا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ جوامع الکلم میں سے ہے کیونکہ بہت سے احکام کا جامع ہے، اور اسی بنا پر بطور ضرب المثل استعمال ہونے لگا ہے۔

جوامع الکلم کلام کے ایسے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جس کا ہر فرد اپنے اندر متعدد احکام لیے ہوئے ہوتا ہے، علامہ فخر الاسلام بزدوی رحمہ اللہ (متوفی ۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ حدیث کو بالمعنی روایت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بیان کے اعلیٰ مراتب پر مشتمل ہوا کرتا تھا، لہذا آپ کے کلمہ جامعہ کے مقام پر کسی دوسرے کلمہ کا جو اس سے طویل یا قصیر ہو استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔

جو چیز کسی دوسری چیز سے پیدا ہو تو ایسی چیز کو دوسری چیز کا خراج کہتے ہیں، چنانچہ درخت کا پھل درخت کا خراج ہوگا، جانور کا دودھ اور اس کی نسل جانور کا خراج ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

## تشریح

حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شئی کسی شخص کی ذمہ داری میں داخل ہو چکی ہو اور پھر اس چیز سے کسی قسم کی پیداوار ہو (زیادتی وجود میں آئے) تو یہ پیداوار (زیادتی) اسی شخص کی ملکیت ہوگی جس کی ضمان میں یہ شئی آ چکی تھی، کیونکہ اگر یہ شئی ہلاک ہوتی تو اسی

(۱) شرح المجلة: ص ۲۴۰

ذمہ دار شخص کی ملکیت ہلاک ہوتی، اس ہلاک کا اثر کسی دوسرے پر نہ پڑتا اس لیے اس شئی کے تمام منافع و پیداوار بھی اسی ذمہ دار شخص کی ہوگی، خواہ یہ شخص اس شئی کی ذات سے منتفع ہو یا یہ کہ اس کی آمدنی اور پیداوار سے۔

معلوم ہوا کہ کسی شئی سے منفعت حاصل کرنا جس طرح مالک ہونے کی بناء پر ہوتا ہے اسی طرح جب شئی ضمان میں داخل ہو جاتی ہے تو بھی انسان شئی کی منفعت حاصل کرنے کا حق دار ہو جاتا ہے، اور منفعت کے حاصل کرنے کا مدار انسان کے اس طرح ذمہ دار ہو جانے پر ہے کہ اگر شئی ضائع ہو یا اس میں نقصان پیدا ہو تو اس شخص کی ملکیت کا ضائع ہونا یا اس کا نقصان تصور کیا جائے نہ کہ کسی دوسرے کا، اور اگر اس شئی کی وجہ سے تاوان دینا پڑے تو بھی یہ تاوان اسی شخص کی ذات پر پڑے۔

## تفریعات

..... اگر (حیوان پر قبضہ کرنے اور اس کو استعمال کرنے کے بعد) اس حیوان میں کوئی عیب پایا گیا اور پھر خیار عیب کی بنا پر اس کو واپس کیا گیا اور استعمال سے قبل کسی عیب پر اطلاع نہ تھی اور اس دوران میں مشتری اس حیوان سے منتفع ہوتا رہا، خواہ بصورت کرائے پر دینے کے یا بصورت کسی دیگر آمدنی کے تو مشتری پر یہ لازم نہیں کیا جائے گا کہ وہ بیع کو مع اس آمدنی کے بائع کو واپس کرے، کیونکہ بیع اس کی ضمان میں آچکی تھی اگر اس واپسی سے قبل ہلاک ہو جاتی تو اسی کی مملو کہ چیز ہلاک ہونا متصور ہوتی (بائع سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوتا) اس مسئلے میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ مشتری کو اس عیب کا پہلے سے علم نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مشتری کو پہلے سے اس عیب کا علم تھا اور پھر اس نے اس شئی کو خریدتا تو اب مشتری کا خیار عیب (عیب کی بناء پر واپسی) کا حق باطل ہو جائے گا:

لورد المشتري حیوانا بخیار العیب، بعد قبضہ واستعماله غیر عالم

بالعیب وکان قد استعمله مدة بنفسه أو آجره من غیره وقبض

اجرتہ لا تلزمہ اجرتہ للبائع لكونه في ضمانه لأنه لو كان قد تلف

في يده قبل الرد لكان تلفه عليه من ماله وانما قلنا غير عالم

بالعيب لأنه لو استعمله بعد الاطلاع على العيب يسقط خيار الرد۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر ایک شخص نے کسی خاص مقام تک جانے کے لیے کوئی جانور کرایہ پر لیا اور

اس پر سوار ہو کر اس مقام تک گیا اس سے تجاوز نہ کیا اور جانور ہلاک ہو گیا اور مستاجر کی

طرف سے اور کسی قسم کی زیادتی بھی جانور پر نہ ہوئی جس سے جانور کی ہلاکت واقع ہوتی تو

اس صورت میں مستاجر محض جانور کا کرایہ ادا کرے گا (جانور کا تاوان اس کے ذمہ نہ ہوگا)

کیونکہ اس حالت میں یہ جانور اس کی ضمان (ذمہ داری) میں نہ تھا، لیکن اگر اس مقام سے

(جس کے متعلق طے کیا ہوا تھا) یہ شخص تجاوز کر گیا اور پھر جانور ضائع ہو گیا تو اب مستاجر پر

جانور کی قیمت کا تاوان لازم ہوگا اجرت لازم نہ ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ مقام مخصوص سے

متجاوز ہونے کی بناء پر مستاجر غاصب قرار پایا گیا، اب جانور اس کی ضمان میں داخل ہو گیا

اور جب یہ اس کا ذمہ دار ہو گیا تو اب جو منفعت اس سے حاصل کر چکا وہ اس کا اپنا حق ہوگا

کیونکہ منفعت کی بنیاد پر ضمان ہے:

كذلك لو استأجر دابة للركوب الى محل معين فركبها ولم

يتجاوزة فهلك بلا تعد ولا تقصير لزمه الأجرة، ولو ماتت في أثناء

الطريق لزمه أجرة ما قطع من المسافة لأنها في هذه الصورة

ليست في ضمانه، لكن لو جاوز المحل المعين فهلكت يلزمه

الضمان ولا أجر، لأنه بالتجاوز صار غاصبا فحيث دخلت في ضمانه

تكون المنفعة له، لأن المنفعة بمقابلة الضمان۔<sup>(۲)</sup>

۳..... ایک راہن نے اپنے رہن پر رکھے ہوئے غلام کو رہن ہونے کی حالت میں

آزاد کر دیا تو یہ آزادی نافذ ہو جائے گی، اگر راہن مالدار شخص تھا تو اب غلام پر یہ واجب نہ

(۲) شرح المجلة: ص ۲۴۱

(۱) شرح المجلة: ص ۲۴۱

ہوگا کہ وہ اپنی کمائی سے مرہن کا دین ادا کرے، اس لیے کہ اس صورت میں مرہن کے لیے راہن سے اپنا دین وصول کر لینا ممکن ہے، جبکہ ادائیگی کا وقت آجائے اور اگر ابھی مدت ادائیگی باقی ہو تو راہن سے غلام کی قیمت وصول کر کے اپنے پاس رہن رکھ سکتا ہے اور اگر راہن غریب انسان ہے تو اب غلام (آزادی کے بعد) مرہن کے دین کی ادائیگی کے مقدار کے اندازے تک اپنے کسب کے ذریعہ دین کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا، بشرطیکہ غلام کی اپنی قیمت اور دین (مساوی ہوں) یا دین قیمت سے کم ہو، کیونکہ اس صورت میں مرہن کے لیے اپنے دین کا راہن سے وصول کر لینا ممکن نہ ہوگا، لہذا جس نے آزادی کی منفعت حاصل کی ہے اس سے یہ دین ادا کرایا جائے گا اور وہ یہ آزاد شدہ غلام ہے کیونکہ ”الخراج بالضمین“ اور غلام کی اپنی قیمت اور دین کی مقدار سے جو کم ہو اس کا ادا کرنا اس بناء پر مقرر کیا گیا ہے کہ اگر دین کی مقدار قیمت سے کم ہے تب تو مرہن کو اس کا اصل حق پہنچ ہی جائے گا اور اگر غلام کی قیمت کم ہے تو غلام کو صرف اتنی مقدار ادا کرنے میں فائدہ بھی اسی قدر حاصل ہوا ہے (لہذا اتنے ہی کا وہ ذمہ دار بھی ہوگا):

لو أعتق الراهن لعبد الرهن نفذ عتقه فان كان الراهن غنيا فلا سعاية على العبد لإمكان أخذ حقه من الراهن وهو الأداء ان كان الدين حالاً وقيمة الرهن ان كان موجلاً، وان فقيراً سعى العبد للمرتهن في الأقل من قيمته ومن الدين، لتعذر أخذ الحق من الراهن، فيؤخذ ممن حصلت له فائدة العتق وهو العبد لأن الخراج بالضمين، وانما سعى في الأقل منهما لأن الدين ان كان أقل فالحاجة تندفع به، وان كانت القيمة أقل، فإنما حصل له هذا

القدر۔ (۱)

(۱) شرح المجلة: ص ۲۴۲

## قاعدہ نمبر (۸۵)

الْأَجْرُ وَالضَّمَانُ لَا يَجْتَمِعَانِ - (۱)

اجرت اور ضمانت ایک ہی جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔

تشریح

یعنی اجرت اور تاوان کا سبب جب ایک ہی ہوگا تو ایسی حالت میں یہ دونوں ایک محل میں جمع نہ ہو سکیں گے کیونکہ ضامن ہونے کا اقتضاء یہ ہے کہ انسان کوشی کا مالک تصور کر لیا جائے اور مالک ہونے کی حالت میں شی کی اجرت ادا کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا اور اجرت کی ادائیگی کا اقتضاء یہ ہے کہ انسان شی کا مالک متصور نہ ہو، لہذا ضمان اور ادائے اجرت (اپنے اپنے اقتضاء میں) ایک دوسرے کے منافی (ومتضاد امر) ہیں، اس کا ضابطہ یہ ہے کہ جس مقام پر انسان ضامن نہ ہوگا اس مقام پر اجرت کی ادائیگی واجب ہوگی، اور جس مقام پر انسان پر تاوان ڈالا جائے گا اس مقام پر اجرت واجب نہ ہوگی۔

## تفریحات

۱..... ایک شخص نے کسی کا اونٹ غصب کر لیا اور اس کو اپنے استعمال میں لاتا رہا حتیٰ کہ اونٹ لاغر ہو گیا اور (اس وجہ سے) اس کی قیمت میں کمی واقع ہو گئی، اب غاصب کو اونٹ کے مالک کے حق میں اس نقصان کا تاوان ادا کرنا ہوگا اور اس کی اجرت غاصب پر واجب نہ ہوگی کیونکہ تاوان اور اجرت دونوں ایک محل پر جمع نہیں ہوا کرتے:

لو غصب رجل بعير آخر واستعمله حتى هزل وطرا على قيمته

نقصان، فضمن لصاحبه نقصان قيمته لا أجر عليه لأن الأجر

والضمان لا يجتمعان - (۲)

(۱) المبسوط: كتاب الاجارات، باب اجارة المتاع، ج ۱۵ ص ۱۶۸، مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۶

(۲) شرح المجلة: ص ۲۴۳

۲..... ایک شخص نے سواری کے لیے کوئی جانور کرائے پر لیا اس شخص کو اس جانور پر بوجھ لادنے کا حق نہ ہوگا، اگر اس شخص نے ایسا کیا اور جانور ضائع ہو گیا تو قیمت کا تاوان ادا کرنا ہوگا اور جانور کا کرایہ واجب نہ ہوگا کیونکہ ”الاجر والضمان لا یجتمعان“

استأجر دابة للركوب ليس له أن يحملها، فإذا حملها وتلفت به

يضمن قيمتها ولا أجر عليه لأنهما لا یجتمعان۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اگر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کا مال اس کی اجازت کے بغیر استعمال کیا تو اس شخص کا یہ عمل غاصبانہ متصور ہوگا، اور اس شئی کے (حاصل کردہ) منافع کا معاوضہ (کرایہ) ادا کرنا اس کے ذمہ واجب نہ ہوگا اس لیے یہ شئی اگر ضائع ہو جاتی تو یہ شخص اس کا ضامن ہوتا لہذا اس پر اجرت واجب نہ ہوگی بلکہ اس کی قیمت میں تاوان ادا کرنا ہوگا:

لو استعمل أحدٌ مالا بدون إذن صاحبه فهو من قبيل الغاصب لا

يلزمه أداء منفعه أعني أجر المثل لأنه لو هلك لهلك في ضمانه فلا

تلزمه اجرة۔<sup>(۲)</sup>

۴..... ایک شخص نے گندم کی کاشت کے لیے زمین کرائے پر حاصل کی لیکن اس زمین پر (گندم کی جگہ) کسی ایسی شئی کی کاشت کی جو زمین کے لیے ضرر کا سبب تھی تو اس شخص کو زمین کی ضرر رسانی کا تاوان ادا کرنا ہوگا اور اس کے بعد اس پر اجرت واجب نہ ہوگی اس لیے کہ ”الأجر والضمان لا یجتمعان“

ولو استأجر أرضاً على أن يزرعها حنطة فزرعها شيئاً آخر يضر

بالأرض كالرطوبة فإذا ضمن نقصان الأرض فلا أجره عليه لأن

الأجر والضمان لا یجتمعان۔<sup>(۳)</sup>

(۲) شرح المجلة: ص ۲۲۳

(۱) شرح المجلة: ص ۲۲۳

(۳) شرح المجلة: ص ۲۲۳



## قاعدہ نمبر (۸۶)

الْغَرْمُ بِالْغَنَمِ - (۱)

نقصان منافع کے ساتھ ہے۔

یعنی جو شخص نفع کا حق دار ہوتا ہے وہی نقصان کا ذمہ دار بھی ہوتا ہے۔

### تفریعات

۱..... اگر ایک ایسے فقیر کے جو کسب سے معذور ہے تین بھائی ہوں، ایک حقیقی دوسرا پدری تیسرا مادری، تو یہ شخص اپنے بھائیوں پر اپنے نفقہ کا حسب ذیل طریقہ پر مستحق ہوگا۔  
۵/۶ حصے حقیقی بھائی کے ذمہ اور چھٹا حصہ مادری بھائی کے ذمہ ہوگا کیونکہ فقیر بھائی کے فوت ہونے پر مذکورہ بھائیوں کی میراث کا حصہ یہی ہوتا:

لو كان لفقير عاجز عن الكسب ثلاثة اخوة متفرقين، واحد لأب وام، وآخر لأب، وآخر لأم يشترك في نفقته الأخ لأب وام والأخ لأم أسداسا: خمسة أسداس على الأخ لأبوين، وسدس على بالأخ لأم على قدر الميراث، لأنه لو كان غنيا فارثه لهما على هذا الوجه فكذا نفقته۔ (۲)

۲..... اگر کسی شخص کے رشتہ داروں میں ایک چچا، ایک پھوپھی اور ایک خالہ، مالدار ہوں تو پورا نفقہ چچا کے ذمہ ہوگا کیونکہ (اس شخص کے فوت ہونے کی صورت میں) کل ترکہ چچا کو ملے گا، اگرچہ پھوپھی، خالہ، رجمی رشتہ میں چچا کے مساوی ہیں لہذا (ان افراد میں) ضرر اس کو اس حد تک لاحق ہوگا جس حد تک ان کو نفع پہنچتا ہوگا یا ہم اس طرح کہیں گے کہ انتفاع ذمہ داری کے بقدر ہوتا ہے:

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۶ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة السادسة والثمانون، ص ۳۳۷

(۲) شرح المجلة: ص ۲۳۶

ولو كان له عم وعمّة وخالة أغنياء فعلى العم خاصة وان كان العم مساويا في قرابة ذى الرحم المحرم، الا انه يفضلهما في كونه وارثا له دونهما لأن المضرة في مقابلة المنفعة وبالعكس او نقول لأن الخراج بالضمان۔<sup>(۱)</sup>

۳..... آقا پر اپنے غلام کا نفقہ اس صورت میں واجب ہوگا جبکہ غلام کی آمدنی و منافع آقا کے لیے ہوں اگر ایسا نہ ہو تو غلام کا نفقہ آقا پر واجب نہ ہوگا، چنانچہ ایک خالص غلام یا مدبر (جس غلام کی آزادی کو موت کے بعد زمانے پر معلق کیا گیا ہو) یا ام الولد لونڈی (جس لونڈی کے آقا سے اولاد پیدا ہوگئی ہو) کا نفقہ آقا پر واجب ہوگا کیونکہ ان کا مکسوبہ (منافع) آقا کی ملکیت ہوتے ہیں، لیکن مکاتب غلام (جس کے لیے کسی معین معاوضہ کی ادائیگی پر آزادی کی شرط لگائی ہو) کا نفقہ آقا پر واجب نہ ہوگا اس لیے کہ اس کا مکسوبہ آقا کی ملکیت نہیں ہوتا، مکاتب اپنے مکسوبہ کا اپنے آقا کے مقابلے میں بذات خود مستحق ہوتا ہے، لہذا اس کا مکسوبہ (مال) ایک آزاد فرد کی مثل صرف کرے گا کیونکہ ہر منفعت کے مطابق ڈالا جاتا ہے:

ان المولى تجب عليه نفقة رقيقه بشرط أن تكون اكسابه ومنافعه لمولاه، والا فلا تجب عليه نفقته، فتجب على الانسان نفقة عبده القن والمدبر وأم الولد لأن اكسابهم ملك المولى، ولا تجب عليه نفقة مكاتبه لأنه غير مملوك المكاسب، الا ترى انه احق بكسبه من مولاه فكان في مكاسبه كالحر فنفقته في كسبه كالحر، لأن الغرم بالغنم ولا غنم فلا غرم۔<sup>(۲)</sup>

۴..... جس غلام کو عاریۃ لیا گیا ہو اس کے اخراجات اسی شخص پر ہوں گے جس نے عاریت پر لیا ہوگا کیونکہ غلام کی منفعت (عاریت کی حالت میں) اسی کو پہنچے گی، اسی طرح

(۲) شرح المجلة: ص ۲۴۶

(۱) شرح المجلة: ص ۲۴۶

جب کسی شخص نے اپنے مملوک غلام کی خدمت کی کسی دوسرے شخص کے حق میں وصیت کی ہوگی تو غلام کا نفقہ موصلیٰ لہ کے ذمہ ہوگا اس لیے کہ غلام کی منفعت وہی حاصل کرے گا:

ونفقة العبد العارية على المستعير لأن منفعته له، كذلك العبد الموصى برقبته لانسان وبخدمته لآخر، نفقته على صاحب الخدمة بمقابلة انتفاعه بها۔<sup>(۱)</sup>

۵..... اگر دو شخص (صنعتکار) باہم اس شرط پر شرکت منفعت کریں کہ یہ اپنے ذاتی اثر سے آرڈر حاصل کر کے مشترکہ طور پر کام کریں گے، اور جو آمدنی اس کاروبار سے ہوگی اس سے دو حصے ایک شریک کے اور ایک حصہ دوسرے شریک کا ہوگا، تو اس کمی و زیادتی کے ساتھ یہ شرکت صحیح ہوگی (جس کو شرع میں شرکت عنان کہا جاتا ہے) اور ہر شریک پر اس کے انتفاع کے مطابق ہی نقصان کا بار ہوگا:

ولو اتفق اثنان على شركة الاعمال عنانا على ان يتقبلا ما يطرح عليهما من الناس على ان يكون لأحدهما ثلثا الربح وللآخر الثلث، صح بشرط التفاضل على هذا المقدار في الضمان لأن الغرم بالغنم۔<sup>(۲)</sup>

### قاعدہ نمبر (۸۷)

النِّعْمَةُ بِقَدْرِ النِّعْمَةِ وَالنِّعْمَةُ بِقَدْرِ النِّعْمَةِ۔<sup>(۳)</sup>  
 نعمت مشقت کے برابر اور مشقت نعمت کے برابر ہے۔

تشریح

یعنی حصول نعمت بقدر مشقت اور مشقت کا بار بقدر نعمت ہوگا، اس قاعدہ کا پہلا جملہ

(۱) شرح المجلة: ص ۲۳۶ (۲) شرح المجلة: ص ۲۳۶

(۳) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۶ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة السابعة والثمانون، ص ۲۴۱

یعنی ”النعمة بقدر النعمة“ سابقہ قاعدہ نمبر ۸۶ ”الغرم بالغنم“ کے مترادف ہے، اور دوسرا جملہ ”النعمة بقدر النعمة“ سابقہ قاعدہ نمبر ۸۳ ”الخراج بالضمان“ کے مترادف ہے۔

انسان جس کسی شئی سے جس قدر فائدہ اٹھائے گا اسی کے بقدر اس پر اس کے سلسلے میں مشقت و کلفت کا بار ڈالا جائے گا۔

## تفریحات

۱..... اگر کوئی چوپایہ دو شخصوں کے درمیان مشترک ہو اور دونوں میں سے ایک شریک اس چوپائے کی پرورش سے انکار کر دے اور دوسرا شریک اس معاملے کو حاکم کی عدالت میں پیش کرے تو حاکم کا فرض ہوگا کہ وہ دوسرے شریک کو یہ حکم دے کہ یا تو وہ اپنا حصہ فروخت کر دے یا یہ کہ مشترک اس چوپائے پر صرف کرے، حسب قاعدہ حصول نعمت بقدر مشقت و مشقت بقدر حصول نعمت:

إذا كان حيوان مشترك بين اثنين وأبى أحدهما عن تربيته  
وراجع الآخر الحاکم بأمر الحاکم الآبی بقوله ”أما إن تبع حصتك  
وأما إن تربى الحيوان مشتركاً“ لأن النعمة بقدر النعمة  
وبالعكس۔<sup>(۱)</sup>

۲..... جس راہ پر پڑے بچے کے ہمراہ (اس کی پرورش کے لیے) کوئی مال نہ پایا گیا ہو تو ایسے بچہ کی پرورش بیت المال کے ذمہ ہوگی اور اگر (بالغ ہونے کے بعد) یہ بچہ کسی کو خطا قتل کر دے گا تو مقتول کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی اور اس مشقت کے مقابلہ میں بچے کی وراثت کا مال بیت المال کے لیے ہوگا، حسب قاعدہ حصول نعمت بقدر مشقت و مشقت بقدر نعمت:

(۱) شرح المجلة: ص ۲۴۷

كذلك اللقيط الذي لم يوجد معه مال نفقته في بيت المال وإذا

قتل انساناً خطاءً، فدية المقتول من بيت المال وبمقابلة هذه

النعمة ارثه وديعته لبيت المال، لأن النعمة بقدر النقيمة۔<sup>(۱)</sup>

۳..... کسی نے جائیداد خریدی اور باقاعدہ رجسٹرڈ کرایا تو رجسٹری کے تمام اخراجات مشتری کو ادا کرنے ہوں گے کیونکہ یہ رجسٹری مشتری ہی کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے۔

۴..... اگر (حیوان پر قبضہ کرنے اور اس کو استعمال کرنے کے بعد) اس حیوان میں کوئی عیب پایا گیا اور پھر خیار عیب کی بنا پر اس کو واپس کیا گیا اور استعمال سے قبل کسی عیب پر اطلاع نہ تھی، اور اس دوران میں مشتری اس حیوان سے منتفع ہوتا رہا خواہ بصورت کرائے پر دینے کے یا بصورت کسی دیگر آمدنی کے تو مشتری پر یہ لازم نہیں کیا جائے گا کہ وہ بیع کو مع اس آمدنی کے بائع کو واپس کرے کیونکہ بیع اس کی ضمان میں آچکی ہے اگر اس واپسی سے قبل ہلاک ہو جاتی تو اسی کی مملو کہ چیز کا ہلاک ہونا متصور ہوتا (بائع سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوتا) اس مسئلے میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ مشتری کو اس عیب کا پہلے سے علم نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مشتری کو پہلے سے اس عیب کا علم تھا اور پھر اس نے اس شئی کو خریدتا تو اب مشتری کا خیار عیب (عیب کی بناء پر واپسی) کا حق باطل ہو جائے گا۔

۵..... اگر ایک شخص نے کسی خاص مقام تک جانے کے لیے کوئی جانور کرایہ پر لیا اور اس پر سوار ہو کر اس مقام تک گیا اس سے تجاوز نہ کیا اور جانور ہلاک ہو گیا، اور مستاجر کی طرف سے اور کسی قسم کی زیادتی بھی جانور پر نہ ہوئی جس سے جانور کی ہلاکت واقع ہوتی تو اس صورت میں مستاجر محض جانور کا کرایہ ادا کرے گا (جانور کا تاوان اس کے ذمہ نہ ہوگا) کیونکہ اس حالت میں یہ جانور اس کی ضمان (ذمہ داری) میں نہ تھا، لیکن اگر اس مقام سے (جس کے متعلق طے کیا ہوا تھا) یہ شخص تجاوز کر گیا اور پھر جانور ضائع ہو گیا تو اب مستاجر پر جانور کی قیمت کا تاوان لازم ہوگا اجرت لازم نہ ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ مقام مخصوص سے

(۱) شرح المجلة: ص ۲۴۷

متجاوز ہونے کی بناء پر مستاجر غاصب قرار پایا گیا، اب جانور اس کی ضمان میں داخل ہو گیا اور جب یہ اس کا ذمہ دار ہو گیا تو اب جو منفعت اس سے حاصل کر چکا وہ اس کا اپنا حق ہوگا کیونکہ منفعت کی بنیاد ضمان پر ہے۔

۶..... ایک راہن نے اپنے راہن کیسے ہوئے غلام کو راہن ہونے کی حالت میں آزاد کر دیا تو یہ آزادی نافذ ہو جائے گی، اگر راہن مالدار شخص تھا تو اب غلام پر یہ واجب نہ ہوگا کہ وہ اپنی کمائی سے مرہن کا دین ادا کرے اس لیے کہ اس صورت میں مرہن کے لیے راہن سے اپنا دین وصول کر لینا ممکن ہے جبکہ ادائیگی کا وقت آجائے، اور اگر ابھی مدت ادائیگی باقی ہو تو راہن سے غلام کی قیمت وصول کر کے اپنے پاس راہن رکھ سکتا ہے، اور اگر راہن غریب انسان ہے تو اب غلام (آزادی کے بعد) مرہن کے دین کی ادائیگی کے مقدار کے اندازے تک اپنے کسب کے ذریعہ دین کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا، بشرطیکہ غلام کی اپنی قیمت اور دین مساوی ہوں یا دین قیمت سے کم ہو کیونکہ اس صورت میں مرہن کے لیے اپنے دین کا راہن سے وصول کر لینا ممکن نہ ہوگا، لہذا جس نے آزادی کی منفعت حاصل کی ہے اس سے یہ دین ادا کرایا جائے گا اور وہ یہ آزاد شدہ غلام ہے کیونکہ ”الخراج بالضممان“ اور غلام کی اپنی قیمت اور دین کی مقدار سے جو کم ہو اس کا ادا کرنا اس بناء پر مقرر کیا گیا ہے کہ اگر دین کی مقدار قیمت سے کم ہے تب تو مرہن کو اس کا اصل حق پہنچ ہی جائے گا، اور اگر غلام کی قیمت کم ہے تو غلام کو صرف اتنی مقدار ادا کرنے میں فائدہ بھی اسی قدر حاصل ہوا ہے (لہذا اتنے ہی کا وہ ذمہ دار بھی ہوگا)۔

## قاعدہ نمبر (۸۸)

يُضَافُ الْفِعْلُ إِلَى الْفَاعِلِ لَا الْأَمْرِ مَا لَمْ يَكُنْ مُجْبَرًا (۱)  
 فعل کی نسبت فاعل کی طرف ہوگی حکم دینے والے کی طرف نہیں جب تک جبر ثابت نہ ہو جائے۔

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ج ۲۶ شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثامنة والثمانون، ص ۴۴۳



## تشریح

یعنی فعل کی نسبت اس شخص کی طرف ہوگی جس سے فعل صادر ہوا ہوگا لیکن جو فعل کا باعث ہوا ہوگا جب تک اس کی طرف سے جبر کیا جانا ثابت نہ ہوگا فعل کی نسبت اس کی طرف نہ ہوگی۔

شریعت نے حکم دیا ہے کہ خالق کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہ کی جائے، چنانچہ جب ایک عاقل بالغ شخص کو کوئی دوسرا شخص کسی (مسلمان کے) مال ضائع کر دینے کا حکم دے یا کسی کے قتل یا قتل کا ذریعہ ہونے کا حکم دے تو اس کا یہ حکم باطل (نا قابل اطاعت) ہوگا کیونکہ شرعاً ایسے حکم کی مخالفت فرض ہے اور باطل امر کا عدم ہوا کرتا ہے، اسی بنیاد پر فعل اور اس کا اثر فاعل کی طرف منسوب ہوگا حکم دینے والے کی طرف منسوب نہ ہوگا بشرطیکہ فاعل اس فعل پر اس طرح مجبور نہ کیا گیا ہو کہ وہ اس فعل کے بجالانے کے علاوہ اپنے لیے کوئی چارہ کار نہ پاتا ہو جس کو اکراہ ملجی کہا جاتا ہے، اگر ایسی صورت ہوگی تو فعل اور اس کا اثر حکم دینے والے کی طرف منسوب ہوگا۔

## تفریعات

..... اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو کسی کا مال ضائع کرنے کا حکم دیا اور مامور نے مال ضائع کر دیا، اور اس کے بعد یہ معذرت پیش کی کہ فلاں شخص نے اس کو یہ حکم دیا تھا تو مال کا تاوان اس فاعل پر واجب ہوگا اور ادائیگی کے بعد اس فاعل کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ (ضمان میں ادا کیا ہو مال) حکم دینے والے سے وصول کر لے، اس لیے کہ اس کا فعل اور اس کا اثر دونوں فاعل کی طرف منسوب ہوں گے، حکم دینے والے کی طرف منسوب نہ ہوں گے:

لو أمر أحدٌ انساناً بإتلاف مال الغير فأتلفه ثم اعتذر بأن فلاناً

أمره يلزمه الضمان ولا رجوع له على أمره لأن الفعل وحكمه

يضاف إليه لا إلى أمره۔<sup>(۱)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۲۳۸

۲..... اگر کسی نے دوسرے کو راستے میں کنواں کھودنے کا حکم دیا اور مامور نے تعمیل کر دی پھر اس کنویں میں کوئی شخص ہلاک ہو گیا تو جو حکم اس پر مرتب ہوگا وہ کنواں کھودنے والے کے حق میں ہوگا، حکم دینے والے کے حق میں نہ ہوگا:

وكذا لو امره بحفر بئر في الطريق ففعل فوقع فيها انسان او دابة

فالحكم المترتب يلزم الحافر۔<sup>(۱)</sup>

۳..... زید نے خالد کو حکم دیا کہ عمر کو قتل کر دو، اور خالد نے محض زید کے کہنے سے عمر کو قتل کر دیا تو اس جرم کی ذمہ داری خالد پر ہوگی، وہ یہ کہہ کر ذمہ داری سے نہیں بچ سکے گا کہ مجھے زید نے کہا تھا، ہاں اگر صورت حال ایسی ہو کہ زید پستول لے کر خالد کے سر پر آن کھڑا ہوا اور کہا کہ عمر کو قتل کر دو ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گا، اور خالد نے واقعی محسوس کیا کہ اگر اس نے عمر کو قتل نہ کیا تو زید اس کو جان سے مار دے گا اور خالد نے عمر کو قتل کر دیا تو خالد عدالت کے سامنے اپنی مجبوری یعنی اکراہ ثابت کر کے قتل کی ذمہ داری سے بری ہو سکے گا اور جبر کرنے والا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔

### قاعدہ نمبر (۸۹)

إِذَا اجْتَمَعَ الْمُبَاشِرُ وَالْمُتَسَبِّبُ يُضَافُ الْحُكْمُ إِلَى الْمُبَاشِرِ۔<sup>(۲)</sup>

جب کام کرنے والا اور سبب بننے والا دونوں موجود ہوں تو حکم کی نسبت کرنے

والے کی طرف کی جائے گی۔

### حکم کی شرعی تعریف

خطاب شرعی کے بعد مکلف کے فعل کو جو کیفیت حاصل ہوتی ہے اسے حکم کہتے ہیں خواہ وہ کیفیت فرض، واجب، ندب، حرمت یا کراہت کی ہو یا رخصت وغیرہ کی ہو اگر ان میں سے کوئی کیفیت نہ ہو تو کم از کم اباحت کی کیفیت ہوگی اسی کو حکم شرعی کہا جاتا ہے۔

(۱) شرح المجلة: ص ۲۴۸

(۲) الأشباه والنظائر: القاعدة التاسعة عشرة، ص ۱۶۰ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۷

## سبب کی لغوی تعریف

ما یكون طریقاً الى الشيء بواسطة۔

سبب وہ ہے جو کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ ہو کسی واسطے کے ساتھ، مثلاً راستہ اس پر چل کر انسان منزل مقصود تک پہنچتا ہے تو منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے راستہ سبب ہے مشی کے واسطے سے۔

دوسری مثال: ڈول کے ساتھ رسی باندھ کر پانی نکالا جاتا ہے اور ڈول رسی کے واسطے سے پانی تک پہنچاتا ہے، تو ڈول پانی تک پہنچنے کا سبب ہے رسی کے واسطے سے۔

## سبب کی شرعی تعریف

كل ما كان طريقاً الى الحكم بواسطة يسمي سبباً له شرعاً  
ہر وہ چیز جو حکم تک پہنچنے کا ذریعہ ہو کسی واسطے کے ساتھ تو اس چیز کو حکم کے لیے سبب کہا جاتا ہے اور درمیان میں واسطے کو علت کہا جاتا ہے۔

## علت کی لغوی تعریف

”ما يتغير به حال الشيء“ ہر وہ چیز جس سے کسی کی حالت تبدیل ہو جائے اس کو لغتاً علت کہا جاتا ہے، جیسے مرض سے جسم کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے تو مرض کو لغت میں علت کہا جائے گا۔

## علت کی شرعی تعریف

”ما یكون واسطه بين السبب والحكم“ جو چیز سبب اور حکم کے درمیان واسطہ ہو تو اس کو علت کہا جاتا ہے یا اس کی تعریف اس طرح بھی کر سکتے ہیں ”الوصف المعروف للحکم“ جو وصف حکم کی پہچان لانے والا ہے اس کو علت کہتے ہیں۔

## شرط کی لغوی تعریف

”الزام الشيء أو التزامه“ کسی چیز کو لازم کرنا یا اس کا التزام کرنا۔

## شرط کی اصطلاحی تعریف

ما یتوقف علیہ وجود الحکم ویستلزم من عدمہ عدم الحکم۔  
وہ چیز جس پر حکم کا وجود موقوف ہو اور اس کے نہ ہونے سے حکم نہ پایا جاتا ہو، جیسے نماز کے لیے وضو شرط ہے، وضو پر نماز کا وجود موقوف ہے اور وضو کے نہ ہونے سے نماز نہیں ہوگی۔  
الغرض یہ کہ جو چیز حکم تک پہنچانے کا ذریعہ ہو کسی واسطہ کے ساتھ وہ سبب ہے، اور جو واسطہ ہو وہ علت ہے اور جو چیز حکم تک پہنچانے کا نہ ذریعہ ہو اور نہ واسطہ ہو بلکہ حکم اس کے وجود پر موقوف ہو تو اس کو شرط کہتے ہیں۔

## سبب کی تین مثالیں

پہلی مثال: اصطبیل میں گھوڑا تھا ایک شخص نے جا کر اصطبیل کا دروازہ کھول دیا اور گھوڑا بھاگ کر گم ہو گیا تو گھوڑے کا ضائع ہونا حکم ہے، دروازہ کھولنا اس حکم کا سبب ہے اور گھوڑے کا بھاگ کر جانا علت ہے۔

دوسری مثال: پنجرے میں پرندہ تھا کسی نے پنجرے کا دروازہ کھولا اور پرندہ اڑ کر ضائع ہو گیا، تو پرندے کا ضائع ہونا حکم ہے، پنجرے کا دروازہ کھولنا اس حکم کا سبب، اور پرندے کا اڑ کر جانا علت ہے۔

تیسری مثال: غلام آبق (بھاگنے والا غلام) زنجیر میں جکڑا ہوا تھا کسی نے اس کی زنجیر کھول دی تو وہ غلام بھاگ کر ضائع ہو گیا، تو غلام کا ضائع ہونا حکم ہے، زنجیر کھولنا اس کا سبب اور غلام کا بھاگنا اس کی علت ہے۔

## تفریعات

۱..... کسی آدمی نے چھری اٹھا کر چھوٹے بچے کو دے دی اور بچے نے کھیلتے کھیلتے اس چھری سے اپنے آپ کو قتل کر دیا تو چھری دینے والا اس کا ضامن نہیں ہوگا یعنی اس سے بچے کی دیت نہیں لی جائے گی، اس لیے کہ یہاں سبب اور علت دونوں جمع ہو گئے اس طرح

کہ چھری دینا قتل کا سبب ہے اور بچے کا خود اپنے آپ کو قتل کرنا علت ہے، اور یہ علت فاعل مختار کا فعل ہے اس لیے قتل کی نسبت علت کی طرف کی جائے گی، بچے نے خود ہی اپنے آپ کو قتل کیا ہے لہذا چھری دینے والا ضامن نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ چھری بچے کے ہاتھ سے خود بخود گر جائے اور بچے کو زخمی کر دے تو اب زخمی کرنے کی نسبت سبب کی طرف کی جائے گی اس لیے کہ سبب اور حکم کے درمیان فاعل مختار کا فعل واقع نہیں ہے چھری کا گرنا بچے کا اختیاری فعل نہیں ہے تو اس کی طرف حکم کی نسبت کرنا بھی متعذر ہے، جب علت کی طرف حکم کی نسبت کرنا متعذر ہے تو اب حکم کی نسبت سبب کی طرف کی جائے گی، لہذا چھری دینے والے آدمی سے زخمی ہونے کا تاوان لیا جائے گا۔

۲..... کسی آدمی نے بچے کو گھوڑے پر سوار کر دیا اور بچے نے اس کی لگام ہاتھ میں لے کر اس گھوڑے کو چلا دیا اور گھوڑا دائیں بائیں کو دنا شروع ہو گیا اور بچہ گر کر مر گیا تو سوار کرنے والا آدمی دیت کا ضامن نہیں ہوگا، اس لیے کہ گھوڑے پر سوار کرنا مرنے کا سبب ہے اور خود بچے کا گھوڑے کو چلانا مرنے کی علت ہے جو فاعل مختار کا فعل ہے، اس لیے مرنے کی نسبت اسی علت کی طرف کی جائے گی بچے کو سوار کرنے والے آدمی کی طرف اس کے مرنے کی نسبت نہیں کی جائے گی اس لیے اس سے بچے کی دیت بھی نہیں لی جائے گی، لیکن اگر بچے نے گھوڑے کو نہیں چلایا اس نے خود ہی اچھلنا کو دنا شروع کر دیا تو اب سوار کرنے والے کی طرف مرنے کی نسبت کی جائے گی اور اس سے بچے کی دیت لی جائے گی کیونکہ اب علت کی طرف حکم کی نسبت متعذر ہوگئی۔

۳..... ایک آدمی نے چور کی کسی کے مال کی طرف رہنمائی کی اور چور نے اس مال کو جا کر چرا لیا تو رہنمائی کرنے والا ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ چور کا چوری کرنا مال کے ضائع ہونے کی علت ہے اور رہنمائی کرنا اس کا سبب ہے، سبب اور علت دونوں جمع ہو جائیں تو حکم کی نسبت علت کی طرف کی جاتی ہے اس لیے رہنمائی کرنے والے سے مال مسروقہ کا تاوان نہیں لیا جائے گا۔

۴..... ایک آدمی نے قاتل کو مقتول کی جان کی طرف رہنمائی کی اور قاتل نے اس کو قتل کر دیا تو رہنمائی کرنے والا ضامن نہیں ہوگا، اس لیے کہ رہنمائی کرنا قتل کا سبب ہے اور قاتل کا خود قتل کرنا علت ہے اور سبب اور علت دونوں جمع ہو جائیں تو حکم کی نسبت علت کی طرف کی جاتی ہے اس لیے رہنمائی کرنے والا قاتل کا ضامن نہیں ہوگا۔

۵..... ایک آدمی نے قافلے کی طرف ڈاکوؤں کی رہنمائی کی اور ڈاکوؤں نے اس قافلے پر رہزنی کی اور قافلے کو لوٹ لیا تو رہنمائی کرنے والے سے اس ڈاکے کا تاوان نہیں لیا جائے گا اس لیے کہ رہنمائی کرنا اس ڈاکے کا سبب ہے، ڈاکے مارنا اس کی علت ہے اور سبب و علت دونوں جمع ہو جائیں تو حکم کی نسبت علت کی طرف کی جاتی ہے سبب کی طرف نہیں کی جاتی۔

## قاعدہ نمبر (۹۰)

الْجَوَازُ الشَّرْعِيُّ يُنَافِي الضَّمَانَ۔<sup>(۱)</sup>

جواز شرعی ضمان کے منافی ہے۔

## تشریح

یعنی جس فعل کی شریعت کی جانب سے اجازت ہو اگر اس فعل کے ارتکاب سے کسی کو ضرر پہنچ جائے یا نقصان پہنچے تو ایسے فعل کے ارتکاب پر تاوان نہ ڈالا جائے گا یہ کس طرح صحیح ہوگا کہ ایک فعل شرعاً جائز ہو اور پھر اس کے فاعل پر ضمان بھی عائد کر دیا جائے، ان دونوں امر میں منافات ہے، چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی ملکیت میں کنواں کھودا اور اس میں کوئی جانور گر کر مر گیا تو کنواں کھودنے والے پر کوئی تاوان واجب نہ ہوگا۔

جو امر انسان کے لیے شرعاً جائز نہ ہو اس کے ارتکاب سے انسان پر ضمان عائد ہوا کرتا ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے عام راستے پر یا غیر مملوکہ زمین میں کنواں کھودا اور اس سے

(۱) الدر المختار: کتاب الوکالة، ج ۵ ص ۵۲۳، مجلة الأحكام العدلیة: ص ۲۷



- کسی جان کی یا شئی کی ہلاکت واقع ہوگئی تو کھودنے والا اس کا ضامن ہوگا۔
- شرکت عنان یا مضاربت کے دو شریک شرعاً ذیلی تصرفات کا حق رکھتے ہیں۔
- ۱..... شرکت کا مال بضاعت کے طریقہ پر کسی کے سپرد کر دیں۔
- ۲..... کسی شخص کو اجرت پر ملازم رکھ کر تجارت کرائیں۔
- ۳..... شرکت کے مال پر کسی کا دین ہو تو اس کے عوض شرکت کا مال رہن رکھ دیں۔
- ۴..... جو کچھ فروخت کیا ہو اس کے عوض میں کسی سے رہن لے لیں۔
- ۵..... دین شرکت کا کسی پر حوالہ دے دیں وغیرہ۔
- لہذا ان تصرفات کے کرنے پر اگر کوئی نقصان پیدا ہوگا تو متصرف پر ضمان عائد نہ ہوگا کیونکہ ان تصرفات کی ان شرکاء کو شریعت کی جانب سے اجازت ہے، اور شرعی اجازت کے ساتھ ضمان جمع نہیں ہوا کرتا:

ان لأحد الشریکین عناناً أو مفاوضة ان يبضع ويستأجر اجيراً  
 لشيء من التجارة وأن يرهن متاعاً من الشركة بدين وجب  
 يعقده، ويرتهن بما باعه، ويحتال بدين للشركة على آخر، وأن  
 يقابل أحدهما فيما باعه الآخر، الى غير ذلك مما يجوز له فلو فعل  
 شيئاً من هذا فحصل ضرراً لا يضمن لأن الجواز الشرعي ينافي  
 الضمان۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

- ۱..... جو غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہو اس کو کوئی شخص پکڑ لے اور پھر یہ پکڑنے والا غلام کے آقا سے وہ مصارف طلب کرے جو غلام کے سلسلہ میں ہوئے ہوں اور آقا ان کے دینے سے انکار کر دے تو اس پکڑنے والے کو یہ حق حاصل ہوگا کہ مصارف کی وصولی

(۱) شرح المجلة: ص ۲۵۱

تک غلام کو اپنے قبضہ میں رکھے، اور اس قبضہ کی مدت میں اگر غلام ہلاک ہو گیا تو پکڑنے والے پر تاوان نہیں آئے گا کیونکہ اس شخص کو (تا وصولی مصارف) غلام کو اپنے پاس روک لینے کا شرعاً حق حاصل تھا، لہذا شرعی جواز کے موجود ہوتے ہوئے تاوان ساقط ہوگا:

ان العبد الآبق من مولاہ إذا أمسکہ أحدٌ لیرد علیہ فطلب منہ

الجعل حتی یسلمہ العبد فامتنع فأبقاء عندہ حتی یأخذ جعلہ

فہلک، لا ضمان علیہ لأن الجواز الشرعی ینافی الضمان۔<sup>(۱)</sup>

۲..... ایک شخص نے اپنے نابالغ بچوں پر کسی کو وصی مقرر کیا اور کسی دوسرے شخص کے

حق میں تہائی مال کی وصیت کی اس کے بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا، اور اس نے کچھ وراثت

بالغ اور کچھ نابالغ چھوڑے، ان وراثت میں سے بعض حاضر تھے اور بعض غائب تھے اور ترکہ

حاضر وراثت کے قبضے میں تھا، اس صورت میں یہ جائز ہوگا کہ وصی حاکم (عدالت) کے

سامنے یہ دعویٰ پیش کرے کہ غائب وراثت کی جانب سے کسی کو وکیل مقرر کر کے ترکہ تقسیم کیا

جائے اور ایک تہائی مال وصیت کا اس کے حوالہ کیا جائے، اب اگر ایسا کیا گیا اور دو تہائی مال

وراثت کے لیے باقی رکھا گیا اور اس کے بعد کوئی نقصان لاحق ہوا تو وصی اس کا ضامن نہ ہوگا،

کیونکہ وصی نے ایسا فعل کیا ہے جس کی شریعت نے اس کو اجازت دی تھی اور شرع کی

اجازت ضمان کو ساقط کر دیتی ہے۔ اسی پر آپ مودع، مضارب، عاریت پر لینے والے،

کرایہ پر لینے والے، مرہن، متولی وقف، وکیل کے تصرفات کو جن کو شرع نے اجازت دی

ہو قیاس کر لیں:

ولو عین أحدٌ وصیاً علی اولاد الصغار و اوصی لآخر بثلت مالہ، ثم

مات عن ورثة صغار و کبار بعضهم حاضر و البعض غائب و التركة

تحت ید الحاضرين، جاز للوصی ان یطلب من القاضی فصب

وکیل عن الغائب واحداً کان او اکثر و یقسم التركة مع الموصی

(۱) شرح المجلة: ص ۲۵۲

له ويعطيه الثلث فلو فعل وأمسك الثلثين للورثة ثم نشأ من ذلك  
 ضرر عليهم لا يضمن لأنه فعل ما يجوز له شرعاً والجواز الشرعي  
 ينافي الضمان - وعلى هذا الوكيل والمضارب والمودع  
 والمستعير والمستأجر والمرتهن والمتولى على الوقف في كل ما  
 يجوز لهم فعله لا ضمان عليهم - (۱)

۳..... ایک شخص نے اپنے مکان کی تعمیر کے لیے بنیادیں کھودیں اور پھر کوئی شخص  
 وہاں گر گیا اور اس کا بازو ٹوٹ گیا تو مکان کی تعمیر کرنے والا ذمہ دار نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس  
 نے کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا بلکہ اپنے مکان کی تعمیر کے لیے بنیادیں کھودیں جو شرعاً اس  
 کے لیے جائز تھا اور جواز شرعی ضمان کے منافی ہے۔

۴..... کسی نے کوئی جانور کرائے پر لیا کہ اس پر سامان لادے گا اور جتنا سامان عام  
 طور پر ایسے جانور اٹھاتے ہیں اتنا یا اس سے کم بوجھ لادا، مگر وہ جانور بوجھ نہ اٹھاسکا اور گر کر  
 مر گیا تو کرایہ دار ضامن نہیں ہوگا۔

## قاعدہ نمبر (۹۱)

الْمُبَاشِرُ ضَامِنٌ وَإِنْ لَمْ يَتَعَمَّدْ - (۲)

مرتب ذمہ دار ہوگا خواہ قصدا نہ کرے۔

تشریح

اشیاء کے ضائع و ہلاک ہونے کی نسبت اسماً و معنی و حکماً ہر طریقے سے مباشر ہی کی  
 طرف کی جاتی ہے، اسماً اس لیے کہ حکم اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے، معنی اس لیے کہ حکم

(۱) شرح المجلة: ص ۲۵۲

(۲) الأشباه والنظائر: کتاب الغصب، ص ۲۷۷ / مجمع الضمانات: باب فی اتلاف مال الغير،

الفصل الأول، ج ۱ ص ۱۲۶

میں یہی مباشرت مؤثر ہوتی ہے، حکماً اس لیے کہ مباشرت کے وجود کے ساتھ ہی حکم بھی وجود میں آجاتا ہے، لہذا اگر فعل خطا بھی واقع ہو گیا تو فاعل پر اس کا ضمان واجب ہو جائے گا، مثلاً ایک شخص نے شکار کو گولی مارنے کا قصد کیا اور گولی کسی شخص کی مملو کہ بکری کو جا لگی یا یہ کہ فعل میں خطا واقع نہ ہوئی بلکہ فاعل کے گمان نے خطا کی، مثلاً بکری کو پتھر سمجھ کر گولی چلائی یا یہ کہ فعل اور گمان دونوں میں سے کسی میں غلطی نہ ہوئی جیسے ایک سویا ہوا شخص کسی دوسرے کے مال پر کروٹ لینے میں گر پڑا اور مال ضائع ہو گیا، ان تمام صورتوں میں مباشرت پر ضمان واجب ہوگا، قاعدے کی عبارت میں یہ قید رکھی گئی ہے کہ عمداً نہ کیا ہو اس سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ قصداً مباشرت کی صورت میں ضمان کا وجوب بطریقہ اولیٰ ہوگا، اور اس کے ساتھ ہی گنہگار بھی ہوگا لیکن اگر قصد نہ کیا تھا تو محض ضمان واجب ہوگا عند اللہ ماخوذ نہ ہوگا۔

## تفریعات

۱..... ایک شخص نے اپنے مملو کہ میدان میں کسی مقام پر نشانہ بازی کی مشق کی اور گولی اپنی حد سے تجاوز کر کے کسی شخص کی کسی چیز کو ضائع کر گئی تو نشانہ باز اس کا ذمہ دار ہوگا:

رمی سہما الی هدف فی ملکہ فتجاوزہ و اتلف شیئاً لغيرہ ضمن۔<sup>(۱)</sup>

۲..... ایک شخص لڑائی میں دوسرے شخص سے چمٹ گیا اور اس فعل سے دوسرے کی کوئی چیز گر پڑی اور ضائع ہو گئی، فقہاء کرام فرماتے ہیں چمٹنے والا ضامن ہوگا، اس مقام پر کچھ وضاحت کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ اگر گرنے والی چیز مالک کے اتنے قریب گری کہ وہ اس کے صحیح حالت میں اٹھانے پر قادر تھا تو چمٹ جانے والا ضامن نہ ہوگا، اور اگر ایسی حالت نہ تھی تو اب ضامن ہوگا:

تعلق برجل و خاصمہ فسقط من المعلق بہ شیء فضاء، قالوا

یضمن المتعلق، وینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل: ان

(۱) شرح المجلة: ص ۲۵۶

سقط بقرب من صاحبه وهو يراه وامكنه اخذه لا يكون ضامنًا

والا كان ضامنًا۔ (۱)

۳..... ایک شخص نے اپنے مکان میں کسی چیز کو کوٹا اس کی دھمک سے ہمسایہ کی کوئی چیز گر کر ضائع ہوگئی تو کوٹنے والا ضامن ہوگا:

رجل دق في داره شيئاً فسقط من ذلك في دار جاره شيء وتلف ،

كان ضيمان ذلك على الذی دق في داره۔ (۲)

۴..... ایک شخص نے دوسرے کو اپنے مکان کی چھت پر چڑھنے کی اجازت دی یا بیٹھنے کی اجازت دی اور اس شخص کے چڑھ کر بیٹھنے سے مکان کی چھت گر پڑی، جس کی بناء پر اول شخص کا خادم ہلاک ہو گیا تو بیٹھنے والا ضامن ہوگا:

رجل اذن لغيره بالجلوس على سطح داره، فانخسف به فوقه على

مملوك الاذن ضمن الجالس۔ (۳)

۵..... قتل خطاء کا مسئلہ بھی اسی قاعدے کا جزئیہ ہے، مثلاً ایک شخص نے کسی دوسرے کو شکار تصور کر کے تیر مارا، یا نشانہ پر تیر مارا اور تیر کسی انسان کو جا لگا یا نشانہ سے پار ہو کر کسی کو جا لگا اور یہ شخص ہلاک ہو گیا، اس صورت میں دیت اور کفارہ لازم ہوگا، قصاص نہ ہوگا اور نہ اس درجہ گنہگار ہوگا جس درجہ قتل عمد میں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس مباشرت نے احتیاط کا دامن چھوڑ دیا ہوگا اس کو چاہیے تھا کہ اس موقع پر کسی کو (نقصان نہ پہنچنے) کا یقین حاصل کر لیتا، چونکہ یہ شخص فعل کا مرتکب ہے، سبب محض نہیں ہے اس لیے مقتول کی وراثت سے محروم ہوگا:

وعلى هذه القاعدة يتفرع القتل عن مباشرة خطأ كأن يرمى

شخصاً ظنه صيداً او رمى غرضاً فأصابه ثم رجع عنه، او تجاوز عنه

الى ما وراءه فأصاب رجلاً فقتله لا قود فيه بل الدية على العاقلة

(۱) شرح المجلة: ص ۲۵۶ (۲) شرح المجلة: ص ۲۵۶ (۳) شرح المجلة: ص ۲۵۶

وعليه الكفارة ولحقه اثم دون اثم العمد لتركه العزيمة، وهي  
المبالغة في التثبت، ولكونه وقع مباشرة لا تسبباً يوجب حرمان  
الارث۔ (۱)

## قاعدہ نمبر (۹۲)

الْمُتَسَبِّبُ لَا يَضْمَنُ إِلَّا بِالْتَعَمُّدِ۔ (۲)  
متسبب صرف عمداً کرنے پر ہی ذمہ دار ہوگا۔

### تشریح

جو کسی حکم تک پہنچنے کا ذریعہ ہو اس کو متسبب کہتے ہیں یعنی فعل کی تاثیر کے بغیر کسی شئی کے تلف کا سبب ہو جائے اور تلف ہونے میں اثر اس شخص یا اس شئی کا ہو جو سبب اور تلف کے درمیان واسطہ ہے، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علت اس امر کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ فعل کی اس کی جانب نسبت کی جائے، لہذا ایسی صورت میں فعل کی نسبت سبب کی طرف کر دی جاتی ہے، اس محل پر یہ امر قابل غور ہوگا کہ متسبب کا فعل کیسا ہے اگر اس کا فعل، فعل ناحق ہے جیسے عام راستہ پر کنواں کھودنا یا کسی غیر کی ملکیت میں کنواں کھودنا، اگر ایسا ہے تو شئی کے ضائع ہونے پر یہ ضمان ہوگا اگرچہ یہ فعل قصداً نہ کیا ہو، کیونکہ بذاتہ فعل کا ارادہ تو تھا ہی اور اگر کسی مباح فعل کے ذریعہ ہلاکت واقع ہوئی، اب اگر یہ علت مؤثر کی ایجاد کا قصداً سبب ہوا ہے اگرچہ حکم کے منسوب ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تب بھی یہ شخص ضامن ہوگا کیونکہ اس صورت میں بھی تصور کیا جائے گا کہ متسبب نے عمداً ایسا کیا، چنانچہ دفعہ (۹۲۳) میں یہ شرط ملحوظ ہے کہ جس سبب میں تعدی (ظلم) کا معنی موجود ہوگا وہ ضمان کا موجب ہوگا جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا یعنی ضرر رسانی کے سبب کا موجب ضمان ہونا، اس کے لیے یہ شرط ہے

(۱) شرح المجلة: ص ۲۵۶

(۲) البحر الرائق: کتاب الرضاء، المحرمات بسبب الرضاء، ج ۳ ص ۲۴۹ / مجمع الضمانات: باب فی مسائل الجنایات، الفصل الأول، ج ۱ ص ۱۶۵



کہ اس کا ضرر پہنچانے والا فعل ظلماً وجود میں آیا ہوا، مثلاً ایک شخص نے حاکم مجاز کی اجازت کے بغیر عام راستے میں کنواں کھودا اور اس کنویں میں کسی شخص کا جانور گر کر ہلاک ہو گیا تو کنواں کھودنے والا اس کا ضامن ہوگا، لیکن اگر اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودا اور ایسا واقعہ پیش آیا تو اب ضامن نہ ہوگا (کیونکہ اپنی ملکیت میں شرعاً اس کو تصرف کا حق حاصل تھا) معلوم ہوا کہ جو فعل تعدی پر مبنی ہوگا وہ ضمان کا سبب ہوگا لیکن جو فعل کسی ایسے حق کی بناء پر ہوگا جو شرع نے انسان کو عطا کیا ہوگا اور اجازت دی ہوگی وہ ضمان کا موجب نہ ہوگا، چنانچہ اگرچہ کوئی شخص اپنا مکان منہدم کرے اور اس کے منہدم کرنے سے ہمسایہ کے مکان کو نقصان پہنچ جائے تو اول شخص اس کا ضامن نہ ہوگا، اس کی وجہ واضح ہے کیونکہ (اس شخص کے اپنا مکان منہدم کرنے میں) کسی قسم کی زیادتی موجود نہیں۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... اگر کسی شخص کا جانور کسی دوسرے شخص کی وجہ سے خوف زدہ ہو کر بھاگ پڑے اور اس کی ذات سے کسی کو نقصان پہنچ جائے تو دوسرے شخص پر اس کا ضمان عائد نہ ہوگا، البتہ اگر دوسرے شخص نے بالقصد و ارادہ جانور کو بھڑکایا تو ایسی صورت میں اس بھڑکانے والے پر ضمان عائد ہوگا:

لو جقلت دابة أحد من الآخر وفرت فضاغت، لا يلزم الضمان،

وأما إذا كان أجفلها قصدًا يضمن۔<sup>(۲)</sup>

۲..... اگر کسی شکاری کی بندوق کی آواز سے کسی کا جانور خوف زدہ ہو کر بھاگا اور اس سے کسی کو نقصان پہنچا تو شکاری اس نقصان کا ضامن نہ ہوگا، لیکن اگر شکاری کا مقصد ہی بندوق کے فائر سے جانور کو خوف زدہ کرنا تھا تو اب اس نقصان کا ضامن ہوگا:

وكذا إذا جفلت الدابة من صوت البندقية التي رماها الصياد

(۱) شرح المجلة: ص ۲۵۶، ۲۵۷ (۲) شرح المجلة: ص ۲۵۷

قصدا للصيد، فوكت وتلفت أو انكسر أحد أعضائها لا يلزم  
الضمان، وأما إذا كان الصياد قد رمى البندقية بقصد اجفائها،  
يضمن- (۱)

۳..... ایک شخص نے اپنی زمین کے کوڑے کے ڈھیر میں (صفائی کے پیش نظر)  
آگ لگا دی اور یہ آگ پھیل کر اس کے ہمسایہ کی زمین میں نقصان کا سبب ہو گئی تو آگ  
لگانے والا اس کا ضامن نہ ہوگا، لیکن اگر آگ لگانے والے کو اس امر کا اندازہ تھا کہ یہ  
آگ اس کے ہمسایہ کے نقصان کا سبب ہوگی اور پھر اس نے ایسا کیا تو ضامن ہوگا (وجہ  
واضح ہے) کہ جب اس کو آگ لگانے سے ہمسایہ کے نقصان کا اندیشہ تھا اور پھر اس نے یہ  
عمل کیا تو یہ تصور کیا جائے گا کہ اس کا ارادہ نقصان پہنچانے کا ہی تھا:

رجل اراد أن يحرق حصائد أرضه، فأوقد النار في حصائده  
فذهبت النار إلى أرض جارة و أحرقت زرعها لا يضمن إلا أن يعلم  
أنه لو أحرقت حصائده تتعدى النار إلى زرع جارة لأنه إذا علم ذلك  
كان قاصداً إحراق زرع الغير- (۲)

۴..... ایک شخص نے اپنی زمین کو پانی سے سیراب کیا یہ پانی اس کے ہمسایہ کی زمین  
میں پہنچ گیا (اور اس سے ہمسایہ کا نقصان ہو گیا تو اس صورت میں غور کیا جائے گا) اگر پانی  
کی مقدار اتنی زائد تھی کہ پانی دینے والے کی زمین سے دوسرے کی زمین تک پانی کا پہنچ  
جانا لازمی امر تھا اس حالت میں پانی دینے والا نقصان کا ضامن ہوگا کیونکہ ایسی حالت پانی  
دینے والے کے قصد کی علامت ہے، لیکن اگر پانی کی مقدار اتنی تھی کہ وہ پانی دینے والے کی  
زمین تک محدود رہتی تو اس صورت میں اس پر غور کرنا ہوگا کہ پانی دینے والے کے ہمسایہ  
نے اس کو خبردار کر دیا تھا کہ تم زمین کی حد بندی کر کے اس کو مضبوط کر دو، اگر یہ تنبیہ کر دی گئی  
اور پانی دینے والے نے اس طرف کو توجہ نہ دی تھی تو یہ ضامن ہوگا، اور پانی دینے والے کا

(۲) شرح المجلة: ص ۲۵۷

(۱) شرح المجلة: ص ۲۵۷

یہ عمل بالقصد و ارادہ متصور ہوگا، اور یہ عمل ایسا متصور ہوگا جیسا کہ کسی شخص کی دیوار ایک جانب جھک پڑی ہو اور اس جانب کا ہمسایہ دیوار کے مالک کو متنبہ کرنے کہ دیوار کی اصلاح کرائی جائے اور اس تنبیہ پر گواہ قائم کرے لیکن اگر ہمسایہ نے پانی دینے والے کو متنبہ نہ کیا تھا تو ایسی صورت میں پانی دینے والا ضامن نہ ہوگا، اور اگر پانی دینے والے کی زمین بلندی پر تھی اور ہمسایہ کی زمین پستی میں تو ایسی صورت میں یقینی طور پر پانی ہمسایہ کی زمین میں ضروری طور پر پہنچے گا اور پانی دینے والا ضامن ہوگا، اس کو اس امر کا مکلف کیا جائے گا (کہ مضبوط حد بندی کر کے) سیرابی کا عمل اختیار کرے:

سقى أرضه فتعدى الماء الى أرض جارة، فلو أجرى الماء فى أرضه  
اجراء لا يستقر فى أرضه وانما يستقر فى أرض جارة ضمن أى لأن  
هذه الحالة دليل التعمد، ولو يستقر فى أرضه ثم يتعدى الى أرض  
جارة، فلو تقدم اليه جارة بالسکر والإحكام ولم يفعل ضمن  
ويكون هذا كإشهاد على حائط مال ولو لم يتقدم لم يضمن ولو  
أرضه صعوداً وأرض جارة هبوطاً يعلم أنه لو سقى أرضه نفذ الى  
جارة ضمن، ويؤمر بوضع المسناة- (۱)

## قاعدہ نمبر (۹۳)

جِنَايَةُ الْعَجْمَاءِ جُبَارٌ- (۲)

جانوروں سے جو نقصان پہنچے اس کا کوئی بدل نہیں۔

ماخذ

یہ قاعدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

(۱) شرح المجلة: ص ۲۵۷

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۷ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثالثة والتسعون، ص ۲۶۷

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم جرح العجماء جبار والبئر جبار،  
والمعدن جبار، وفي الركاز الخمس۔<sup>(۱)</sup>

## تشریح

اگر جانور اپنی ذات سے کسی کو کوئی نقصان پہنچا دے گا تو جانور کے مالک پر اس کی ذمہ داری نہ ہوگی، اس کی نظیر دفعہ (۹۳۹) کا مسئلہ ہے، وہ یہ کہ دو شخصوں نے کسی ایسے مقام پر اپنے جانور باندھے جہاں ان کو باندھنے کا حق تھا ان جانوروں میں سے ایک نے دوسرے کو سینگ مار دیا (یا کاٹ لیا) تو اس جانور کے مالک پر کوئی ضمان نہ ہوگا یا یہ کہ دو شریکوں نے ایک مقام پر جانوروں کو باندھ دیا اور ایک شریک کے جانوروں نے دوسرے شریک کے جانوروں کو نقصان پہنچا دیا تو ضمان عائد نہ ہوگا، اسی طرح دفعہ (۹۳۱) کا فقرہ اول اور فقرہ سوم اسی دفعہ کی نظیریں ہیں جانور کے نقصان پہنچانے کی صورت میں ہم نے یہ قید لگائی ہے کہ یہ نقصان جانور کے اپنے ذاتی فعل کا نتیجہ ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر جانوروں کے مالکان نے اپنے عمل میں کوئی کوتاہی کی ہوگی یا تعدی (زیادتی) سے کام لیا ہوگا یا وہ اس کا سبب قرار پائے ہوں گے تو ایسے حالات میں ان پر ضمان عائد ہوگا، لہذا اگر کسی شخص کے جانور نے ایسا فعل شروع کیا جس سے کسی کا مال ضائع ہو جائے اور مالک بیٹھا دیکھتا رہا جانور کو روکنے کی کوشش نہ کی تو یہ شخص ضامن ہوگا، دفعہ (۹۲۹) کے نظائر ملاحظہ ہوں۔

ایک شخص نے اپنے گدھے کو دوسرے شخص کی گندم کھاتے دیکھا اور اس کو اس فعل سے باز نہ رکھا، اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ شخص ضامن ہوگا کیونکہ اس شخص نے گدھے کو نہ روک کر اپنے فریضہ کے ادا کرنے میں کوتاہی اختیار کی۔

اسی طرح جانور کا سوار یا آگے، پیچھے سے چلانے والا یہ تمام افراد جانور کے کسی شئی کو نقصان پہنچانے یا ضائع کر دینے کے ذمہ دار ہوں گے کیونکہ جانور کا چلنا، چلانے والے

(۱) السنن الكبرى للنسائی: کتاب الزکاة، زکاة المعدن، ج ۳ ص ۳۵، رقم الحدیث: ۲۲۸۸

مسند احمد: مسند ابی ہریرة، ج ۱۲ ص ۵۲۷، رقم الحدیث ۸۹۷۱

کے تابع ہوتا ہے اس لیے چلانے والے کی طرف منسوب ہوگا، اور فعل کے مباشر کے درجہ میں تصور کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ فعل کا مباشر متعدی ہوا کرتا ہے، ملاحظہ ہو دفعہ (۹۳۳) و دفعہ (۹۳۱) کا پہلا اور تیسرا فقرہ۔

اور ضمان بالتسبب کی مثال: مثلاً کوئی شخص عام راستے میں حاکم کی بغیر اجازت اپنا جانور باندھ دے یا کسی غیر کی ملکیت میں کنواں کھودے ایسی صورت میں جو ضرر کسی کو لاحق ہوگا یہ شخص اس ضرر کا ضامن ہوگا۔

کسی جانور کا نقصان پہنچانا تین طریقے پر ہوا کرتا ہے، اول یہ کہ یہ جانور جس مالک کی ملکیت ہو اس کے نقصان کا باعث ہوا ہو، دوم یہ کہ کسی دوسرے کے نقصان کا باعث ہوا ہو، سوم یہ کہ عامۃ المسلمین کے حق میں ضرر کا سبب ہوا ہو۔

اگر جانور نے خود مالک کی ملکیت کو مالک کی غیر موجودگی میں نقصان پہنچا دیا تو ضمان کا کوئی تصور نہ ہوگا، خواہ جانور کے نقصان پہنچانے کا کوئی بھی طریقہ ہو یعنی جانور کھڑا ہو یا چل رہا ہو یا گلے پاؤں سے نقصان پہنچایا ہو یا دانتوں سے کاٹ کر یا دم مار کر، جانور کا مالک اس کے ساتھ آگے پیچھے سے چلا رہا ہو یا کوئی صورت بھی ہو۔

لیکن اگر مالک اپنے جانور پر سوار تھا اور اس حالت میں جانور نے اپنے پچھلے یا اگلے حصہ سے کسی کو نقصان پہنچا دیا تو ایسی صورت میں مالک اس نقصان کا ضامن ہوگا، اور اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آ گیا جو دیت کا موجب تھا تو اب مالک کے قبیلہ پر دیت کی ادائیگی واجب ہوگی، لیکن اگر صورت یہی رہی اور جانور نے دانتوں سے کاٹ ڈالا یا اچھل کر ٹکر مار دی یا اگلے پاؤں سے اچھل کر چڑھ گیا، تو اب یہ سوار ضامن نہ ہوگا کیونکہ سوار کے لیے جانور کی ان حرکتوں پر قابو پالینا مشکل ہوتا ہے ان سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔

اور اگر جانور کی ضرر رسانی کسی غیر کی ملکیت میں واقع ہوئی تو اس کی ایک صورت یہ ہے کہ جانور اپنے مالک سے چھوٹ کر دوسرے کی ملکیت میں پہنچ گیا ایسی صورت میں جانور کے مالک یا صاحب پر ضمان عائد نہ ہوگا کیونکہ یہ فعل جانور کا اپنا ذاتی فعل ہوگا جس کا کوئی

بدلہ نہیں ہوا کرتا، لیکن اگر جانور کے مصاحب نے خود جانور کو داخل کیا تو ایسی صورت میں جانور مذکورہ طریقوں میں سے جس طریقے سے بھی نقصان پہنچائے گا یہ شخص اس کا ضامن ہوگا، اور اگر مالک کی اجازت سے (اس کی ملک) میں داخل کیا گیا ہے تو اس کا حکم ابتدا میں بیان کیا جا چکا ہے۔

اور اگر عامۃ المسلمین کے حق میں (راستے وغیرہ) میں ضرر رسانی واقع ہوئی تو اگر جانور کا مصاحب اس کو لیے ہوئے کھڑا تھا اور جانور نے اگلے یا پچھلے قدم یا دم یا اچھل کر کسی کو نقصان پہنچا دیا تو یہ مصاحب ضامن ہوگا، اور اگر یہ جانور کے ساتھ نہ تھا بلکہ جانور کو سیدھا ہنکا کر چھوڑ دیا اور جانور سیدھا چلتا رہا تب بھی ضامن ہوگا۔

فتاویٰ ہندیہ کی اس عبارت سے چند ضابطے نکلتے ہیں، اول یہ کہ جب انسان جانور پر سوار ہو اور جانور کسی چیز کو اپنے اگلے یا پچھلے حصہ سے کسی چیز کو پامال کر دے، خواہ وہ خود سوار کی ملکیت ہی میں کیوں نہ واقع ہوا ہو اس کا ضامن ہوگا، اس لیے کہ اس صورت میں ضائع کرنا سوار کی مباشرت متصور ہوگی کہ اس نے جانور کو قابو میں رکھ کر اس کی حفاظت کیوں نہ کی، مگر یہ کہ جانور بھڑک گیا ہو اور سوار کے قابو سے باہر ہو گیا ہو۔

دوم یہ کہ سوار ہونے کے علاوہ صورتوں میں اگر اپنی ملکیت میں رہتے ہوئے نقصان پہنچایا ہے تو کسی صورت میں ضامن نہ ہوگا۔

سوم یہ کہ اگر غیر کی ملکیت میں داخل ہو کر ضرر پہنچایا اس وقت غور کرنا ہوگا، اگر جانور بذات خود غیر کی ملکیت میں داخل ہو گیا ہوگا تو ضمان نہ ہوگا، کیونکہ اس وقت جانور کا فعل اپنا ذاتی فعل ہوگا جس کا کوئی بدل نہیں ہوتا، جانور کے مصاحب کی جانب سے نہ مباشرت کا تصور ہوگا نہ سبب کا اور نہ فرض کی کوتاہی کا، لیکن اگر جانور کا داخلہ اس مصاحب کے فعل کا نتیجہ ہے تو ہر حالت میں مصاحب پر ضمان عائد ہوگا، اور اسی طرح جبکہ عامۃ المسلمین کے راستے میں کھڑا کر دیا گیا ہو کیونکہ ان تمام صورتوں میں مصاحب کی زیادتی متصور ہوگی اس کو اس طرح راستے میں کھڑا کرنے کا حق نہ تھا۔



يجب أن يعلم بأن جناية الدابة لا تخلو من ثلاثة أوجه: أما أن تكون في ملك صاحب الدابة أو في ملك غيره أو في طريق المسلمين - فإن كانت في ملك صاحب الدابة ولم يكن صاحبها معها، فإنه لا يضمن صاحبها، واقفة كانت الدابة أو سائرة، وطئت بيدها أو برجلها، أو نفحت بيدها أو برجلها، أو ضربت بذنبها، أو كدمت -

وان كان صاحبها معها، ان كان قائداً لها أو سائقاً لها، فكذا لا يضمن صاحبها في الوجوه كلها، وان كان صاحب الدابة راكباً عليها والدابة تسير ان وطئت بيده أو برجلها يضمن وعلى عاقلته الدية وان كدمت أو نفحت برجلها أو بيدها، أو ضربت بذنبها، فلا ضمان، أي لعدم امکان التحرز عنه -

وان كانت في ملك غير صاحبها فإن دخلت في ملك الغير من غير ادخال صاحبها بأن كانت منفلة، فلا ضمان على صاحبها أي لأن هذا محض فعلها، وهو جبار، وان دخلت بادخال صاحبها فصاحب الدابة ضامن في الوجوه كلها سواء كانت واقفة أو سائرة وسواء كان صاحبها معها ليسوقها أو يقودها أو كان راكباً عليها أو لم يكن معها، وان كان باذن مالكه فهو كما لو كان في ملكه -

وان كانت في طريق المسلمين، فإن كانت الدابة واقفة في طريق المسلمين صاحبها أو قفها، يضمن ما تلف بفعل الدابة في الوجوه كلها وان كانت سائرة ولم يكن صاحبها، فإن سارت بإرسال صاحبها، فصاحبها ضامن ما دامت تسير في وجهها ولم تسريميناً وشمالاً - (١)

(١) شرح المجلة: ص ٢٥٩، ٢٦٠

## قاعدہ نمبر (۹۴)

الْأَمْرُ بِالتَّصَرُّفِ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ بَاطِلٌ۔<sup>(۱)</sup>

ملک غیر میں تصرف کا حق باطل ہوگا۔

### تشریح

انسان کا کسی شئی یا منافع کے مالک ہونے سے جو حق پیدا ہوتا ہے اس حق کو ملکیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، جیسا کہ دفعہ (۱۲۵) میں کہا گیا ہے کہ شرع نے فقط مالک کے لیے (اس کی مملو کہ شئی) میں تصرف کرنے کا حق تسلیم کیا ہے، لیکن مالک ہونے کے متعدد اسباب ہیں جن کے منجملہ تمام مالی معاوضات اور مہر کا تقرر و خلع و میراث، صدقات، وصیت، وقف، غنیمت، اقتدار، بنجر زمین کی آبادی، بڑی چیز کو اس کی شروط کے ساتھ اٹھا لینا، مقتول کی دیت جس کا مقتول موت سے چند لمحات قبل مالک ہو جاتا ہے اور روح کے پرواز کرنے کے فوراً بعد یہ ملکیت وراثت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

تو انسان اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے، البتہ غیر کی ملک میں اس کی جازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی ملک غیر میں کسی کو تصرف کا حکم دینا یا وکیل بنانا یا اس پر ولایت دینا بھی جائز نہیں ہے، لیکن اگر کسی نے ملک غیر میں کسی کو تصرف کرنے کا حکم دیا اور کوئی نقصان ہو گیا تو ضمان مامور پر آئے گا اور پر نہیں آئے گا، اس لیے کہ مامور کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ ملک غیر میں مالک کی اجازت کے بغیر محض آمر کے کہنے پر تصرف کرتا اس لیے کہ آمر کا اس کو ملک غیر میں تصرف کرنے کا حکم دینا ہی باطل تھا۔

### تفریعات

۱..... ایک مقرض اپنے قرض خواہ کو قرضے کے درہم ادا کرنے کے لیے حاضر ہوا

(۱) مجلة الأحكام العدلیة: ص ۲۷ - شرح القواعد الفقہیة: القاعدة الرابعة والتسعون، ص ۲۵۹

قرض خواہ نے کہا کہ ان کو دریا میں پھینک دو، اگر مقروض نے ایسا کیا تو مقروض کے دراہم ہلاک ہوں گے کیونکہ قرض خواہ جب تک قبضہ نہیں کرے گا اس وقت تک ان دراہم پر اس کی ملکیت ثابت نہ ہوگی، لہذا اس کا حکم کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔

۲..... اگر زید نے عمرو سے کہا تم خالد کی بکری لے جا کر فروخت کر دو اور عمرو نے فروخت کر دی تو عمرو مجرم ہوگا، وہ یہ نہ کہہ سکے گا کہ اس کو زید نے حکم دیا اس لیے کہ زید کا عمرو کو بکری فروخت کرنے کا حکم دینا ہی باطل تھا، کیونکہ یہ ملک غیر میں تصرف کرنے کا حکم تھا۔

۳..... اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ زید کو ایک ہزار روپے دے دو اور مامور نے روپے دے دیئے، تو مامور کو روپیہ واپس لینے کا حق زید سے ہوگا حکم دینے والے سے نہ ہوگا اسی کی وجہ وہی ہے جو بیان کی گئی کہ امر کا حکم صحیح نہ تھا۔

## قاعدہ نمبر (۹۵)

لَا يُجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ بِلاَ إِذْنِهِ۔<sup>(۱)</sup>

کسی کو بغیر اجازت مالک ملک غیر میں تصرف کا حق حاصل نہیں۔

## تشریح

اس قسم کے تصرف کا ناجائز ہونا تمام تصرفات کے ناجائز ہونے کو شامل ہے، چنانچہ سواری لینا، کپڑا پہن لینا (دیوار پر) کڑیاں رکھ لینا، مکان میں داخل ہونا، کسی کی زمین سے راستے گزارنا، یا غیر کی چیز کو عاریتہ دے دینا، یا ودیعت رکھ دینا، اجارے پر دے دینا، صلح کر لینا، ہبہ کر دینا، فروخت کر دینا، رہن رکھ دینا، گرا دینا، تعمیر کر لینا اور دیگر تمام ایسے امور جو عوض کے ساتھ تملیک کا فائدہ دیتے ہوں یا بغیر عوض ان سے کسی کو ملکیت حاصل ہو جاتی

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۷ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الخامسة والتسعون، ص ۲۶۱

ہو، ایسے تمام عقود میں اگر مالک نے ان کے نفاذ کی اجازت دے دی تو نافذ ہو جائیں گے ورنہ باطل ہو جائیں گے۔

## تفریعات

۱..... ایک شخص نے ہانڈی میں گوشت چولہے پر رکھ دیا اور لکڑیاں بھی چولہے میں لگا دیں (اور بس) دوسرے شخص نے (اس کے اس عمل کو دیکھ کر) چولہے کی لکڑیاں آگ سے روشن کر دیں (تا کہ ہانڈی پک جائے) استحساناً ضامن نہ ہوگا:

وضع القدر علی الكانون وتحتها الحطب فجاء آخر و اوقد النار

فطبخ، لا یضمن استحساناً۔<sup>(۱)</sup>

۲..... ایک شخص نے اپنی چکی کے گول میں گندم بھر دیئے اور چکی چلانے والا جانور بھی بھی چکی میں جوڑ دیا، پھر کسی دوسرے شخص نے یہ تصرف کیا کہ جانور کو چلا کر آٹا تیار کر دیا تو یہ چلانے والا ضامن نہ ہوگا، لیکن اگر صورت اس کے برخلاف واقع ہو تو اب ضامن ہوگا:

ولو ان المالك جعل الحنطة فی الذورق وربط الحمار وجاء آخر

فساقه لا یضمن۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اگر کسی شخص کا مٹکا اٹھایا اور وہ گر کر ٹوٹ گیا اٹھانے والا ضامن ہوگا، لیکن اگر مالک کے اٹھاتے وقت اس کی مدد کر رہا تھا کیونکہ مٹکا ایک جانب جھکا ہوا تھا اور اب مدد دینے میں گر پڑا اور ٹوٹ گیا تو اس صورت میں ضامن نہ ہوگا:

رفع جرة فانكسرت ضمن، ولو رفعها صاحبها وأمالها الی نفسه فجاء

آخر وأعانہ فانكسرت، لا۔<sup>(۳)</sup>

۴..... ایک شخص نے دوسرے شخص کا بوجھ اس کے جانور پر بار کر دیا اور جانور (بوجھ سے) ہلاک ہو گیا، بار کرنے والا ضامن ہوگا لیکن اگر خود مالک بار کر رہا تھا اور اس کے بار

(۱) شرح المجلة: ص ۲۶۳

(۲) شرح المجلة: ص ۲۶۳

(۳) شرح المجلة: ص ۲۶۳

کرنے میں امداد کی پھر جانور ہلاک ہو گیا تو ضامن نہ ہوگا:

حمّل علی دابة غیره فهلک ضمن ولو حملها المالك شيئاً فسقط

فحملها آخر فهلکت لا۔ (۱)

۵..... اگر کوئی شخص دوسرے کے قربانی کے جانور کو ایام قربانی کے علاوہ دوسرے ایام میں ذبح کر دے گا تو جانور کا ضامن ہوگا، لیکن قربانی کے ایام میں ایسا کرنے سے ضامن نہ ہوگا:

ذبح اضحیة غیره فی غیر ایامها لا یجوز ویضمن ولو فی ایامها

یجوز ولا یضمن۔ (۲)

۶..... ایک شخص اپنا مکان منہدم کرنے کے لیے مزدور لایا (اتنے میں) ایک دوسرے شخص نے مکان کو منہدم کرنا شروع کر دیا یہ منہدم کرنے والا ضامن نہ ہوگا:

احضر فغلة لهدم دار فجاء آخر وهدمها، لا یضمن استحساناً۔ (۳)

۷..... ایک شخص نے قصاب کے ایسے جانور کو جس کے ہاتھ پاؤں قصاب باندھ چکا تھا، ذبح کر دیا یہ شخص ضامن نہ ہوگا البتہ اگر جانور آزاد تھا تو ضامن ہوگا:

ذبح شاة القصاب، إن بعد ما شد القصاب رجلها لا یضمن والا

ضمن۔ (۴)

## قاعدہ نمبر (۹۶)

لَا یَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ یَأْخُذَ مَالَ أَحَدٍ بِلَا سَبَبٍ شَرْعِيٍّ۔ (۵)  
کسی قانونی سبب کے بغیر کسی شخص کا مال لینے کا اختیار نہیں۔

تشریح

یعنی کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے کا مال قصداً و ارادہً یا خطاً یا سہواً بغیر

(۲) شرح المجلة: ص ۲۶۴

(۱) شرح المجلة: ص ۲۶۴

(۳) شرح المجلة: ص ۲۶۴

(۴) شرح المجلة: ص ۲۶۴

(۵) مجلة الأحكام العدلیة: ص ۲۷ / شرح القواعد الفقہیة: القاعدة السادسة والتسعون، ص ۲۶۵

کسی شرعی وجہ کے لئے سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں کے حقوق قابل احترام ہیں، خطا یا بھول یا مزاح سے ان حقوق کا احترام ساقط نہیں ہوا کرنا چنانچہ غصب، سرقہ، جوا، سود، رشوت، جھوٹا دعویٰ، جھوٹی شہادت، جھوٹی قسم، یا ظالمانہ صلح جیسے طریقوں سے کسی کا مال حاصل کرنا (یا ضائع کرنا) کسی کے لئے حلال نہ ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمہ کے فریقین سے ارشاد فرمایا: تم لوگ میرے پاس اپنے مقدمات لے کر آتے ہو، بہر حال میں بشر ہوں اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے ایک فریق دوسرے کے مقابلے میں اپنی حجت پیش کرنے اور سحر بیانی کی بنا پر اعلیٰ درجہ رکھتا ہو اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، لہذا تم میں جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ میں نے اس کے بھائی کے حق کا اس کے حق میں فیصلہ کر دیا ہے تو اس دوسرے کو چاہیے کہ (میرے فیصلہ کی بناء پر) وہ حق نہ لے کیونکہ اس حق کا لینا اس کے لئے جہنم کا ایک حصہ ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... اگر مدعی اور مدعی علیہ نے اس امر پر صلح کر لی کہ فلاں شئی مدعی لے لے، اور مدعی جانتا تھا کہ اس صلح سے قبل وہ شئی اس کی نہ تھی تو یہ صلح باطل ہوگی یعنی مدعی پر لازم ہوگا کہ یہ شئی مدعا علیہ کو واپس کر دے:

لو تصالح المدعی والمدعی علیہ علی شئی أخذہ المدعی ثم قال

المدعی بعدہ: ما کان لی قبلہ حق، بطل الصلح ای ووجب علی

المدعی رد ما أخذہ من المدعی علیہ۔<sup>(۲)</sup>

۲..... ایک شخص یہ خیال کر کے کہ وہ فلاں شخص کا مقروض ہے اپنے اس خیال کے

مطابق کچھ رقم دے دی، اور دینے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا خیال صحیح نہ تھا تو جو کچھ دیا ہوگا

(۱) صحیح بخاری: کتاب المظالم والغصب، باب اثم من خاصم فی باطل، ج ۳ ص ۱۲۱، رقم

الحدیث: ۲۳۵۸

(۲) شرح المجلة: ص ۲۶۵



واپس لے سکے گا، اور اگر دیا ہوا ضائع ہو چکا ہوگا تو اس کے بدل کا مطالبہ کر سکے گا:

وقد صرحوا بأن من ظن أن عليه ديناً فبان خلافه، رجع بما أدى

ولو كان قد استهلكه رجع ببذله۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اگر مشتری نے بیع میں کسی قدیم عیب کی اطلاع پائی جو کہ بائع کے پاس سے پیدا شدہ تھا اور ساتھ ہی ایک جدید عیب مشتری کے اپنے پاس پیدا ہو چکا تھا (جو بیع کی واپسی کا مانع تھا) اس لیے مشتری نے بائع کے عیب کے مطابق بیع کے نقصان کے مقابلے میں بائع سے رقم حاصل کر لی، اس کے بعد جو عیب مشتری کے پاس پیدا ہوا تھا وہ بیع سے دور ہو گیا اور بیع اپنی اُس حالت پر لوٹ آئی جو بائع کے پاس تھی، اور اس قابل ہو گئی کہ بائع کو واپس کیا جاسکے اور مشتری نے واپس کرنا چاہا تو اب مشتری کو بیع اور وہ رقم جو اس نے بقدر نقصان بائع سے لی تھی دونوں بائع کو واپس کرنا ہوں گے کیونکہ جب بیع پوری قیمت کی وصولی کے ساتھ بائع کو واپس کر دی گئی تو اب مشتری کو اس معاوضہ سے جو اس نے عیب کی بناء پر بقدر نقصان وصول کیا تھا انتفاع کا حق نہیں پہنچتا اس لیے اس کو اپنے پاس نہیں روک سکتا:

كذلك لو اطلع المشتري على عيب قديم في المبيع كان عند

البائع بعد حدوث عيب آخر عنده مانع من الرد، وأخذ من البائع

نقصان العيب، ثم زال العيب الحادث فأراد رده على بائعه يرد

المبيع مع النقصان، لأنه إذا رده واعد له الثمن يكون ما أخذه

من نقصان العيب، بلا سبب شرعي لانفساخ البيع فلا يحل له۔<sup>(۲)</sup>

## قاعدہ نمبر (۹۷)

تَبَدُّلُ سَبَبِ الْمِلْكِ قَائِمٌ مَقَامَ تَبَدُّلِ الذَّاتِ۔<sup>(۳)</sup>

ملکیت کے سبب کی تبدیلی شئی کے ذات کی تبدیلی کے قائم مقام ہوتی ہے۔

(۲) شرح المجلة: ص ۲۶۵

(۱) شرح المجلة: ص ۲۶۵

(۳) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۸ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة السابعة والتسعون، ص ۳۶۷

ماخذ

یہ قاعدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

عن انس بن مالک صلی اللہ علیہ وسلم قال: أتى النبي بلحم فقيل

تُصَدِّقَ على بريرة، قال: هو لها صدقة ولنا هدية۔<sup>(۱)</sup>

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ گوشت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے صدقہ ہے لیکن ان کی جانب سے ہمارے لیے ہدیہ ہوگا یعنی جب تم نے گوشت کے مالک سے لیا اس وقت یہ تمہارے لیے صدقہ تھا اب تمہاری ملکیت میں آنے کے بعد تمہاری جانب سے ہمارے لیے ہدیہ ہوگا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملکیت کے تبادلے سے شئی کی ذات میں تبدل پیدا ہو جاتا ہے۔

## تفریعات

۱..... ایک فقیر نے جب زکوٰۃ کی رقم لے لے اور اس کے بعد اپنی جانب سے یہ رقم کسی ہاشمی یا مالدار کو بطور ہبہ پیش کر دے تو ہاشمی اور مالدار کے لیے اس کا لینا جائز ہوگا، کیونکہ ملک کی تبدیلی سے شئی کی ذات میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے:

منها ان الفقير إذا أخذ زكاة ثم وهبها لغني أو هاشمي أو باع منهما

حل ذلك المال لهما، لتبدل العين بتبدل الملك۔<sup>(۲)</sup>

۲..... ایک شخص نے اپنی زندگی میں (بحالت صحت) اپنے کسی رشتہ دار کو صدقہ دیا، اس کے بعد جس کو صدقہ دیا گیا فوت ہو گیا اب یہ صدقہ کی ہوئی چیز بذریعہ وراثت صدقہ کرنے والے کے حصہ میں واپس آئی تو صدقہ کرنے والا اس کا مالک ہوگا، اور اس کے صدقہ کا ثواب اپنی جگہ قائم رہے گا:

ومنها لو تصدق رجل على قريبه فمات المتصدق عليه وعادت

الصدقة اليه بالوراثة، ملكها وما ضاع ثوابه۔<sup>(۳)</sup>

(۱) صحیح بخاری: کتاب الہبۃ وفضلها، باب قبول الہبۃ، ج ۳ ص ۱۵۵، رقم الحدیث: ۲۵۷۷

(۲) شرح المجلة: ص ۲۶۲ (۳) شرح المجلة: ص ۲۶۲

۳..... اگر موہوب لہ نے موہوبہ کو اپنی ملک سے (کسی تصرف کے ذریعہ) خارج کر دیا اور دوسرے کی ملکیت میں پہنچ گئی، مثلاً ہبہ کر دیا یا فروخت کر دیا تو اب واہب کو ہبہ سے رجوع کا حق حاصل نہ ہوگا کیونکہ تبدیل ملک سے شئی میں تبدیلی آگئی:

ان الموهوب له لو أخرج الموهوب عن ملكه الى آخر ببيع أو هبة،  
لا يبقى للواهب صلاحية الرجوع بالهبة لأن الموهوب بالانتقال  
من مالك الى آخر صار كأنه شئ آخر حكماً وإذا كان تبدل صفة  
الموهوب يمنع الرجوع۔<sup>(۱)</sup>

۴..... اگر ایک شخص نے یہ دعویٰ کیا فلاں شئی اس کو اس کے باپ سے وراثت میں ملی ہے، اور شاہدوں نے اپنی شہادت میں بیان کیا کہ وہ اس کی ماں کی طرف سے اس کو وراثت میں پہنچی ہے، تو شاہدوں کی شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ شہادت میں ایسی چیز کی ملکیت کا دعویٰ کیا گیا ہے جو مدعی کے دعوے کے برخلاف ہے، اس لیے کہ سبب ملک کی تبدیلی شئی کی ذات کی تبدیلی کے قائم مقام ہوتی ہے:

كذلك لو ادعى ملكا ارثا عن أبيه وشهد شهوده بأنه ورثه من أمه  
لا تقبل شهادتهم لعدم موافقتها للدعوى لأن تبدل سبب الملك  
قائم مقام تبدل الذات۔<sup>(۲)</sup>

۵..... جب مشتری کسی شئی کے خریدنے کے بعد بائع کے حق میں اس شئی کی (طے شدہ) قیمت میں اضافہ کر دے اور بائع اس اضافہ کو قبول کر لے تو بشرط قیام شئی مبیعہ میں یہ زیادتی مشتری کے ذمہ واجب ہو جائے گی، البتہ اگر مبیعہ ضائع ہو گیا خواہ حقیقتاً ضائع ہو، یا حکماً تو اب یہ زیادتی مشتری پر لازم نہ ہوگی، حکماً ضائع ہونے کا یہ معنی ہے کہ مشتری نے مبیعہ کو کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا ہو اور پھر یہ مبیعہ دوسری بیع کے ذریعہ مشتری کے پاس آ گیا ہو، اور اب مشتری اول بائع کے حق میں (اول بیع کی قیمت کے لحاظ سے

(۲) شرح المجلة: ص ۲۶۷

(۱) شرح المجلة: ص ۲۶۶

اضافہ کرے) تو یہ اضافہ مشتری کے ذمہ واجب نہ ہوگا کیونکہ ملک کی تبدیلی سے مبیعہ میں بھی تبدیلی واقع ہوگئی جیسا کہ یہ اصول ہے کہ سبب ملک کی تبدیلی شئی کی ذات کی تبدیلی کا باعث ہوتی ہے:

ان المشتري إذا زاد في الثمن بعد العقد، وقبل البائع تلك الزيادة في المجلس لزمته، لكن بشرط قيام المبيع وقت الزيادة فلو بعد هلاكه ولو حكماً لا يصح والهالك الحكمي تبديل الملك، نحو أن يخرج المشتري عن ملكه، ثم يعود إليه بشراء ونحوه فلا تلزم الزيادة حينئذ لأن تبديل سبب الملك قائم مقام تبديل الذات۔ (۱)

۶..... ایک شخص نے کسی سے گندم خریدنے کا اظہار کرتے ہوئے (ان کی قیمت میں) اپنے ذمہ ایک ہزار روپیہ کے واجب ہونے کا اقرار کیا، اس کے بعد کشمش کی خریداری کے سلسلہ میں ایک ہزار کی رقم کا اقرار کیا تو اس شخص پر دونوں رقمیں واجب ہوں گی کیونکہ اسباب کی تبدیلی مسببات کی تبدیلی پر دلالت کرتی ہے، چنانچہ مذکورہ مسئلہ میں ایک صورت میں مال کے وجود کا سبب گندم ہے اور دوسری صورت میں کشمش ہے:

ولو أقر رجل بألف ثمن حنطة ثم بألف ثمن زبيب لزمه المألان ألفان، لأن اختلاف الأسباب يدل على اختلاف المسببات۔ (۲)

## قاعدہ نمبر (۹۸)

مَنْ اسْتَعْجَلَ الشَّيْءَ قَبْلَ أَوَانِهِ عُوِقِبَ بِحَرْمَانِهِ۔ (۳)

جو شخص کسی شئی کو قبل از وقت حاصل کرنا چاہے گا اس کو اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی۔

(۲) شرح المجلة: ص ۲۶۷

(۱) شرح المجلة: ص ۲۶۷

(۳) الأنشباہ والنظائر: القاعدة الخامسة عشرة، ص ۱۵۶ مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۸

## تشریح

یعنی جو شخص کسی شئی سے اس کے وقت سے پہلے فائدہ اٹھانا چاہے گا اس کو یہ سزا دی جائے گی کہ اس کو فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا جائے، لہذا جو شخص جلد میراث حاصل کرنے کی غرض سے اپنے مورث کو عمد یا بطور شبہ عمد یا خطا قتل کر دے گا تو وہ مورث کی میراث سے محروم کر دیا جائے گا یعنی قاتل کو مورث کی میراث نہ ملے گی، البتہ اگر قاتل قتل کا سبب ہوا ہوگا تو محروم نہ ہوگا کیونکہ قتل کا سبب ہونے والا حقیقی قاتل نہیں ہوتا، مثلاً ایک شخص کسی دوسرے کی مملوکہ زمین میں کنواں کھودے اور اس کنویں میں اس کھودنے والے کا مورث گر کر ہلاک ہو جائے تو یہ کنواں کھودنے والا محروم نہ ہوگا بلکہ اس پر دیت واجب ہوگی، اس قاعدے محرومی کو کسی قید سے مقید نہیں کیا بلکہ مطلق چھوڑا گیا ہے حالاں کہ اس کے لیے ایک قید معتبر ہے وہ یہ کہ یہ قتل کرنا بصورت قصاص یا کسی دیگر شرعی حق کی بناء پر واقع نہ ہوا ہو، چنانچہ اگر ایک عادل وارث اپنے مورث کو باغی ہونے کے سبب قتل کر دے گا تو یہ اس کی میراث سے محروم نہ ہوگا کیونکہ یہ قتل بحکم شرعی تھا۔

مثال: اگر شوہر نے مرض الموت میں اپنی بیوی کو تین طلاق اس کی رضا مندی کے بغیر صرف اس لیے طلاق دی کہ اس کو وراثت سے محروم کر دے تو وہ وارث بنے گی:

لو طلقها ثلاثا بلا رضاها قاصدا حرمانها من الارث فی مرض موتہ  
فانھا ترثہ۔ (۱)

مثال: ایک شخص جلد وراثت حاصل کرنے کے لیے اپنے والد یا کسی اور مورث کو قتل کر دے تو اسے اپنے اس مورث کی جائیداد کی وراثت سے محروم کر دیا جائے گا:

حرمان القاتل مورثہ عن الارث۔ (۲)

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ چند مسائل اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔

(۱) الأشباہ والنظائر: ص ۱۵۶ (۲) الأشباہ والنظائر: ص ۱۵۶

۱..... یہ کہ ام ولد لونڈی اگر اپنے آقا کو قتل کر دے گی تب بھی آزاد ہو جائے گی  
آزادی سے محروم نہ ہوگی:

الأولى: قتلت أم الولد سیدھا عتقت و لم تحرم۔

۲..... مدبر غلام اگر اپنے آقا کو قتل کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا اور کسب کے ذریعہ  
اپنی پوری قیمت (ورثاء) کو ادا کرنا ہوگی، کیونکہ غلام کو مدبر بنانا موت کے بعد اس کے  
تصرفات کا نفاذ ہوتا ہے جو وصیت کے حکم میں متصور ہوتا ہے، اور یہ امر واضح ہے کہ قاتل  
کے حق میں وصیت صحیح نہیں ہوتی:

الثانية: قتل المدبر سیدہ عتق، ولكن يسعى في جميع قيمته لأن

التدبير وصية بالعتق بعد الموت ولا وصية لقاتل۔

۳..... اگر دائن اپنے مدیون کو قتل کر دے تو اس کا میعاد دین فوری ادائیگی کے قابل  
ہو جائے گا:

الثالثة: قتل صاحب الدين المديون حل دينه۔

۴..... ایک شخص نے اپنی بیوی کو اس ارادے سے بیوی بنائے رکھا کہ اس کے مرنے  
کے بعد یہ شوہر اس کا وارث ہو حالانکہ زوجہ کے ساتھ اس کا برتاؤ شوہر جیسا نہ تھا:

الرابعة: امسك زوجته مسينا عشرتها لأجل ارثها ورثها۔

۵..... شوہر نے اپنی زوجہ کو طرح طرح کی تکالیف دیں تاکہ زوجہ خلع پر مجبور ہو جائے  
چنانچہ زوجہ نے خلع چاہا خلع نافذ ہوگا:

الخامسة: امسكها كذلك لأجل الخلع نفذ۔

۶..... ایک عورت نے نماز کے وقت حیض جاری ہو جانے کے لیے دوا استعمال کی  
جس سے حیض جاری ہو گیا اس پر اس نماز کی قضا لازم نہ ہوگی:

السادسة: شربت دواء فحاضت لم تقض الصلوة۔

۷..... زکوٰۃ سے جان بچانے کے لیے ایک شخص نے سال تمام ہونے سے قبل اپنا



مال فروخت کر دیا یہ عمل صحیح ہوگا زکوٰۃ واجب نہ ہوگی:

السابعة: باع مال الزکوٰۃ قبل الحول فراراً عنها صح ولم تجب -

۸..... رمضان مبارک کی شب میں ایک شخص نے اس ارادے سے دوا پی کہ وہ مریض ہو جائے تاکہ صبح کو روزہ نہ رکھنا پڑے، اور صبح ہونے پر ایسا ہی ہوا اس شخص کے لیے افطار جائز ہوگی:

الثامنة: شرب شيئاً ليمرض قبل الفجر فأصبح مريضاً جاز له

الفطر - (۱)

## قاعدہ نمبر (۹۹)

مَنْ سَعَى فِي نَقْضِ مَا تَمَّ مِنْ جِهَتِهِ فَسَعِيَهُ مَرْدُودٌ عَلَيْهِ - (۲)

جو شخص اس کی سعی کرے گا کہ کسی ایسی بات میں تناقض پیدا کرے جو کہ خود اس کی طرف سے مکمل ہو چکی ہو تو اس کی یہ سعی اس پر رد کر دی جائے گی۔

تشریح

کیونکہ اس کے اس پہلے عمل میں جو اس کی جانب سے مکمل ہو چکا تھا اور دوسرے عمل میں جس سے یہ نقص کی کوشش کر رہا ہے منافات و تعارض ہوگا، اور ایسا عمل دو تناقض کلاموں کے درمیان مدافعت پیدا کرنا متصور ہوتا ہے اور دعویٰ کی سماعت کو نامقبول بنا دیتا ہے لہذا اس شخص کی ایسی کوشش مردود متصور ہوگی۔

## تعریفات

۱..... ایک شخص نے اپنا غلام فروخت کیا مشتری غلام کی قیمت کی ادائیگی کے بعد غلام

(۱) شرح المجلة: ص ۲۶۸ / الأشباه والنظائر: ص ۱۵۶

(۲) الأشباه والنظائر: كتاب القضاء والشهادات والدعاوى، ص ۲۲۶ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۸

کو اپنے ہمراہ لے گیا اور غلام (اپنے متعلق ہر قسم کے) کے اظہار پر قادر تھا لیکن اس کے باوجود (اس خرید فروخت کے عرصہ میں) خاموش رہا اس کی یہ خاموشی اس امر کی دلیل ہوگی کہ وہ غلام ہی تھا، اب اگر اس کے بعد یہ غلام اپنی حریت کا دعویٰ کرے گا تو یہ دعویٰ اس کا قابل سماعت نہ ہوگا کیونکہ اس کا یہ دعویٰ اس کے اول فعل کے منافی ہوگا، مگر یہ کہ اپنے دعوے پر (قانونی) حجت پیش کر دے:

فلو باء عبدًا وقبضه المشتري وذهب به الى منزله والعبد ساكت

وهو ممن يعبر عن نفسه فهو اقرار منه بالرق فلا يصدق في دعوى

الحرية بعده لسعيه في نقض الا ان يبرهن فيقبل۔<sup>(۱)</sup>

۲..... کسی شخص کے قبضہ میں ایک معین شئی ہو اور وہ یہ ظاہر کرے کہ یہ شئی اس کی اپنی نہیں ہے اور اس کے مقابلے میں دوسرا شخص اس شئی کا دعویدار موجود ہے جو اپنی ملکیت کا دعویٰ کر رہا ہے، تو اول شخص کا (اظہاری) قول اس امر کا اقرار ہوگا کہ وہ شئی مدعی کی مملوکہ ہے حتیٰ کہ اپنے (سابق قول کے بعد) اگر اس شئی کے متعلق یہ کہے گا کہ میری اپنی مملوکہ ہے تو یہ قول اب ناقابل قبول ہوگا:

عين بيد رجل يقول "هو ليس لي" وهناك من يدعيه يكون

اقرارًا بالملك للمدعي حتى لو ادعاه لنفسه لا يقبل۔<sup>(۲)</sup>

۳..... ایک شخص نے کسی شئی کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ یہ شئی اس کو صدقہ میں دی گئی تھی جس کو ایک سال کا عرصہ ہو چکا، اس کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ دو ماہ ہوئے ہیں کہ اس نے صدقہ کرنے والے سے اس شئی کو خریدا ہے اور اس دعویٰ پر شہادت بھی پیش کر دی اس شخص کا یہ دعویٰ قابل قبول نہ ہوگا مگر یہ کہ یہ شخص اپنے دونوں قول میں تطبیق کر دے، مثلاً یہ بیان کرے کہ اولاً صدقہ کرنے والے نے اس کو یہ چیز صدقہ میں دی تھی اور اس شخص نے اس پر

(۱) رد المحتار: کتاب البيوع، باب الاستحقاق، مطلب في مسائل التناقض، ج ۵ ص ۲۰۰

(۲) شرح المجلة: ص ۲۷۰

قبضہ بھی کر لیا تھا اس کے بعد یہ چیز اول صدقہ کرنے والے کے پاس کسی ذریعہ سے دوبارہ پہنچ گئی تھی، مثلاً عاریۃً اس نے لی تھی یا اس دوسرے نے اول کے پاس ودیعت کر دی تھی اور واپس طلب کرنے پر دینے سے انکار کر دیا تھا لہذا (مجبوراً) قیمت دے کر میں نے اس کو دوبارہ خرید لیا، یعنی (اپنے دونوں قول کے درمیان) تطبیق بیان کرتے ہوئے یہ تفصیل کی کہ اولاً یہ صدقہ ہی کی گئی تھی اور خریداری اپنی (صدقہ سے مملو کہ) شئی کو چھوڑانے کی غرض سے (بعد میں) کی گئی:

لو ادعی الصدقة منذ سنة، ثم ادعی الشراء منه منذ شهرين وأقام  
البينة لا تقبل الا إذا وفق فقال: تصدق علی وقبضته ثم وصل  
الیہ بسبب من الأسباب ای كاعارة وايداع، فجحدنی الصدقة  
فاشتریتها، و بین أن الصدقة هی السبب والشراء كان تخليصاً  
لملكه۔ (۱)

۴..... ایک شخص نے یہ اقرار کیا کہ فلاں شخص کے ذمہ اس کا کوئی حق نہیں ہے، اس کے کچھ عرصہ بعد اس دوسرے کے قبضہ میں غلام کے متعلق کہا کہ یہ غلام دوسرے نے اس سے غصب کر لیا تھا تو یہ دوسرا قول اس کا قابل قبول نہ ہوگا، مگر یہ کہ یہ مقرر اپنے اقرار کے بعد کسی زمانے میں غلام کے غصب کیے جانے پر کوئی حجت قائم کر دے کیونکہ اس کے اقرار کے ذریعہ فلاں شخص کا (اس کے حق سے) بری الذمہ ہونا قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے، اب اس ثبوت کی نفی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں (اسی طرح کی) قطعی حجت قائم کر دے اور اس قسم کی حجت شہادت قائم کر دینا ہے:

أقر أنه لا حق له قبل فلان، ثم ادعی قسًا بیده أنه غصبه منه لا  
تصدق الا أن برهن علی غصبه بعد اقراره اذ البراءة تثبت  
بیقین ای هو الاقرار فلا يبطل حکمها الا بیقین وهو البينة۔ (۲)

(۱) الفتاویٰ الہندیۃ: کتاب الدعوی، الباب الثامن، ج ۲ ص ۷۱

(۲) شرح المجلة: ص ۲۷۱

۵..... ایک شخص نے یہ اقرار کیا کہ فلاں شئی فلاں شخص کی مملوکہ ہے اور چوں کہ میں اس کا وکیل ہوں اس لیے یہ چیز میرے قبضہ میں ہے، اس کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ یہ چیز میری ملکیت ہے تو اس کا یہ دعویٰ ناقابل سماعت ہوگا کیونکہ اس کے دونوں (اول و ثانی) قول ایک دوسرے کے متناقض ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی چیز فلاں کی مملوکہ بھی ہو اور خود اس کی اپنی مملوکہ بھی ہو، مگر یہ کہ یہ شخص اپنے دونوں قول میں فوری طور پر تطبیق کر دے اور یہ کہے کہ واقعی یہ شئی اولاً اس فلاں شخص ہی کی تھی لیکن اس کے بعد (والے زمانے میں) میں نے اس سے اس شئی کو خرید لیا تھا اور اس قول کو شہادت سے ثابت بھی کر دے:

ادعی لغیره بوکالة ثم ادعاه لنفسه، لا تسمع لأن ما هو ملکہ لا  
یضیفه إلی غیره عند الخصومة فتتمکن المنافاة الا أن یوفق بأن  
یقول کان له ثم شریته منه، و برهن علی ذلك۔<sup>(۱)</sup>

### قاعدہ نمبر (۱۰۰)

الْحَرَجُ مَرْفُوعٌ۔<sup>(۲)</sup>

حرج کو اٹھالیا گیا ہے۔

### حرج کا لغوی معنی

”اصل الحرج الضیق“ حرج کی اصل تنگی ہے، حرج کا لغوی معنی تنگی ہے۔ حضرت  
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مفہوم نقل کیا گیا ہے:

الحرج ما لا مخرج له.

یعنی حرج سے مراد ایسی صورت حال ہے جس سے نکلنا ممکن نہ ہو۔

(۱) شرح المجلة: ص ۲۷۲

(۲) الموافقات للشاطبی: کتاب المقاصد، القسم الأول، النوع الثالث، ج ۲ ص ۲۳۳ / الفتاویٰ  
الکبری: کتاب الطلاق، مسألة فسخ الحاکم نکاحها عقب الولادة، ج ۲ ص ۲۳۲

یہی وجہ ہے کہ دین اسلام میں حرج اور تنگی کو روا نہیں رکھا گیا اس لیے کہ دین سب کے لیے ہے اور سب نے اس پر عمل کرنا ہے، جب اس میں حرج اور تنگی ہوگی تو سب اس پر عمل نہیں کر سکتے اس لیے دین میں حرج اور تنگی بالکل ہی نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَ لَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ

عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱﴾

اللہ تعالیٰ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ چاہتے ہے کہ تمہیں پاک

کریں اور تم پر اپنی نعمت پوری کریں تاکہ تم شکر ادا کرو:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ

اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

قرآن کریم میں معذور افراد کے لیے تنگی کے نہ ہونے کا ذکر موجود ہے، اور سورہ فتح اور سورہ نور میں بھی اس کی تفصیل سے بات آئی ہے، ان سب کا قدر مشترک مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کسی بھی صورت میں حرج اور تنگی میں نہیں ڈالتے بلکہ آسانی مہیا کرتے ہیں تاکہ بندوں کی زندگی خوش اسلوبی سے گزرے، اسی مضمون کے حوالے سے کہ دین میں حرج نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

انما ذلك سعة الاسلام ما جعل الله من التوبة و الكفارات۔ (۲)

یہ (دین میں حرج نہ ہونا) اسلام کی وہ وسعت ہے جو اللہ تعالیٰ نے توبہ اور

کفارہ کی شکل میں عطا کی ہے۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۰ھ) نے دین میں تنگی نہ ہونے کی حکمت یہ بتائی ہے کہ اس سے بندے کے جسم، عقل، مال یا کسی حالت میں کوئی ضرر یا فساد واقع ہونے کا اندیشہ تھا اسی بناء پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ جہاں کہیں بھی حکم کی بجا آوری میں تنگی پائی جائے وہاں تخفیف و رخصت مہیا کر کے حرج کو دور کیا جائے۔

(۲) الموافقات: ج ۲ ص ۲۷۲

(۱) المائدہ: ۶

## رفع حرج

حرج کا اطلاق بھی ہر ایک قسم کی تنگی پر نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد صرف وہی حرج معتبر ہے جو غیر معمولی ہو اور بندوں کے لیے حقیقی مشقت کا باعث بنے، علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح یوں کی ہے:

أصل الحرج الضيق فما كان من معتادات المشقات في الأعمال

المعتاد مثلها فليس بحرج لغةً ولا شرعاً۔<sup>(۱)</sup>

حرج کی اصل تنگی ہے اس لیے جو مشقتیں عادیہ معمول کے کام میں پیش آتی ہیں وہ حرج میں داخل نہ ہوں گی، نہ لغوی اعتبار سے اور نہ شرعی اعتبار سے، صرف اس حرج کا اعتبار ہوگا جو روزانہ کے کام اور معمول میں داخل نہ ہو، مثلاً سفر انسان کے معمول اور روزانہ کے کام میں داخل نہیں ہے لہذا سفر میں حرج سے بچنے کے لیے موزوں پر مسح کی اجازت تو سب سے مدت کے ساتھ دی گئی ہے، اور باجماعت نماز پڑھنے کے سلسلے میں سہولت دی گئی ہے کہ بوقت ضرورت سفر میں جماعت کو ترک بھی کیا جاسکتا ہے، دین اسلام کے اصولوں کی نظر میں اصل زندگی کا توازن ہے اسی لیے شریعت نے ضابطہ وضع کیا ہے کہ ”الحرج مرفوع“ کہ حرج کو اٹھالیا گیا ہے، لیکن اس کے برعکس اگر ہر ایک جگہ سے حرج کو اٹھالیا جائے اور ہر ایک قسم کے حرج کا اعتبار کیا جائے تو اس سے بعض لوگ خواہشات کی پیروی کرنے لگیں گے، اس لیے اعتدال کی راہ یہ ہے کہ جن صورتوں میں انسان کو عادیہ بعض معمولی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کو حرج نہ سمجھا جائے، مثلاً سردیوں کے موسم میں ٹھنڈے پانی سے وضو اور ایسے ہی گرمیوں میں روزے کی وجہ سے بھوک پیاس یہ بھی تکلیف اور مشقت ہے مگر یہ معمولی نوعیت کی تکلیف ہے اس کو حرج شمار نہیں کریں گے اور اس کی وجہ سے رخصت یا سہولت نہ ملے گی، کیونکہ یہ معمول کی عام تکلیف ہے جس کو انسان

(۱) الموافقات: ج ۲ ص ۲۷۳



برداشت کر سکتا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں مریض آدمی کے لیے سردیوں میں ٹھنڈا پانی استعمال کرنا کافی مشکل ہے اس سے حرج کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے، جس کا انسان عموماً عادی نہیں ہوتا ایسی صورت میں تیمم کی اجازت وضو کے بدل میں دی گئی ہے، اسی طرح بیمار آدمی کو گرمیوں کے دنوں میں روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے اور بعد میں اس کی قضاء تو کرے گا مگر اس کو کفارہ نہیں ادا کرنا پڑے گا اس حرج کا اعتبار کیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ وہ حرج معتبر ہے جس میں تکلیف یا مشقت زیادہ ہوتی ہو اور جس کو عموماً برداشت کرنا مشکل ہوتا ہو، اسی وجہ سے شرعاً وہ حرج معتبر ہے جس میں تکلیف زیادہ ہو، عام معمول کی تکلیف کو برداشت کیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے شرعاً عبادات یا معاملات میں تخفیف یا رخصت کے پہلو سے فائدہ اٹھانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے بلکہ صرف اسی مشقت، تکلیف و حرج کا اعتبار کیا گیا ہے جس کا برداشت کرنا انتہائی مشکل ہو اور مزید ہلاکت کا اندیشہ بھی ہو ایسے حرج کا شرعاً اعتبار کیا گیا ہے۔